ہندستان کے عہد مغلیہ
کی
سماجی تاریخ

ڈاکٹر محمد یٰسین

مترجم

اے۔ اے۔ ہاشمی بدایونی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند

ویسٹ بلاک۔I، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی۔110066

Hindustan Key Ehd-e-Maghlia Ki Samaji Tareekh

By : Dr. Mohd. Yaseen

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

سنہ اشاعت: جنوری، مارچ 1998ء شک 1920ء

پہلا ایڈیشن : 1100

قیمت : -/81

سلسلۂ مطبوعات : 833

ناشر : ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک-1، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066

طابع : میکاف پرنٹرس، ترکمان گیٹ، دہلی۔

پیش لفظ

"ابتدا میں لفظ تھا۔ اور لفظ ہی خدا ہے"

پہلے جمادات تھے۔ ان میں نمو پیدا ہوئی تو نباتات آئے۔ نباتات میں جبلت پیدا ہوئی تو حیوانات پیدا ہوئے۔ ان میں شعور پیدا ہوا تو بنی نوع انسان کا وجود ہوا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ کائنات میں جو سب سے اچھا ہے اس سے انسان کی تخلیق ہوئی۔

انسان اور حیوان میں صرف نطق اور شعور کا فرق ہے۔ یہ شعور ایک جگہ پر ٹھہر نہیں سکتا۔ اگر ٹھہر جائے تو پھر ذہنی ترقی، روحانی ترقی اور انسان کی ترقی رک جائے۔ تحریر کی ایجاد سے پہلے انسان کو ہر بات یاد رکھنا پڑتی تھی، علم سینہ بہ سینہ اگلی نسلوں کو پہنچتا تھا، بہت سا حصہ ضائع ہو جاتا تھا۔ تحریر سے لفظ اور علم کی عمر میں اضافہ ہوا۔ زیادہ لوگ اس میں شریک ہوئے اور انھوں نے نہ صرف علم حاصل کیا بلکہ اس کے ذخیرے میں اضافہ بھی کیا۔

لفظ حقیقت اور صداقت کے اظہار کے لیے تھا، اس لیے مقدس تھا۔ لکھے ہوئے لفظ کی، اور اس کی وجہ سے قلم اور کاغذ کی تقدیس ہوئی۔ بولا ہوا لفظ، آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ ہوا تو علم و دانش کے خزانے محفوظ ہو گئے۔ جو کچھ نہ لکھا جا سکا، وہ بالآخر ضائع ہو گیا۔

پہلے کتابیں ہاتھ سے نقل کی جاتی تھیں اور علم سے صرف کچھ لوگوں کے ذہن ہی سیراب ہوتے تھے۔ علم حاصل کرنے کے لیے دور دور کا سفر کرنا پڑتا تھا، جہاں کتب خانے ہوں اور ان کا درس دینے والے عالم ہوں۔ چھاپہ خانے کی ایجاد کے بعد علم کے پھیلاؤ میں وسعت آئی کیونکہ وہ کتابیں جو نادر تھیں اور وہ کتابیں جو مفید تھیں آسانی سے فراہم ہوئیں۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اچھی کتابیں، کم سے کم قیمت پر مہیا کرنا ہے تاکہ اردو کا دائرہ نہ صرف وسیع ہو بلکہ سارے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور پڑھی جانے والی اس زبان کی ضرورتیں پوری کی جائیں اور نصابی اور غیر نصابی کتابیں آسانی سے مناسب قیمت پر سب تک پہنچیں۔ زبان صرف ادب نہیں، سماجی اور طبعی علوم کی کتابوں کی اہمیت ادبی کتابوں سے کم نہیں، کیونکہ ادب زندگی کا آئینہ ہے، زندگی سماج سے جڑی ہوئی ہے اور سماجی ارتقاء اور ذہن انسانی کی نشو ونما طبعی، انسانی علوم اور ٹکنالوجی کے بغیر ممکن نہیں۔

اب تک بیورو نے اور اب تشکیل کے بعد قومی اردو کونسل نے مختلف علوم اور فنون کی کتابیں شائع کی ہیں اور ایک مرتّب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ کتاب اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے یہ اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔ میں ماہرین سے یہ گذارش بھی کروں گا کہ اگر کوئی بات ان کو نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے وقت خامی دور کر دی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائریکٹر
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند، نئی دہلی

فہرست

مضامین	صفحات
دیباچہ اشاعت دوم	9
دیباچہ اشاعت اوّل	12
اختصاریات	20
پہلا باب	
ملت	21
اجزائے ترکیبی	21
اجزائے ترکیبی کی امتیازی خصوصیات	24
مختلف مسلم فرقوں کے باہمی تعلقات	33
تشریحات حاشیہ	37
دوسرا باب	
معاشی زندگی	57
مسلمان بنیادی طور پر شہری زندگی کے عادی	57
سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کی نمائندگی	60
ایک جائزہ	60
خانگی معاشیات	62
تشریحات حاشیہ	69

تیسرا باب

مسلمان اور ہندو	82
عام ملازمتوں میں	82
مسلم اور ہندو طبقہ کالامراء کے مابین تعلقات	84
مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تعلقات عامہ	85
تشریحات حاشیہ	87

چوتھا باب

جشن اور رسومات	89
جشن اور تیوہار	89
رواج اور رسومات	96
معاشرتی آداب مجلس اور امور واجب	100
تشریحات حاشیہ	102

پانچواں باب

کچھ اہم فرقے	113
تشریحات حاشیہ	129

چھٹا باب

ملت کی ہندستانیت	135
مسلم ملت کا ہندستانی ہو جانا	135
مسلمانوں کے اختیار کردہ ہندستانی رواج اور طور طریقے	137
مقبول عام اوہام	139
تشریحات حاشیہ	142

ساتواں باب

انسان اور اخلاق و اطوار	147

معاشرتی خرابیاں اور اخلاقی انحطاط 147
تحفظ اسلام 158
مسلم محاسن، کمالات اور تفریحات 161
مسلم نسوانیت 164
کثیر الازدواجگی اور بیوہ کی دوسری شادی 167
خواتین اور سیاست 170
ملت کے اخلاقی محاسن و کمزوریاں 174
تشریحات حاشیہ 176

آٹھواں باب

ابتدائی ہزار سالہ مدت میں اسلام ہند 194
مہدوی تحریک، ایک اصلاح یا ردِّ عمل 194
راسخ الاعتقادی اور حریت پسندی کا تصادم 202
تشریحات حاشیہ 204

نواں باب

مجدّد الف ثانی 208
ایک مجدد کی ضرورت 208
شیخ احمد سرہندیؒ کی روش حیات 209
مجدّد صاحب کے معاصرین 216
مجدد صاحب کی تعلیمات 218
ایک تجزیہ 221
تشریحات حاشیہ 223

دسواں باب

مجدّد صاحب کی تبلیغ جاریہ 233

شاہ جہاں کے عہد میں راسخ الاعتقاد اسلام کی تجدید واحیاء	233
خواجہ محمد معصوم کی سرگرمیاں	234
اورنگ زیب بحیثیت مصلح	237
شاہ ولی اللہ دہلی اور ان کے بعد	238
تشریحات حاشیہ	243

گیارھواں باب

اختتامیہ	247
کتابیات	251
مزید کتابیات	289

☆☆☆

دیباچہ اشاعت دوم

یہ لکھنا نہایت حوصلہ افزا اور اطمینان بخش ہے کہ کتاب کا خلاف توقع پرجوش استقبال کیا گیا۔ ہر جگہ اس کی بے حد تعریف کی گئی۔ وشو بھارتیہ یونیورسٹی، شانتی نکیتن کے پروفیسر نرود بھوشن رائے نے البتہ "اسلامک کلچر حیدر آباد دکن" (جنوری ۱۹۶۱ء) کتاب پر جو تبصرہ کیا تھا اس میں رائے زنی نہ صرف ناجائز، بے محل، بے بنیاد اور غیر ضروری ہے بلکہ شر انگیز بھی ہے، جس کا مقصد اس ملک میں رہنے والی مختلف ملتوں اور مذہبی و معاشرتی طبقات کے احساسات کو برانگیختہ کرنا اور جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے۔ غیر ممالک میں کتاب کو اچھی طرح سمجھا گیا۔ مثلاً نیویارک کی مشنری ریسرچ لائبریری اینڈ ریسرچ کمیٹی نے کتاب کو پسندیدہ قرار دیا، کتابوں کی فہرست اور کتابیات میں شامل کیا اور تبلیغی جماعتوں، تبلیغی کتب خانوں اور امریکہ، کنیڈا، یورپ اور دنیا کے دیگر ممالک کے مشنری اداروں اور کتب خانوں کو روانہ کیا۔

ڈاکٹر جی ایس گھورائے نے اپنی تصنیف ہندستان میں معاشرتی تناؤ (Social Tensions in India) پاپولر پرکاشن بمبئی (Popular Prakashan Bombay) کے نام سے نہایت لیاقت سے انڈو مسلم تاریخ نگاری کی ماہیت اور رجحانات کا تجزیہ کیا ہے۔ بد قسمتی سے نام نہاد ترقی پسند اور قومی سورخین کے نظریات اور طریقہ کار حقائق کی بہ نسبت مصلحت پر زیادہ منحصر ہوتے ہیں۔ اگر ہندستان نے جمہوریت، سیکولرازم اور سماج واد کا راستہ اپنایا ہے تو وہ اسی فریم ورک میں ملک کی تاریخ کو آویزاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت سے قطعی با خبر نہیں ہوتے کہ یہ نقطہ نظر ان متعدد بے گناہ اداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، جو ایسی تصویر پیش کرتے ہیں، جس کو ملک کی حالیہ تاریخ تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے۔ کچھ جوشیلے لوگ اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کارل مارکس کی مقامی منطقی مادیت میں غیر حقیقی اور غیر تاریخی چیز کی نشر و اشاعت کرتے ہیں۔ پروفیسر ایف جی سی ہیرن شانے صحیح

ہی لکھا ہے:

"انسانی معاشرے کے متنوع مظاہر کی تشریح کوئی واحد عامل نہیں کر سکتا ہے۔ شخص اور حالات دونوں ہی اپنا رول ادا کرتے ہیں۔ انسانی افعال کے متعلق کلی حقیقت کا اظہار نہ تو آزادانہ قوت ارادہ سے ہوتا ہے اور نہ جبریت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ کیونکہ دونوں خیالات اور غیر عقلی جذبے، روح اور جسم آخر کار بچی خصلتیں ہیں، جن میں کوئی بھی ایک دوسرے کے توسط سے واضح نہیں کیا جاسکتا ہے"

"ہندستان کے عہد مغلیہ کی معاشرتی تاریخ" نے متعدد تسلیم شدہ عصری نظریات و توضیحات کو سنجیدگی سے للکارا۔ اس نے مزید تحقیق کے لیے محرک فراہم کیا اور مباحثہ کے دروازے کھول دیے۔

کتاب کی اشاعت کے وقت سے پاکستان میں کافی ادبیات تاریخ کی اشاعت ہو چکی ہے۔ "تاریخ تحریک آزادی" (A History of the Freedom Movement) کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے (ہندو پاکستان کی آزادی کے لیے مسلم جدوجہد کی داستان ہے) جو ۱۷۰۷ء تا ۱۹۴۷ء پر پھیلی ہوئی ہے۔ اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف 'انڈو پاکستان کے برصغیر کی مسلم ملت" (The Muslim Community of the Indo Pakistan Subconfinent) اور ایس۔ ایم۔ اکرام اور ایس۔ اے۔ رشید کی تصنیف "ہندستان اور پاکستان میں مسلم تہذیب کی تاریخ" (History of the Muslim Civilization in India and Pakistan) کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی کراچی کے رسالے میں اشاعت کردہ مضامین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں انڈو مسلم تاریخ نویسی پر سیاسی مقاصد مقدم ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر ایس۔ اے۔ اے۔ رضوی نے اپنی تصنیف سولہویں و سترہویں صدی میں شمالی ہندستان میں مسلم احیائی تحریکات شائع کی ہے۔ مصنف نے صحیح ترجمانی کے یکساں نظام کے تقلید کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ علمی اسلوب بیان اختیار نہیں کیا۔ غیر متعلق، غیر ضروری اور کالج کی درسی کتابوں تک کو بھی کتابیات میں شامل کر لیا گیا ہے۔ مثلاً ایس۔ آر۔ شرما کی کتاب "ہندستان میں مغلیہ

سلطنت" (Mughal Empirs is India) کو بھی فہرست کتب میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتابیاتی گوشوارے متعدد مقامات پر ناکمل اور غلط ہیں۔ مصنف کے کام کی نوعیت کے متعلق اس سے مستحسن امر نہیں ہو سکتا ہے کہ مشہور عالم شرقیہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی رائے کا تذکرہ کردیا جائے، جو دارالمصنفین اعظم گڑھ کے رسالے "معارف" میں شائع ہوئی ہے۔ "ان کی تحقیقات کی قدر و قیمت اور ماہیت وکیل کی اختراعی داستان کے مانند ہے۔ جس کا انحصار جعلی شہادت پر ہوتا ہے"۔ وہ مزید کہتے ہیں "ہندستان میں نہایت دلچسپ تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔ عظیم کاوش کے ساتھ یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ رامائن میں رام اور سیتا کی داستان بے بنیاد ہے، جس کو کسی مصری افسانے سے ماخوذ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کربلا کے مقام پر حضرت امام حسین علیہ السلام نے شہادت نہیں پائی تھی بلکہ قسطنطنیہ میں فطری وفات ہوئی تھی۔ یہ ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ شیواجی شاہ جی کے بیٹے نہیں تھے بلکہ کسی اور کے فرزند تھے۔ اب پوری سرگرمی کے ساتھ یہ تسلیم کرانے کی تحقیقی کوششیں کی جارہی ہیں کہ قطب مینار، لال قلعہ اور دہلی کی جامع مسجد مغلوں نے نہیں بلکہ راجپوتوں نے تعمیر کی تھیں۔ ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی کی کتاب بھی اسی قسم کی تحقیقات کا ایک نمونہ ہے۔ اس قسم کے تحقیقی کام کے باعث ہندستان کے علمی وقار کو دھکا لگتا ہے۔ (ندائے ملت لکھنؤ ۴/ فروری ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۱) میں وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی کا مرہون منت ہوں کہ انہوں نے کتاب کو اپنے نام سے منسوب کرنے کی اجازت دی۔ یہ کتاب ان کو میرا خراج تحسین ہے۔

میں ناشر حضرات کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا۔ میں محترم دیوندر جین کا خصوصی طور سے شکر گزار ہوں کہ کتاب کی نظر ثانی کی ہوئی اشاعت کو منظر عام پر لانے میں اپنی گہری دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ڈاکٹر بیگم مادھوی یٰسین کی مدد مسلسل شامل حال رہی اور انہوں نے اشاریہ تیار کیا۔

ج ۳۳، جواہر نگر، سری نگر ۳/ مارچ ۱۹۷۳ء — محمد یٰسین

دیباچہ اول

جدید جمہوریت کی پیدائش سے عرصہ دراز قبل اسلام نے فتویٰ صادر کیا تھا کہ ملک کی بہ نسبت ملت زیادہ اہم ہے یعنی حکمراں کی بہ نسبت قوم زیادہ اہم ہے۔ لیکن شہنشاہیت و آمریت سے لدی ہوئی قدیم تہذیب اور زمانہ وسطیٰ کے یورپ میں تاریخی غور و فکر کی دیوی سلطانی درباروں کی کنیز ہو گئی تھیں۔ عوام کو تقریباً فراموش ہی کر دیا گیا تھا۔ عوام الناس کو ظلم و تشدد کا نشانہ، جنگ و جدل، قحط زدگی اور وبا کے شکار کی حیثیت ہی دی جاتی تھی۔ صرف انگلستان کو ملک عوام ہونے کا فخر حاصل تھا۔ جے۔ آر۔ گرین کی عصری تصنیف "انگریز لوگوں کی تاریخ" کی اشاعت کے ساتھ انیسویں صدی میں وہاں کے لوگ بھی تاریخی حکم اجتماعی کے قریب آگئے۔ یہاں ہمارے ملک میں قدیم ہندو تاریخ کی چنداں فکر نہیں کرتے اور ازمنہ وسطیٰ میں ہندستانی تاریخ بیرون ہند اسلامی درباری روایات کی صف میں آگئی۔ اسلام نے اپنے عہد شباب کی ذہنی قوت کے ایام میں ایک زاویہ نگاہ سے زائد کو وسیلۂ مطالعۂ تاریخ تصور کیا۔ نہ صرف سیاسی بلکہ جغرافیائی اور ثقافتی عناصر کو ملحوظ رکھا۔ "فتوح البلدان" اور "کتاب الاغانی" ایسی ہی مثالیں ہیں۔ مطالعات ہندستانی تاریخ زمانہ وسطیٰ میں بار گراں رہی۔ جہاں سلاطین و بادشاہ اپنی خوفناک شکل کے توسط سے عوام الناس سے علیحدگی ہی اختیار کرتے تھے۔ یہ امر ہی ایک نہایت غلط نظریہ جاریہ کا ذمہ دار ہے کہ مشرقی اقوام کی کوئی تاریخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان میں کوئی فروغ نظر نہیں آتا۔ نمایاں طور پر کل...... آج......اور ہمیشہ وہ ایک ہی طرح سے رہتے ہیں۔ اس تعصب کو مزید تقویت اس حقیقت سے ملتی ہے کہ ہندستانی وقائع نویسوں کے تحریر کردہ بادشاہوں اور امیروں کے

قصیدوں، جنگوں اور محاصروں کے تذکروں، سازشوں اور قتال کی تفصیلات، فطری اور غیر فطری عیوب کے بیانات نے علماء حضرات کا صبر و تحمل پاش پاش کر دیا۔ ان کو یکسانیت اور سپاٹ پن کی کوفت اور ناگواری سے کوئی بھی نجات نہیں دلا سکا۔ کیونکہ وہ لوگ معاشرے کی حالت اور عام انسان کے نصیب میں تغیرات کا استقبال کرتے ہیں۔

غیر مسلموں کا یہ بھی یقین محکم ہے کہ مسلمانوں میں ترقی کی اہلیت و صلاحیت نہیں ہے کیونکہ اسلام غیر متبدل سخت گیری کا کلی مذہب ہے۔ لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔ اسلام کی مقصدیت کبھی بھی جمود نہیں رہی۔ جیسا خود پیغمبر صاحب کا ارشاد ہے "وہ جس کے ایام یکساں رہتے ہیں فریب میں ہے"۔ واصل بن عطا اور منصور بن حجاج بیرون ہند اور کبیر، اکبر، دارا شکوہ اور مرزا جان جاناں ہندستان میں یقینی طور پر کبھی غیر ترقی یافتہ ثقافت کی پیداوار نہیں تھے۔ حالانکہ اسلام اور ملت اسلامیہ کو ایک دوسرے کے مطالعے میں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ ملت اسلامیہ کے عیوب، ان کی مذہبی غیر رواداری اور فرقہ واریت کی ذمہ داری اسلام پر عائد کرنا غیر موزوں ہے۔ زمانہ وسطیٰ کے ہندستان میں مسلمان سیاسی اور اخلاقی گناہوں کے مرتکب ہوئے، جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو سزا دی۔ اس ملک کی حکمرانی پانچ سو سال تک ان کے پاس نہیں رہی۔ مسلم اور مسلم ہند کی تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے میرے شوق طلب کو تحریک ہوئی کہ آگہی حاصل کروں کہ بجا طور پر یہ گناہ کون کون سے تھے۔

"قانون اسلام" یا "ہندستانی مسلمان" جیسی کتابیں اگرچہ مفید ہیں، لیکن تاریخ کے ترقی یافتہ طالب علم کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ موضوع کے انتخاب میں میرا ذاتی عنصر بھی ہے۔ میں راسخ العقیدہ مسلمان ہوں اور میرے تاثرات آخری سال دو قومی نظریہ کی قومی مسلم نشر واشاعت کے سال تھے، جس سے پاکستان کی پیدائش ہوئی میں نے اپنے بزرگوں میں اختلاف رائے پایا۔ کچھ دو قومی نظریہ پر محکم تھے دیگر اس سے انحراف کرتے تھے اور اس کو مرض آلودہ سیاسی تصور کی تلون مزاجی یا توہم سمجھتے تھے۔ فطری طور پر میں نے غور و فکر

کے لیے تامل کیا کہ صداقت کس راستہ میں ہے اور تاریخ ہی کے پاس کلید صداقت ہے۔ دو قومی نظریہ کی صداقت کے حصول کی غرض سے انیسویں صدی کے آخر تک ہندستان کی مسلم ملت کی زندگی کا غیر جانب دارانہ سائنسی مطالعہ کرنا میرا مقصد حیات ہے۔ وسط سے آغاز کرنے کا میں نے منصوبہ بنایا یعنی جہانگیر کے عہد سے لے کر محمد شاہ کے زمانے تک راسخ العقیدہ مسلم رد عمل کا تاریخی دور، اور پھر اپنے موضوع پر پیچھے اور آگے زیادہ اطمینان سے کام کرنے کی تجویز کی تھی۔ اس مطالعہ میں میری سخت ترین جنگ و جدل میرے دروں مسلم کے خلاف رہی ہے۔ کیونکہ سائنس صرف صاف سادہ لوح پر صداقت تحریر کرتی ہے۔ میں نے اپنے جبلی تعصب اور حب الوطنی کو اپنے موضوع کے مطالعہ میں مداخلت نہ کرنے دی حالانکہ اپنی انانیت سے فرار اختیار کرنا ممکن نہیں ہو سکتا ہے۔ ہندستان کی مسلم ملت کی تاریخ کے اس حصہ کا معائنہ "البیرونی اعظم" کے ہندستانی تہذیب و ثقافت کے مطالعہ کرنے کی نگاہ و قلب سے غور و فکر اور تجزیہ کرنے کی سعی کی ہے۔

صرف شمالی ہندستان کی مسلم ملت تک ہی میں نے اپنی تحقیقات کو محدود کیا ہے۔ کیونکہ معاشرتی تاریخ کے نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے بجز خفیف مقامی اختلاف کے جو کچھ شمال کے متعلق سچ ہے وہ ہی جنوب پر بھی صادق آتا ہے۔ در حقیقت زمانۂ وسطی کے ہندستان کا روم دہلی تھا۔ جس نے اختیار، اقتدار، تہذیب و ثقافت، ذوق اور شستگی کی شعاعوں کو اس برصغیر میں فروزاں کیا۔

کتاب کا ابتدائی حصہ (ا۔ ے) مسلم ملت کا تجزیہ ہے، جس سے زیرِ مطالعہ زمانہ میں رد عمل کی سرگرمیوں کو بہتر طور سے سمجھنے کا نمایاں موقع بھی فراہم ہوتا ہے اور آخری حصوں میں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کی آغاز کردہ اصلاحی تحریک سے لے کر شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور سید احمد رائے بریلویؒ، کی تحریک کے ساتھ ساتھ ہندستان میں مہدوی تحریک پر ایک تعارفی باب ہے اور عہد اکبر کے دوران راسخ الاعتقادی اور حریت پسندی کے تصادم تک کے واقعات مدلل بیان کئے گئے ہیں۔ مسلمان جس کو اصلاح سمجھتے ہیں سیاسی اور تاریخی نقطۂ نظر سے رد عمل معلوم ہوتا ہے۔ مجدد الف ثانیؒ ان کے بیٹوں اور جانشینوں نے غالباً اپنی اصلاح

میں غلط راہ اختیار کی۔ انہوں نے بالائی طبقہ سے اصلاح کرنا اپنا نصب العین بنایا یعنی "بادشاہ اور امراء" برخلاف اس کے کام کرنے کا صحیح طریقہ یہ تھا کہ مسلم معاشرے کے زیرین طبقہ سے بالائی طبقہ کی طرف اصلاح کی جاتی۔ وہ اس مقولہ میں یقین رکھتے تھے کہ "شمشیر سلطان کے زیر سایہ شریعت سرسبز و شاداب ہوتی ہے"۔ یہ فوجی نظام منصب داری اور مذہبی مطلق العنانیت ہی ہے جو اکبر کے بعد بھی اتنا ہی فرسودہ تھا جتنا فرسودہ آج ہے۔ سلطانی قوت کے بغیر اگر شریعت کبھی محفوظ نہ رہی ہوتی تو ہر مسلم ملک سے اسلام غائب ہو گیا ہوتا، جو کسی وقت میں غیر ملکی مملکت کے تحت رہا تھا۔

شریعت شمشیر کے زیر سایہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے زیر سایہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ شریعت غیر فانی ثابت ہوئی ہے۔ زمانۂ وسطی کے ہندستان میں اصلاحی تحریکات نے ہمیشہ مذہبی راسخ الاعتقادی کا تعصب اور کسی بھی جدید شے سے مجنونانہ نفرت کی فصیل آخر میں چھوڑی ہے اسلام اور عیسائیت کے تبلیغی مذاہب، زمانہ قدیم اور وسطی کے بدھ مذہب کے کتب اپنے مقلدین کو دوسروں سے نفرت کرنے کا درس دیتے تھے تاکہ وہ اپنوں سے بہتر محبت کر سکیں۔ نفرت کی بنیاد پر تعمیر کردہ قصر محبت یقیناً منہدم ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ ہندستان کو بلا شبہ ایک مجدد کی ضرورت تھی ایک مصلح کی حاجت تھی جو مسلمانوں کو بہتر زندگی بسر کرنے کا درس دے اور جو بیرون حلقہ اسلام ہوں، ان کو بھی عزت و آبرو سے رہنے دے۔ غیر اسلامی چیزوں سے نفرت کی سرایت کے بغیر اسلام کی محبت کو پیوست کر دے۔

جہاں تک ماخذوں کا تعلق ہے، میں نے خصوصی طور سے اسلامی ماخذوں اور ہمعصر یورپی تذکروں پر اعتماد کیا ہے۔ قرآن و حدیث کا حوالہ اکثر و بیشتر دیا گیا ہے کیونکہ اسلامی اداروں کے مطالعہ کے اصلی ماخذوں کی تشکیل قرآن و احادیث سے ہی ہوتی ہے۔

ممتاز مسلم علمائے دین، شیعہ اور سنی دونوں کی تصنیفات سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ ہمعصر فارسی کی تاریخی داستانوں اور ادبی تصنیفات کی تکلیف دہ تلاش بسلسلۂ منتشر مواد کی گئی، جس سے زمانۂ متعلقۂ ہندستان کے مسلم معاشرے پر روشنی پڑتی ہے۔ اس صلۂ کاوش کو

بکثرت استعمال کیا گیا ہے، جس نے میری لمبی راہ میں بڑی مدد کی۔ ہندستان میں راسخ الاعتقادی اصلاحی تحریک کے ضمن میں زمانہ متعلقہ کی مستند اور غیر مستند تواریخ کو بھی صاحب اختیار تصدیق کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے۔ تقریباً غیر تلاش کردہ زمانہ وسطیٰ کی غیر انکشاف شدہ تاریخ کے وسائل تذکروں اور مسلم مشائخ کے مکتوبات کا بھرپور استعمال کیا گیا ہے۔ ان وسائل سے فراہم کردہ مواد کی روشنی میں مسلم اصلاحی تحریک کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ یقین کیا جاتا ہے کہ مغلیہ تاریخ اس زمانے کی معاشرتی اور مذہبی تحریکات کے حوالے کے بغیر بخوبی ہرگز نہیں سمجھی جاسکتی۔ زیر تبصرہ زمانے کے دوران ہندستان میں آئے ہوئے غیر ملکی سیاحوں کے بیانات کو وسیع و جامع طور پر استعمال کرنے کا غالباً میرے پاس ایک جواز ہے۔ ہمارے لوگ خاص طور سے مسلمان اس ملک کے انسان اور اشیاء کے بارے میں ان کی کہی ہوئی متعدد باتوں سے آزردہ و کبیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ حرم کی چند رسوا کن افتراشدہ باتوں کو مستثنیٰ کرکے ہمارے لوگوں کے کردار وعادات، خوبیوں اور کمزوریوں کے بارے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے ہمیں اس پر دھیان دینا چاہیے۔ رسوا کن واقعات ہوتے تھے "شاہی حرم اور امراء کے معاشرے میں" کثرت ازدواجگی اور ایک زوجگی سے متعلق رسوا کن واقعات مشرق میں پیش آتے ہیں تو مغرب میں بھی رسوا کن واقعات کچھ کم نہیں ہوتے۔ جو کچھ منوچی "شاہجہاں اور پاکیزہ جہاں آرا" کے بارے میں کہتا ہے اس کے سبب بلاشبہ ہمیں منوچی سے شکوہ و رنجش ہے۔ لیکن تاریخی غلطیاں جن کی آمیزش ان رسوا کن اور افتراکن واقعات میں کی گئی ہیں، ان اشخاص کے مشہور پاکیزہ کردار کے باعث غیر معتبر ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ غیر ذمہ دار بازاری افواہیں ہمیشہ نسوانی اوصاف اور غیر حقیقی بہتان پر فصاحت و خوش بیانی کی جاتی ہے۔ لیکن ہندستان کے بارے میں منوچی کے بیان کردہ حقائق کو قطعی طور سے مسترد کرنے میں کوئی شخص حق بجانب نہیں ہو سکتا۔ تاریخ کے مطالعہ میں دشمنوں کا طریقہ استعمال دوستوں سے کم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ابتدائی برطانوی عہد حکومت میں مسلم ملت کا زخم خوردہ فخر کسی بھی ہندو مخالفت کو ہمیشہ مشکوک سمجھتا تھا۔ اس تعصب، شک اور مخالفت کو یورپین سیاحوں سے وابستہ کر دینا معقول بات نہیں ہو سکتی جو

ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمانوں کی قربت و رفاقت کے زیادہ متلاشی رہتے تھے اور ان کی دلی دوستی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ جہاں تک ہماری نظر جاسکتی ہے یورپین سیاح مسلمانوں کو نہ تو برا سمجھتے تھے اور نہ ان کے خلاف تعصب رکھتے تھے بجز ان کے کٹرپن کے۔ عیسائی مبلغوں کی نظر میں مسلم اتنے راسخ الاعتقاد تھے کہ کسی مسلمان کو "تاریکی سے روشنی" کی طرف مائل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ میں نے اپنی پوری لیاقت و صلاحیت سے ان بیانات کی چھان بین کی ہے اور ان کا وزن کیا ہے اور تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے مجھے حقیقی تسلیم کرنا پڑا مسلمان کی حیثیت سے میں جن کے غیر حقیقی ہونے کا متمنی تھا۔

یہ یورپین دانشمند اور صائب مشاہدین تھے اور ان میں مشاہیر زیادہ تھے۔ مثلاً برنیر اور ٹیورنیر، ٹیری اور منوسی کو مسلم معاشرہ کا زیادہ قریب سے مطالعہ کرنے کے مواقع فراہم تھے۔ ان میں سے بعض کو بیرون ہندستان کے مسلمانوں کے بارے میں گہری معلومات حاصل تھیں اور اس طرح وہ ہندستانی اور ایرانی کے مابین یکسانیت و تفاوت کے نکات کا سراغ لگا سکتے تھے۔ ان بیانات کے مطابق ہندستان میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ قوم نہیں تھی۔ حالانکہ ثقافت اور تہذیب کے لحاظ سے جہاں تک عوام کی زندگی کا تعلق ہے روحانی اور مادّی اعتبار سے مختلف العناصر و مختلف الاوصاف ہندستانی معاشرہ کے قائد ہوتے تھے۔ بعض اوقات مجھے ایسی مستند تحریروں کے اقتباسات کا تذکرہ کرنا پڑا، جو صحیح معنوں میں ہمعصر نہیں تھیں اس کی وجہ مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشرہ یا ملت راتوں رات بذات خود نہیں ہوتی اور کوئی معاشرتی قانون سازی فوری طور پر اثر پذیر نہیں ہوتی۔ مسلم ملت کے بارے میں جو کچھ اکبر کے دنوں میں سچ سمجھا جاتا تھا بڑی حد تک جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد حکمرانی تک صادق آتا رہا۔ اورنگ زیب کے بعد ابتری کی جانب ایک تبدیلی نے نسبتاً زیادہ سرعت اختیار کرلی۔

ڈاکٹر کالکا رنجن قانون گو ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی کلکتہ سابق پروفیسر تاریخ ڈھاکہ اور لکھنؤ یونیورسٹی مشہور مصنف "شیر شاہ" "دارا شکوہ" وغیرہ کا اظہار تشکر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جنہوں نے اس کتاب کو دیکھنے میں نہ صرف خود کو چھوڑا اور نہ ہی مجھے بخشا۔

اور یہ عذر کر کے کہ خود ان کے استاد سر جادو ناتھ سرکار نے ان کی تصنیف "شیر شاہ" کے کچھ ابواب سات بار ان سے لکھوائے تھے۔ یہی نہیں بلکہ موصوف کی پدرانہ شفقتوں نے میرے والد کی شفقت سے محرومی کے نقصان کو پورا کر دیا۔ اگر موصوف کی شفقت، تسلی و تشفی اور مسلسل مالی امداد شامل حال نہ ہوتی تو میں پہلے ہی حالات کے ظلم و ستم و استبداد سے مغلوب ہو جاتا۔

میں ڈاکٹر آر۔ پی ترپاٹھی، پروفیسر محمد حبیب، ڈاکٹر محمد وحید مرزا، پروفیسر شیخ عبدالرشید، ڈاکٹر ایس۔ این۔ داس گپتا، ڈاکٹر اے۔ ایل۔ سریواستو، ڈاکٹر عبدالعلیم صدیقی، ڈاکٹر ہادی حسن، ڈاکٹر بنارسی پرساد سکسینہ، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر نندی لال چٹرجی، ڈاکٹر نورالحسن، چودھری محمد سلطان، ڈاکٹر آر۔ این ناگر، ڈاکٹر خلیق احمد نظامی، پروفیسر محمد سرور لاہوری، مسٹر نیاز فتح پوری، ڈاکٹر اے۔ بی۔ پانڈے، ڈاکٹر ایس۔ اطہر عباس رضوی اور سید صباح الدین عبدالرحمٰن کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے مشوروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی کی۔

مسلم علمائے دین شیعہ و سنی دونوں کا میں ممنون ہوں جنہوں نے اصل وسائل کی تحقیق و انکشاف میں میری بہت زیادہ مدد کی۔ سید مناظر احسن جیلانی، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، ناصر الملت مولانا محمد ناصر، سعید الملت مولانا محمد سعید، مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی، مولانا عبدالشکور، مجتہد العصر سید علی نقی کے اسمائے گرامی کا تذکرہ مجھے خصوصی طور سے کر دینا چاہیے۔ سید مسعود حسن رضوی (سابق پروفیسر فارسی لکھنؤ یونیورسٹی) کا اگر اس موقع پر اظہار تشکر نہ کروں تو ادائیگیٔ فرض کی ناکامی ہو گی۔ جنہوں نے اپنے ذاتی فارسی مسودوں کے ذخیرہ کو استعمال کرنے کی اجازت سے نوازا۔ میں سردار تارا سنگھ معاون لائبریرین لکھنؤ یونیورسٹی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری مدد کرنے میں گریز نہیں کیا، جو ٹیگور لائبریری میں علمی تحقیق کے طلباء کی ضرورتوں پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ لکھنؤ یونیورسٹی کی صاحب اقتدار ہستیوں کا عموماً اور جناب سی بی گپتا، اعزازی خزانچی اور پروفیسر کے ایس اے آئر، وائس چانسلر کا خصوصی طور پر ممنون ہوں

کہ دوران تحقیق میری خاطر مالی منظوری عطا کی۔ میں اپنے ہم جماعت اور دوست جناب برج بھوشن پانڈے ایم۔اے۔ایل۔ایل۔بی اور مسٹر مسعود علی خاں کا بھی شکر گزار ہوں۔ جو ایام افتاد میں عظیم سہارا ثابت ہوئے۔ مسٹر نردتم بھارگو بی ایس سی مینجنگ ڈائریکٹر اپر انڈیا پبلشنگ ہاؤس لمیٹڈ لکھنؤ کا تشکر عیاں ہے مجھے کہہ دینا چاہیے کہ مسٹر بھارگو کے بہم جوجوش وخروش کے بغیر میری کتاب نورالنہار کا دیدار نہیں کر سکتی تھی۔ مسٹر بھارگو کی نظر میں اشاعت پیشہ کی بہ نسبت مقصد حیات زیادہ ہے۔ مسٹر الطاف مرزا پریس منیجر اور مسٹر دلاور حسین پروف ریڈر سے حاصل کردہ تعاون تحسین آفریں ہیں۔ مسٹر رحمت علی صدیقی اپنے طالب علم کا تذکرہ آخری تو ہے مگر کچھ کم نہیں ہے جنہوں نے کتاب کا اشاریہ تیار کرنے میں بڑی حد تک مدد کی ہے۔

محمد یٰسین
شعبہ تاریخ لکھنؤ یونیورسٹی

☆☆☆

اختصاریات

بدایونی	:	"منتخب التواریخ" بدایونی
بہارستان	:	بہارستان غیبی مترجم ایم آئی بورہ
بب۔انڈ	:	بہلو تھیکا انڈ لکا سیریز (سلسلہ کتابیات ہند)
دبستان	:	دبستان المذاہب
فرشتہ	:	تاریخ فرشتہ
اقبال نامہ	:	اقبال نامہ جہانگیری، معتمد خاں
ابن بطوطہ	:	سیاحت ابن بطوطہ، عجائب الاسفار
جے،اے،ایس،بی	:	جرنل، روائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال
جے۔ آر،اے،ایس	:	جرنل روائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن
خانی خاں	:	منتخب اللباب، خانی خاں
مشکوٰۃ	:	مشکوٰۃ المصابیح
مکتوبات	:	مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی
روزس گلوسری	:	اے گلوسری آف دی ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف دی پنجاب اینڈ نارتھ ویسٹ فرانٹیر پروونس
سیر	:	سیر المتاخرین
سیاسی مکتوبات	:	شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات
تزک	:	تزک جہانگیری، مترجم روجرس اینڈ بیورج

☆☆☆

پہلا باب

ملت

اجزائے ترکیبی:

ہندستانی مسلمانوںؒ نے سلطان محمود غزنوی کے عہد سے شہنشاہ جہانگیر کے عہد تک بیرونی فاتحین اور مختلف نسلوں کے مہاجرین کے چھوٹے سے مرکزی نقطے کے اردگرد جزوی طور پر ہندستانی رنگ میں ڈھلی ہوئی ایک ملی جلی ملت کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ان میں عرب، افغان، ترک، ترک مان، منگول، اور منگولی تاتاری شامل تھے۔ تاہم مسلم طبقہ وسیع ہندو اکثریت سے قطعی مختلف تھا۔ مسلمان ایک مذہبی جماعت تھی جس کے اپنے اسلامی طور طریقے اور رسم ورواج تھے۔ یہاں کی مٹی اور فضا نے ان کی غیر ملکی نسلی خصوصیات کو ایک درمیانی نسل میں بدل دیا تھا جو ہندستانیت سے زیادہ قریب تھی۔ لیکن مسلمانوں نے سیاسی اور تمدنی لحاظ سے ملک کے قدیم دیسی باشندوں سے اپنی علاحدہ پہچان کو قائم رکھا۔ اکبر کا یہ خواب تھا کہ ہندستان کے مسلمانوں کو ہندستانیت کے رنگ میں رنگ دینے کے فطری عمل کو تیز تر کر کے سیاسی، تمدنی، اور روحانی اعتبار سے ایک نئے عہد کا آغاز کیا جائے۔ قرون وسطیٰ میں غالباً ہندو مذہب اور عیسائیت کے مقابلے میں اسلام شروع سے ہی ایک مضبوط قومیت کی تشکیل کا ذریعہ رہا ہے۔ اسلام کے زیر اثر عرب، ایرانی، تورانی، ہند آریائی، افغانی، یونانی، رومی اقوام نے بحیثیت قوموں کے دوبارہ جنم لیا۔ کیونکہ اسلام پس ماندہ لوگوں اور دبے کچلے طبقوں کے لیے ایک بہترین سماجی سیاسی اور مذہبی آئین اور نقطہ اجتماع فراہم کرتا ہے۔

اسلام نے ہندستان میں خیالات اور افعال کی یکسانیت، لباس، طور طریقے اور رسم ورواج کی معیاری اسلامی روایت سے ظاہری مطابقت رکھنے کی سختی سے پابندی کی، جیسا دیگر مقامات میں بھی اسلامی دستور عمل رہا ہے اسلام میں کوئی نئی بات پیدا کرنا گناہ مانا گیا ہے۔ اپنے عرب اسلاف سے حتی الامکان مشابہت رکھنا ہی مسلمان کا نمونہ حیات رہا ہے۔ پیغمبر خدا کی ذات گرامی ہر مسلمان کے سامنے ایک عظیم مثال ہے۔ پیغمبر صاحب کے ادنیٰ ترین عمل اور عادت کی تقلید کرنا سنت ہے۔ مسلمان اپنی مسواک کا انتخاب کرتے وقت پیغمبر خدا کی مسواک کی لمبائی اور موٹائی کا لحاظ رکھنا بھی سنت سمجھتا ہے۔ ان کی نظر میں تہبند اور پائجامہ بناتے وقت رسول مقبولؐ کے زیرین لباس کو ملحوظ رکھنا بھی سنت ہے۔ اس طرح راسخ الاعتقاد اسلامی ذہن میں عربیت اور اسلام ہم معنی ہو گئے ہیں۔ عالمی تہذیب کی ترقی کے عمل میں انسان مذہب سے بھی قوی تر ثابت ہوا ہے اور اسلام اس سے مستثنیٰ نہیں رہا ہے۔ اگر اسلام نے اپنے حلقے میں شامل لوگوں کے کردار کی تخلیق کی تو اسلام سے مشرف ہونے والوں نے بھی مختلف ممالک میں اسلام کے مزاج کی کچھ کم تشکیل نہیں کی۔ اسلام کے بجائے عربیت کے مقابلے میں ہم جنسی و یکرنگی کے بجائے تنوع اور رنگارنگی زیادہ سامنے آئی۔ بلاشبہ اسلام نے مفتوح طبقوں کو مضبوط قومیتوں میں ڈھال دیا لیکن یہ نئی نئی قومیں خاص طور پر جن کا قدیم تمدن تھا، اسلام کے خلاف ہی نہیں بلکہ عربیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دمشق کے امیہ خلفاء کی رہبری میں شیعہ تحریک سے حلقۂ اسلام میں اسی نسلی اور ذہنی بغاوت کا آغاز ہوا جس نے خود ہمارے زمانے میں عروج پایا جب مصطفیٰ کمال کی رہنمائی میں عربیت کے خلاف ایک عظیم تر کی بغاوت ہوئی۔ اور بتدریج حلقۂ اسلام میں عرب وغیر عرب اقوام کی کیمپوں کا ظہور ہوا، ہندستان کی مسلم ملت کا غیر حقیقی ظاہری تہذیبی یکرنگی کا رنگ و روغن کم وبیش ایک ہوائی خیال ہے، جو یہاں حقائق کی ٹھوس زمین پر انسانیت کے پیوندوں کو مربوط کرتا ہے، سب کو خوشگوار معلوم ہوتا ہے، لیکن صرف فلسفی یا سیاست داں ہی اس سے فیضان پاتا ہے۔ ہندستان کی مسلم ملت کی تاریخ کے غیر جانب دارانہ مطالعے اور متعلقہ دور پر نظر ثانی کرتے وقت یہ ظاہری یک رنگی ایک دم غائب ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہندستان میں آئے ہوئے یورپ کے سیاحوں کے گہرے مشاہدے سے یہ صداقت پوشیدہ نہیں رہ سکی۔ ان کو ہندستانی مسلمانوں سے اچھی واقفیت تھی۔ اگرچہ ہندستان کی مسلم ملت نے اپنی سطحی ظاہر داری کو بادی النظر کی حیثیت سے یک رنگ ٹھوس مربوط طبقے کی شکل میں پیش کیا جس کی شیرازہ بندی اسلام کی یگانگت نے کی لیکن در حقیقت ہندستان کی مسلم ملت ایک ملی جلی ملت ہے جس کے حلقے میں تمام اسلامی دنیا کے نسلی نمائندے اور معاشرت کے سب ہی طبقوں کے نومسلم شامل ہیں۔ اس برصغیر میں انہوں نے اپنے دور حکومت میں ایک قوم کی تشکیل کی جو ہندستانی قومیت سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ ہر ایک طبقے اور نسلی فرقے نے لازم وملزوم اجزا کی حیثیت سے اپنے فخریہ احساس کی شدت کو ترک کر دیا تاکہ یہ سب مل جل کر ایک ٹھوس، یکرنگ اور کامل جمعیت کی شکل اختیار کر لیں[3]۔

سترہویں صدی میں ہندستان میں باہر سے آنے والے مسلمان نمایاں طور سے ترکی[4]، افغانی[5]، ایرانی[6] جن میں ایسی بیناٸی اور عربی لوگوں کی آمیزش تھی، غیر ملکی لوگ دو خاص طبقات میں منقسم تھے۔ تورانی[7] اور ایرانی آکسس ایک خیالی خط تھا جس نے ان کی قومیت[8] کا تعین کیا تھا۔ افغانیوں کا وہی وطن تھا جو آج بھی ہے یعنی سلسلہ کوہ سلیمان[9] کی وادی پٹھانوں نے سارے ہندستان میں اپنے قدم جما لیے تھے لیکن ان ہندستانی پٹھانوں کو ولایتی پٹھانوں[10] سے حقیر سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی ان کے بھائی تھے جن کا مسکن سندھ کے پار پہاڑی خطے[11] میں واقع ہے اور اس کے مغرب میں ان ہندستانی پٹھانوں کو حقیر سمجھنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ شمالی ہندستان کے باقی باشندوں سے مسلسل ربط ضبط رکھتے تھے۔ اور آب وہوا کے فرق نے ان میں تبدیلی پیدا کر دی تھی اور دوسروں کے بہ نسبت زیادہ تیزی سے ہندستانی رنگ میں ڈھل گئے تھے[12]۔

اجزائے ترکیبی کی امتیازی خصوصیات

ایرانی:

ہندستان اور ایران کے درمیان ثقافتی تعلق کی تجدید ہندستان میں اسلام کی آمد سے ہی ہو چکی تھی[3]۔ مسلم فتوحات کے ابتدائی دور میں ترک و افغان جسم کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب کہ ایرانیوں نے مسلم حکمراں کے اعلیٰ طبقے کو ذہن فراہم کیا تھا۔ درمیانی مشرق میں بودھی منگولوں کے عروج کے ایک صدی بعد اور چنگیز خاں کے دورِ اقتدار سے مسلمان بڑی تعداد میں سکونت کے لیے محفوظ مقام کی تلاش میں ہندستان میں آچکے تھے۔ سلطان التتمش کے عہد میں ہندستان کا دارالسلطنت دہلی ایک صلح کل اور وسیع المشرب مسلم شہر بن چکا تھا، جہاں حکومتِ وقت کی طرف سے ہر ایک اسلامی ملک کے مہاجرین کے واسطے ایک علیحدہ محلہ[4] دے دیا گیا۔ اگر اسلام میں تمدن جیسی کوئی چیز تھی تو مشرق وسطیٰ میں ایرانی تمدن[5] نے عرب تمدن سے بھی زیادہ قوتِ حیات کا مظاہرہ کیا۔ نسلی بنیادوں پر ہندستان وسطیٰ کو دیے گئے اسلام کے ادبی اور تمدنی عطیات کا تجزیہ آسانی سے ایران کے کلی اقتدار کو ثابت کر دے گا۔ اس ایرانی اقتدار کی وجہ سے ایران کے متوسط طبقے اور روشن خیال طبقے کا آغاز فتوحات سے ہی بڑی تعداد میں ہندستان میں عمل دخل پاتا ہے۔ ہندستان میں شیعہ لوگوں کو فائدہ رہا۔ ان کو فائدہ پہنچنے کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان نسبتاً کم تھے اور اس نئے وطن میں شیعہ[6] سنی کی تلخی کی شدت میں بھی کمی تھی۔ صرف سلطان فیروز شاہ اپنی مذہبی شدت کی وجہ سے پیدا شدہ تنگ نظری کے باعث کبھی کبھی شیعیت کو سرزنش کرنے کا خیال اپنے ذہن میں لے آتا تھا۔ ایک سنی سلطنت میں بہرام خاں کا نائب السلطان کے عہدہ کو حاصل کر لینا دربار میں شیعہ اثر کی اعلیٰ سطح کو ظاہر کرتا ہے۔ شروع میں شیعہ اثر سنیوں کو نہ تو جارحانہ محسوس ہوتا تھا اور نہ ناقابل

برداشت تھا۔اس رواداری کی وجہ یہ تھی کہ سنی ملک میں شیعہ لوگ سنیوں کے طور طریقے اور طرز زندگی سے ظاہری طور پر مطابقت پیدا کر لیا کرتے تھے۔اس میں شیعہ گنہگار بھی نہیں ہوتا تھا۔اگر وہ تقیہ کرتے وقت ذہنی اعتبار سے شیعیت[7] کے عقیدے سے وابستگی رکھے۔اگر اعلانیہ[8] شیعیت پر عمل نہ ہو سکے تو اس کا ذہنی تحفظ کر لینے سے ہی شیعہ گناہ سے بچ سکتا ہے۔ مغلیہ سلطنت میں بجز ایران کے خلاف جنگ[9] کرنے کے شیعوں پر ہر حالت میں اعتماد کیا جاسکتا تھا۔ایرانی لوگ باہر کے فوجی دستوں میں اور اس کے جانشینوں کے دور میں ہندستان میں بڑی تعداد میں آگئے تھے۔ یہ لوگ دولت کے متلاشی تھے۔ان ایرانیوں کی کامیابیوں سے دوسروں کو بھی ان کے نقش قدم[10] پر چلنے کی ترغیب ملی۔ان کی لیاقت اور وفاداری کی وجہ سے انہیں اہم اور قابل اعتماد عہدوں پر فائز کیا گیا۔اگر چہ ایرانی لوگ تعداد میں تورانیوں سے نسبتاً کم تھے۔ "لیکن سلطنت کے اہم ترین عہدوں پر ایرانیوں کا ہی قبضہ تھا اور مغلیہ[11] دربار میں اثر رکھنے میں ان کا سب سے بڑا حصہ تھا"۔ شیعہ عہدہ داروں میں اطباء، شعراء، وکلاء، سپاہ اور دیگر پیشہ ور طبقات شامل تھے۔ یہ لوگ اسلام کے شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔اور اپنے عقائد پر مستعدی سے کاربند تھے۔ لیکن یہ لوگ اقلیت میں تھے اور سنی طبقے سے گہری وابستگی رکھنے والی ریاست کی ملازمت کرتے تھے۔ سنی طبقہ شیعیت کا حریف تھا۔اس لیے شیعہ لوگ اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ریاکاری کرنے سے بھی نہ چوکتے تھے۔ اگر چہ ایرانیوں نے خواہ اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ، مغلیہ سلطنت کی خدمات بڑی ہنر مندی اور وفاداری کے ساتھ انجام دیں۔ لیکن انہوں نے اپنی قومی رفعت کو ملحوظ رکھا اور اپنی قومی بلندی کی غرض سے فضول خود پسندی و خود نمائی کی ہی آرزو کرتے رہے اور اپنے فطری[12] بادشاہ یعنی شاہ ایران[13] کی اطاعت کے ممنون رہے۔ جب ان کو ایرانی حکمراں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیجا گیا تو ان پر سب سے زیادہ شک کیا گیا، جو کئی موقعوں[15] پر سچ ثابت ہوا۔

شاہجہاں کے بیٹوں میں شاہ شجاع نے شیعوں کی سب سے زیادہ پاس داری کی۔ جب اس نے دلی کی مسند کے لیے سنیوں کے علمبردار اورنگ زیب کے خلاف پہلے سے ہی سوچی سمجھی

جنگ کی تو اس نے ان پر اعتماد کیا اور اس نے ایران سے بڑی تعداد میں شیعوں کو بلوالیا تھا، وہ ان کو اپنے ساتھ بنگال بھی لے گیا تھا اور ان کو بنگال کے دارالسلطنت ڈھاکہ میں بڑی تعداد میں بسادیا تھا۔ ڈھاکے میں ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ اس کے دورِ حکومت میں ڈھاکہ واقعی شیعوں کا شہر ہو گیا تھا[26] اورنگ زیب کا پہلا بنگال کا وائسرائے میر جملا[27] شیعہ تھا نواب علی وردی خاں اور اس کے خاندان کے لوگ بھی شیعہ تھے[28] نتیجہ یہ ہوا کہ بنگال میں ایک دوسرا لکھنؤ نمودار ہوا، جس کا نام ڈھاکہ شہر تھا۔ اگر شیعہ مہاجرین[29] کی تعداد، اثر اور اہمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے تو ڈھاکہ شیعوں کا ہی شہر معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ وہاں شیعیت دم توڑ رہی ہے پھر بھی قدیم خاندانوں[30] کے ورثاء شیعیت کا اقرار اعلانیہ کرتے ہیں۔

جب کوئی سیاسی مقصد حاصل کرنا نہیں ہوتا تھا مثلاً میر جملا کی مصالحات اورنگ زیب شیعوں سے ان کی شیعیت[31] کی وجہ سے دلی نفرت کرتا تھا اور ان کو رافضی کا خطاب دیا کرتا تھا۔ "لاش خور بھوت" (غول بیابانی) اور "باطل مذہبا" کہہ کر مخاطب کیا جایا کرتا تھا۔ لیکن ان کی قابلیت کا اعتراف کرنے میں اورنگ زیب نے کوتاہی نہیں کی۔ جیسا خود اس نے صاف صاف اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ "دنیاوی معاملات کا دین سے کیا تعلق ہے؟ انتظامیہ کاموں کو مذہبی کٹرپن میں دخل دینے کا کیا حق حاصل ہے؟ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے۔ دانشمند لوگ لائق حکام کو دفتر سے ہٹانا پسند[32] نہیں کرتے ہیں" اگرچہ اس کے راسخ العقیدہ ناقابل مصالحت طرف داری نے منصفانہ فیصلہ کرنے میں رکاوٹ ڈالی۔ پھر بھی اس نے آنے والی نسلوں کے لیے ایسی رائے بطور میراث کے دی ہے جس سے ایرانیوں کے کردار کے بارے میں بصیرت افروز معلومات حاصل ہوتی ہیں ایرانی اور تورانی لوگوں کا موازنہ کرتے ہوئے اورنگ زیب کہتا ہے۔

"تورانی لوگ اسی شہر کے بھائی بند ہیں جس سے میرے اسلاف واجداد تھے۔ ایک کہاوت کے مطابق اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ گھمسان کی جنگ میں بھی پیچھے ہٹنے میں شرم مت سمجھو............ایرانی خواہ ولایت میں پیدا ہوئے ہوں (یعنی ایران یا

ہندستان میں) اس قسم کی تحریک سے سیکڑوں منازل دور ہیں"۔[42]

ایک اور جگہ بھی اورنگ زیب نے ایرانیوں کے بارے میں اپنی رائے دی ہے "عقائد کے تعصب اور مخالفت کے احساس سے بلند ہو کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح سورج ایرانیوں کا سرپرست سیارہ ہے اسی طرح ان میں ذہانت کی تیزی، ادراک کی سرعت اور دور اندیشی ہندستانیوں سے چوگنی ہے۔ جن کا سرپرستانہ سیارہ زحل ہے۔ ان میں صرف یہی نقص ہے کہ زہرہ سیارہ کے ملنے سے یہ لوگ آرام طلب ہو گئے ہیں۔ تم کو ایرانیوں کی عیاری سے محفوظ و محتاط رہنا چاہیے اور ان کی صلح کی تجاویز کو ہرگز قبول نہ کیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے تمہاری دانشمندی کی کمی ثابت ہو گی"[43]۔ لہٰذا ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ایرانی لوگ بہادر تھے اور بجز اس وقت کے جب ہندستانی مفاد ایرانی مفاد سے ٹکراتے تھے، جو ان کے اسلاف کا وطن تھا، وہ اپنے آقا کے سچے نمک حلال تھے۔ ہندستان میں ایرانیوں کی معاشرتی مرتبت اور تمدنی قیادت سب سے زیادہ معنی خیز اور اہم ہے۔ انہوں نے مسلم معاشرے کے بہترین جز کی تشکیل کی اور یہ لوگ ملت کے روح رواں تھے۔ وہ ایسے ملک سے آئے تھے جو تمدن، علمیت، فیشن اور نفیس طرز زندگی کا مرکز رہا ہے۔ معاشرتی شائستگی پر کامل دسترس ہونے کی وجہ سے تمام ایشیا میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔

تورانی:

تورانی لوگ حکمراں شاہی خاندان کے آبائی وطن سے وابستگیٔ نسل کے اعتبار سے وہ ترکی منگول تھے اور مذہبی عقائد کے لحاظ سے ان کا مسلک سنی تھا۔ جو مغلیہ ہندستان کا مذہب مملکت تھا۔ "بہ نسبت حسن کے ان کی شجاعت باعث تعریف و توصیف تھی۔ ان کی جسمانی ساخت چوڑی چکلی تھی۔ یہ لوگ مضبوط و قوی ہیکل تھے۔ ان کے چہرے قابی اور ناک چپٹی ہوتی تھی"[۲۲]۔ ہندستان میں بوجہ اکثریت سکونت اختیار کرنے والے دیگر مہاجرین کے مقابلہ میں تورانیوں نے شاہی لطف و کرم کی بدولت آبادی کے نمایاں ترین حصے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ان کی فوجی اور دیوانی کی اعلی لیاقت نے کچھ لوگوں کو فوج اور مملکت میں بااثر دبار سوخ بنادیا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے محکوم لوگوں کے کردار کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا تھا۔ وہ تورانیوں کے بارے میں کہتا ہے:

"تورانی ہمیشہ سے فوجی رہے ہیں۔ یہ لوگ آغاز جنگ، حملوں، شب خون، اور گرفتاریوں کے ضمن میں بہت ماہر ہیں۔ جب ان کو عین دوران جنگ پیچھے ہٹنے کے احکام دیے جاتے ہیں تو ان کو نہ شک ہوتا ہے، نہ مایوسی کا احساس کرتے ہیں اور نہ شرم محسوس ہوتی ہے...... اور ہندستانیوں کی شدید حماقت سے سیکڑوں منازل دور ہیں۔ یہ لوگ دوران جنگ اپنے سپہ سالاروں سے الگ تو ہو جاتے ہیں۔ لیکن اپنے معینہ مقامات کو نہیں چھوڑتے۔ یہ نسل ہر لحاظ سے آپ کے الطاف و عنایات کی مستحق ہے کیونکہ متعدد مواقع پر یہ لوگ ضروری خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ جب کہ دیگر نسل اسی کام کو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی"[۲۳]

عام طور سے یہ لوگ نیک طینت، محتاط، موقع شناس، مہذب، شایستہ، شکر گزار اور فرمانبردار[۲۴] تھے۔ ان میں ہر کام کرنے کی لیاقت اور گہرا اعتماد تھا خواہ وہ کام کتنا ہی دشوار اور پیچیدہ ہو۔ لیکن جب بھی ان کی آزمائش کی گئی تو ہمیشہ توقع کے بموجب صورت حال پیدا نہ ہوئی[۲۵]

افغانی:

افغانیوں کی قوی ہیکل اور جنگجو نسل ایک بار ہندستان پر حکمرانی کرچکی تھی حالانکہ ان کا دور حکومت مختصر تھا تاہم عظیم الشان رہا ہے۔ طویل تیموری عہد کی تاریخ کے خیرہ کن صفحات میں یہ دور صرف ایک باب کی ہی حیثیت رکھتا ہے بایں ہمہ اس عہد کی اپنی قدر و قیمت ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نسل سے آئے ہوئے ادنیٰ ملازمین اور سپتے تک اعلیٰ قسم کے جوشیلے، زندہ دل اور جنگجو[۲۱] تھے۔ ان میں اس ملک پر دوبارہ حکمرانی کرنے کی موہوم امید تھی۔ یہ ان کی دلی اور عزیز ترین تمنا تھی۔ یہ ایک ایسا خواب تھا، جس کی تعبیر ان کے نصیب میں نہیں تھی۔ ایک پٹھان اپنی بات کی صداقت کو مؤثر بنانے کی غرض سے یہ کہاوت عموماً کہتا تھا "اگر ایسا نہ ہو تو مجھے دلی کا تخت نشین ہونا نصیب کبھی نہ ہو[۲۲]"۔ مغلوں اور افغانیوں کے تعلقات دوستانہ نہیں تھے۔ افغانیوں کو مغلوں سے شدید ترین نفرت تھی اور طوق محکومی نے ہی ان کو آخر الذکر کے تسلط و حکمرانی پر رضامند کردیا تھا۔ اور وقت کے ساتھ ان کے زخم بھی جزوی طور سے مندمل ہوگئے[۲۳]افغانی مغلوں[۲۴] کی بہ نسبت اپنی شجاعت جسارت اور غرور، خود پسندی کے علاوہ تہذیب، علمیت، ذوق و شائستگی[۲۵] میں کم تر تھے، اور اپنی عام ناشائستگی، ناخواندگی، شیخی اور بد مزاجی کے لیے مشہور تھے۔ وہ خاص طور سے بہار اور بنگال[۲۶] میں ملک کے اس علاقہ میں آباد تھے جو گنگا کے قرب وجوار میں تھا۔ پٹھان ایک ضدی فوجی تھا ان کے بارے میں یہ مقولہ تھا "ان کی تلواریں جب بھی میان سے باہر نکلتیں خونچکاں ہو جاتی تھیں[۲۷]"، وہ اس عادت میں راجپوتوں کی طرح تھے کہ جنگ میں مصروف ہونے سے پہلے افیون کھاتے یا دیگر نشہ آور اشیا استعمال کرتے تھے اور مہم میں مشغول ہونے سے قبل مرنے یا فتح مند ہونے[۲۸] کا مصمم ارادہ کرلیا کرتے تھے۔ افغانیوں کی اکثریت سنی تھی۔ اگرچہ ان میں سے کچھ دیوانی انتظام کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ لیکن عموماً یہ لوگ تمدنی زندگی کے

اعتبار سے ناتراشیدہ تھے۔ ان کی شیخی اور نمائشی نخوت و تکبر افغانی کردار کی نمایاں ترین خصوصیات تھیں۔ وہ بے انتہا خود نمائی، خود آرائی اور تکبر و نخوت کے دلدادہ تھے۔ "ہر ایک اپنے کو باقی اور لوگوں سے عظیم تر تصور کرتا تھا۔ اور دوسروں کی کوئی برتری یا فوقیت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتا تھا"۔

ہندستانی مسلمان

اس طبقے میں ہم دو قسم کے لوگوں کو شامل کر سکتے ہیں۔ایک قسم ان لوگوں کی تھی جن کے آباواجداد نے غیر ملکی مہاجرین کی حیثیت سے سرزمین ہند کو اپنا وطن جدید قرار دیا تھا۔ دوسری قسم ان ہندوؤں کی تھی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھااور نو مسلم کہلاتے تھے۔اول الذکر لوگوں نے ہندستانیوں کے ساتھ باہمی شادیاں کیں اور صحیح مفہوم میں ہندستانی ہوگئے اور انہوں نے ہمیشہ زندگی کے معاملات اور نظم ونسق میں ہندستانی استحقاق کی طرفداری کی۔لوگوں کے ان دو طبقات میں مشکل سے ہی امتیاز کیا جا سکتا تھااور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں نو مسلم عوام شامل تھے۔

نو مسلم ہندو معاشرے سے وجود میں آئے تھے یا زبردستی مذہبی تبدیلی کی تھی۔ انہوں نے مادی طور سے اپنے زاویۂ نگاہ اور معاشرتی رویہ میں تبدیلی نہیں کی تاہم بہت سے دیگر پہلوؤں میں کچھ ترقی پسندی کی طرف پیش قدمی کی[51] بایں ہمہ و پیغمبر اسلام کے مذہبی عقائد کو ہندستان میں وہ کامیابی وکامرانی حاصل نہ ہو سکی جو اس کو مصر، ایران اور بزنطائینہ (Byzantina) میں ملی مذہب کی تبدیلی نے ان کے ماحول اور فضا کو تبدیل نہیں کیا یہ ماحول وفضا، سماجی علیحدگی، اوہام پرستانہ خیالات اور ذات پات کی پابندیوں کے ذریعے ان میں سرایت کرتا رہا[52] راجپوت نسل کے نو مسلم لوگوں نے احتیاط برتی اور انہوں نے اپنے تبدیل شدہ ناموں کے ساتھ اپنے اصل قبیلے کی پہچان کو بھی شامل رکھا۔اگرچہ وہ تمام نو مسلم لوگ جنہوں نے حلقۂ اسلام میں شمولیت اختیار کر لی تھی عموماً حاصل تعظیم لقب شیخ سے موسوم کیے جاتے تھے۔ہندستانی مسلمان اپنے عادات، رسومات واطوار میں دیگر مسلم طبقات سے مختلف تھے[53] ان میں تقریباً سب ہی سنی تھے[54] یہ ناشایستہ قسم کے لوگ تھے۔ وہ حریص بھی تھے۔وہ اتنے خوش تدبیر اور ہوشیار بھی نہیں تھے جتنے افغانی یا مغل تھے[55] سادات بارہ کا مختصر حوالہ جن کا تعلق اس طبقے سے ہے، بے محل نہ ہوگا۔یہ لوگ اپنے کو

ہندستانی سمجھتے تھے اور ہر مفہوم میں ہندستانی ہو بھی چکے تھے۔ ان کو غیر ملکی لوگوں سے ہمدردیاں نہیں تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ایران و توران سے آئے ہوئے لوگوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اوران کو غیر ملکی ہی تصور کرتے تھے۔ ان کے آباواجداد اس ملک میں فتوحات اسلام کے ساتھ ساتھ آچکے تھے اور ہندستان کے فطری شہری ہو گئے تھے۔ ان کے نام کا ماخذ بارہ دیہات کا وہ مجموعی علاقہ ہے جو مظفر نگر کے جدید ضلع میں واقع ہے۔ یہی مظفر نگر کا ضلع ان کا آبائی وطن اور خصوصی قلعہ[7] کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ الگ الگ گروہوں میں سارے ملک میں پھیل گئے تھے[8] مسلم لوگ پیغمبر صاحب کی ذریات (اہل بیت) کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے گویا اس نے ان کے مذہبی عقیدہ کی ایک شکل اختیار کرلی ہے۔[9] سادات صرف مذہبی عہدوں پر فائز تھے۔ یہ لوگ سیاست میں مشغول و منہمک ہوئے اور دہلی میں ایک شاہی خاندان وجود میں آیا۔ حالانکہ ان کا دور حکومت نہایت قلیل رہا۔ بایں ہمہ ان کے اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے سے ان کے سماجی مرتبے اور مذہبی تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

سترہویں صدی میں انہوں نے ایک قوی جتھا بنالیا اور ملک کی سیاست[10] میں فیصلہ کن سرکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ایک صدی بعد وہ واقعی حکمراں ہو گئے۔ انہوں نے مکمل صاحب اقتدار کی حیثیت اختیار کرلی جب انہوں نے شہنشاہوں کا بنانا اور بگاڑنا شروع کردیا تو ان میں ایک قسم کی باہمی دمشترکہ برادری کو فروغ ہوا۔ وہ لوگ انفرادی معاملہ کو اجتماعی معاملہ تصور کرتے تھے اور ایک شخص کی تحقیر کو سارے جتھے کی توہین اور عام سادات[11] کی حقوق تلفی حکم عدولی اور خلاف ورزی سمجھتے تھے۔ صرف ایک سید ہی دوسرے سید کو قتل کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور اس کو اس فعل کا اہل تصور کیا جاتا ہے[12] سادات بارہ اپنے عزم، استقلال، شجاعت اور جنگ جوئی کے لیے سارے ملک میں مشہور تھے۔ میدان جنگ میں شاہی فوجوں کی سواری کی رہبری کرنے کی خصوصی رعایت ان کا پیدائشی حق تھا۔ مذہبی جوش و خروش اور دلیرانہ فضا اس قبیلے کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ ان سادات بارہ میں کئی لوگوں کو ان کی خدمات مملکت کے عوض حریصانہ خطاب "خان" سے نوازا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا خطاب تھا جس نے وقت کے گزرنے پر اکثر و بیشتر ان کے سید ہونے کے تمام آثار و نشانات کو مٹادیا۔

مختلف مسلم فرقوں کے باہمی تعلقات

غیر ملکی لوگوں کا احساس برتری:

"مغل" ایسی اصطلاح تھی جو عام وصف کو آشکار اکرنے کی غرض سے وضع کی گئی تھی۔ اس اصطلاح کا اطلاق ہندستان کی مسلم آبادی کے تمام غیر ملکی اوصاف پر ہوتا تھا۔ دراصل یہ اصطلاح تیمور خاندان اور ان کے متعلقین کے ضمن میں ضروری عنصر واضح کرتی تھی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ "مغل" اصطلاح کے مفہوم میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ برنیز کہتا ہے "غیر ملکی کے نزدیک "مغل" کی پہچان کے لیے اس کا سفید چہرہ اور اسلام کا قبول کرلینا ہی کافی ہے"۔

ایرانی، ترکی، عربی اور ازبیک اسی قسم کی اصطلاح کے تحت آجاتے ہیں۔ آخری دور میں قندھار سے آئے ہوئے افغانیوں پر "مغل" اصطلاح کا اطلاق ہوتا تھا۔ مثلاً احمد شاہ ابدالی کے فوجی لوگ مرہٹوں کی نظر میں ولایتی مغل تھے۔[1]

غیر ملکی لوگ تیمور اور بابر جیسے رہنماؤں کی سرکردگی میں رہ چکے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زمانے کے معاشرے کے کامل نمونہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے غرور و نخوت اور احساس برتری کو مکمل طور سے برقرار رکھا۔ "سیاہ فام"[2] ہندستانیوں سے متعلق جذبۂ نفرت کے تحت یہ لوگ خود کو "سفید" کہلوانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ مسلم

معاشرہ میں ہندستان میں پیدا شدہ مسلمانوں اور ہندو نو مسلم لوگوں میں ایک عام علیحدگی نمایاں تھی۔ ہندستانی مسلمانوں کے آباواجداد صدیوں پہلے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا وطن بنالیا ایک طرف نو مسلم وہ لوگ تھے، جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری طرف وہ تازہ خون تھا جو مسلم ملت کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا۔ اس طرح مذکورہ بالا علیحدگی حیرت انگیز طور سے عیاں تھی۔ بایں ہمہ غیر ملکی حکمراں اور صاحب اقتدار غیر ہندستانی طبقات کی علیحدگی نے ان کو جائز حصے سے زیادہ عزت واحترام سے نواز دیا اور ان کو اعلیٰ ترین معاشرتی امتیاز وافتخار کا استحقاق عطا کیا۔ لوگوں میں مدخولہ غیر ملکی آبائی صفات کا انکشاف کرنا ایک مقبول مشغلہ ہو گیا تھا۔ برنیئر کے قول سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے۔

"تقریباً ہر فرد جب عظیم مغلیہ دربار میں داخل ہوتا ہے تو اپنی بیویوں یا مدخولہ عورتوں کا انتخاب کشمیر سے کرتا ہے تاکہ اس کے بچے ہندستانیوں سے زیادہ سفید ہوں اور اصلی مغل سمجھے جائیں"۔

اس بیان سے ہندستانی اصلیت[18] کے مسلمانوں کے احساس کمتری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حسد اور منافرت:

مسلم ملت کے مختلف فرقوں کے باہمی حسد اور رقابت کا موضوع ایک دلچسپ مطالعہ ہے، جس کا اظہار مختلف رنگ روپ میں ہوتا تھا۔ حسد اور منافرت کے بنیادی اور اصلی وجوہات تین تھے: اصل ونسل، فرقہ پرستانہ اختلافات، اور ذاتی اغراض۔ ایران اور ٹرانس اکسانیا، صرف دو ملکوں ہی کی توضیح نہیں کرتے بلکہ ان سے مراد دو قومیں ہیں جو نسلاً اور مذہباً مختلف تھیں۔ ایران اور توران کی رقابت فطری اعتبار سے بڑی دیرینہ ہے۔ جب ان دو ملکوں کے نمائندے ہندستان میں آئے تو وہ اپنے ساتھ نفرت اور عداوت[19] کے جذبات بھی لائے تھے۔ یہاں ہندستان میں یہ نفرت وعداوت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ جب فرماں روا بادشاہوں نے ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کی تاکہ سلطنت کا استحکام یقینی ہو جائے

اور ایرانی و تورانی میں سے کسی کو بھی اتنا قوی نہیں ہونے دیا کہ خود تخت شاہی کے حق میں خطرہ ہو جائے یا وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائیں۔ لیکن اورنگ زیب کی موت کے بعد جب شہنشاہ اقتدار و اتحاد کے مرکز کی حیثیت کا حامل نہ رہا تو سیاست میں فرقہ واریت عود کر آئی اور ذاتی تحفظ کے جذبہ نے اس کو تقویت بخشی اور نئی راہیں دکھائیں اور متاخرین مغلوں کی تاریخ ۱۷۳۹ء کے بعد سے ان گروہوں کی باہمی سیاسی جنگ و جدل کی تاریخ ہے، جس کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ افغانی لوگ مغلوں کو غاصب سمجھتے تھے۔ عموماً مملکت کے اعلیٰ عہدوں کے ضمن میں ان کو نظر انداز کر دیا جایا کرتا تھا، خواہ یہ عہدے دیوانی کے ہوں یا فوجی اقتدار و مرتبت کے۔ عہدہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا احساس اندرونی طور سے ان کے خون کو کھولاتا رہتا تھا۔ ہندستانی مسلمانوں نے اپنی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اعلیٰ مسلم طبقات کی ایک نمایاں خصوصیت محض ایک ایسا گناہ تھا، جس میں سب ہی گرفتار تھے۔ مغلیہ سلطنت میں اعلیٰ حکام اور امرا کے تمام اعزاز اور جائدادیں شخصی ہوتی تھیں۔ قرون وسطیٰ کے علاوہ کسی اور زمانہ میں نہیں ہوا کہ انفرادی شہرت و ناموری کے لیے ایسی سخت گیر تگ و دو رہی ہو۔ ہر شخص نے اپنے ہمسروں اور ہمعصروں کو پائمال کرنے کی کوشش کی اور بذات خود ترقی کے راستہ پر گامزن ہوا اور ہر قیمت پر شاہی سائبان کے زیر سایہ آجانے کی سعی کی ترقی کرنا یا ایک دوسرے کی جگہ لینا اور ہم چشموں کے خلاف تلخ جذبات پیدا کرنا گویا مسلک زندگی بن گیا۔ یہ حیرت انگیز بات قابل غور ہے کہ ذاتی ترقی و پیش قدمی کے جوش و خروش میں مملکت کے مفاد کو ضرر پہنچتا تھا۔ اس کے باوجود زندگی کے ہر شعبے میں رقابت اور حسد کے مظاہر سامنے آتے تھے اور اس وجہ سے خلوص، مفاد عامہ اور انسانی فلاح جیسی کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی ہر طرف حسد، خود غرضی اور مطلب پرستی کا غلبہ تھا۔ انفرادی مفاد ہی سب کچھ تھا۔

دیگر قابل لحاظ امر کے علاوہ مسلم ملت کا دو مخصوص فرقوں یعنی شیعہ اور سنی میں خالص مذہبی بنیاد پر منقسم ہو جانا ایک دوسرا تکلیف دہ پہلو ہے۔ باہمی تعلقات تلخ اور آزردہ ہو گئے اور اس نفاق نے مسلم معاشرہ کے تمام طبقات میں سرایت کر کے ان کو یکساں طور

پر متاثر کیا۔ شیعہ حضرات شروع کے تین خلفاے راشدین پر تبرا کرتے ہیں[٤٦] اور صرف حضرت علیؓ کو ہی مستحق و مستند خلیفہ سمجھتے ہیں۔ جن کے مطالبات کو پیش رو خلفاء نے رد کر کے مسابقت[٤٧] حاصل کرلی۔ اسی وجہ سے ادنٰی باتوں پر فتنہ و فسادات پیدا ہوئے اور باہمی لعن و طعن[٤٨] کی نوبت پہنچی۔ سنی حضرات نے شیعہ حضرات کو بت پرستوں سے بدتر تصور کیا اور شیعہ حضرات نے بھی ویسا ہی رد عمل کیا۔[٤٩] دنیاوی مفاد کے سوالات کو مذہبی تنازعات کا رنگ دیا گیا اور انفرادی انتقامی جذبات نے ہنگامہ عوام الناس اور بلوہ کی شکل اختیار کرلی اور حکومت کی مداخلت کے سبب التوائے جنگ اور عارضی صلح کو برقرار رکھا گیا۔[٥٠]

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

پہلا باب

(۱) لغوی مفہوم راہ پائے لوگوں سے ہے یعنی ایسے لوگ جو اسلام کے روایتی احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور فرماں برداری کو طرۂ امتیاز سمجھتے ہوں۔ (برہان قاطع)

(۲) اسلام کی ایک قسم کی مذہبی قومیت کا تصور ہے اور ایسی کوئی چیز جو طبقاتی امتیاز کو تقویت دیتی ہے اسلامی نقطۂ نظر سے نفرت انگیز ہے۔

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں اعلانیہ کہا تھا:

"معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم سب ایک برادری ہو۔ سب برابر ہو" (مشکوٰۃ شریف)

(۳) منڈیسلو کے بیان کا موازنہ کیجیے۔

"ان علاقوں میں (ہندستان) کے سب محمدی (مسلم) ایک ہی مذہب کے پیرو کہے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اوہام پرست ہیں اور خصوصی طرز زندگی کے لحاظ سے بہت سے مختلف طبقات کے بہ نسبت متعدد اقوام قرار دیا جاسکتا ہے، (صفحہ ۶۵)

(۴) فادر دوجیرک کا قول ہے "ہندستان میں دو قسم کے ترکی فوجی پائے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایشیا سے آئے جن کو ترکی کا نام دیا جاتا ہے اور وہ جو یورپ سے آئے جن میں سے زیادہ تر قسطنطنیہ سے وابستہ ہیں، جن کو جدید عوام کہا جاتا ہے۔ جن کی بناء پر ہندستانی اور پرتگالی ان کو رومی کہتے ہیں۔ (اکبر اور ایشیائی مبلغ صفحہ ۱۷۴) یہ دراصل یونانی "رخ ما" عربی نسل "ردم" سے ہے۔ سلجوتی سلطنت کو ردم کا نام دیا گیا ہے۔ سلجوقی سلطنت فرات سے

ہندستانی سمجھتے تھے اور ہر مفہوم میں ہندستانی ہو بھی چکے تھے۔ ان کو غیر ملکی لوگوں سے ہمدردیاں نہیں تھیں اور یہی وجہ تھی کہ ایران و توران سے آئے ہوئے لوگوں کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور ان کو غیر ملکی ہی تصور کرتے تھے۔ ان کے آباواجداد اس ملک میں فتوحات اسلام کے ساتھ ساتھ آچکے تھے اور ہندستان کے فطری شہری ہوگئے تھے۔ ان کے نام کا ماخذ بارہ دیہات کا وہ مجموعی علاقہ ہے جو مظفر نگر کے جدید ضلع میں واقع ہے۔ یہی مظفر نگر کا ضلع ان کا آبائی وطن اور خصوصی قلعہ[7] کی حیثیت رکھتا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ الگ الگ گروہوں میں سارے ملک میں پھیل گئے تھے[8] مسلم لوگ پیغمبر صاحب کی ذریات (اہل بیت) کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے گویا اس نے ان کے مذہبی عقیدہ کی ایک شکل اختیار کرلی ہے۔[9] سادات صرف مذہبی عہدوں پر فائز تھے۔ یہ لوگ سیاست میں مشغول و منہمک ہوئے اور دہلی میں ایک شاہی خاندان وجود میں آیا۔ حالانکہ ان کا دور حکومت نہایت قلیل رہا۔ بایں ہمہ ان کے اقتدار کے ہاتھ سے نکل جانے سے ان کے سماجی مرتبے اور مذہبی تقدس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

سترہویں صدی میں انہوں نے ایک قوی جتھا بنالیا اور ملک کی سیاست[10] میں فیصلہ کن سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ ایک صدی بعد وہ واقعی حکمراں ہوگئے۔ انہوں نے مکمل صاحب اقتدار کی حیثیت اختیار کرلی جب انہوں نے شہنشاہوں کا بنانا اور بگاڑنا شروع کردیا تو ان میں ایک قسم کی باہمی وشتر کہ برادری کو فروغ ہوا۔ وہ لوگ انفرادی معاملہ کو اجتماعی معاملہ تصور کرتے تھے اور ایک شخص کی تحقیر کو سارے جتھے کی توہین اور عام سادات[11] کی حقوق تلفی حکم عدولی اور خلاف ورزی سمجھتے تھے۔ صرف ایک سید ہی دوسرے سید کو قتل کرنے کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور اس کو اس فعل کا اہل تصور کیا جاتا ہے[12] سادات بارہ اپنے عزم، استقلال، شجاعت اور جنگ جوئی کے لیے سارے ملک میں مشہور تھے۔ میدان جنگ میں شاہی فوجوں کی سواری کی رہبری کرنے کی خصوصی رعایت ان کا پیدائشی حق تھا۔ مذہبی جوش و خروش اور دلیرانہ فضا اس قبیلے کی امتیازی خصوصیات تھیں۔ ان سادات بارہ میں کئی لوگوں کو ان کی خدمات مملکت کے عوض حریصانہ خطاب "خان" سے نوازا گیا تھا۔ یہ ایک ایسا خطاب تھا جس نے وقت کے گزرنے پر اکثر و بیشتر ان کے سید ہونے کے تمام آثار و نشانات کو مٹادیا۔

مختلف مسلم فرقوں کے باہمی تعلقات

غیر ملکی لوگوں کا احساس برتری:

"مغل" ایسی اصطلاح تھی جو عام وصف کو آشکارا کرنے کی غرض سے وضع کی گئی تھی۔ اس اصطلاح کا اطلاق ہندستان کی مسلم آبادی کے تمام غیر ملکی اوصاف پر ہوتا تھا۔ دراصل یہ اصطلاح تیمور خاندان اور ان کے متعلقین کے ضمن میں ضروری عنصر واضح کرتی تھی۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ "مغل" اصطلاح کے مفہوم میں بھی تبدیلی آتی گئی۔ برنیز کہتا ہے "غیر ملکی کے نزدیک "مغل" کی پہچان کے لیے اس کا سفید چہرہ اور اسلام کا قبول کرلیناہی کافی ہے"۔

ایرانی، ترکی، عربی اور ازبیک اسی قسم کی اصطلاح کے تحت آجاتے ہیں۔ آخری دور میں قندھار سے آئے ہوئے افغانیوں پر "مغل" اصطلاح کا اطلاق ہوتا تھا۔ مثلاً احمد شاہ ابدالی کے فوجی لوگ مرہٹوں کی نظر میں ولایتی مغل تھے۔[11]

غیر ملکی لوگ تیمور اور بابر جیسے رہنماؤں کی سرکردگی میں رہ چکے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے زمانے کے معاشرے کے کامل نمونہ کی داغ بیل ڈالی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اپنے غرور و نخوت اور احساس برتری کو مکمل طور سے برقرار رکھا۔ "سیاہ فام[12] ہندستانیوں سے متعلق جذبۂ نفرت کے تحت یہ لوگ خود کو "سفید" کہلوانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ مسلم

معاشرہ میں ہندستان میں پیدا شدہ مسلمانوں اور ہندو نومسلم لوگوں میں ایک عام علیحدگی نمایاں تھی۔ ہندستانی مسلمانوں کے آباواجداد صدیوں پہلے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا وطن بنالیا ایک طرف نومسلم وہ لوگ تھے، جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ دوسری طرف وہ تازہ خون تھا جو مسلم ملت کی رگوں میں سرایت کر چکا تھا۔ اس طرح مذکورہ بالا علیحدگی حیرت انگیز طور سے عیاں تھی۔ بایں ہمہ غیر ملکی حکمراں اور صاحب اقتدار غیر ہندستانی طبقات کی علیحدگی نے ان کو جائز حصے سے زیادہ عزت واحترام سے نواز دیا اور ان کو اعلیٰ ترین معاشرتی امتیاز وافتخار کا استحقاق عطا کیا۔ لوگوں میں مدخولہ غیر ملکی آبائی صفات کا انکشاف کرنا ایک مقبول مشغلہ ہو گیا تھا۔ برنیز کے قول سے اس بات کا اثبات ہوتا ہے۔
"تقریباً ہر فرد جب عظیم مغلیہ دربار میں داخل ہوتا ہے تو اپنی بیویوں یا مدخولہ عورتوں کا انتخاب کشمیر سے کرتا ہے تاکہ اس کے بچے ہندستانیوں سے زیادہ سفید ہوں اور اصلی مغل سمجھے جائیں"۔

اس بیان سے ہندستانی اصلیت[18] کے مسلمانوں کے احساس کمتری کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حسد اور منافرت:

مسلم ملت کے مختلف فرقوں کے باہمی حسد اور رقابت کا موضوع ایک دلچسپ مطالعہ ہے، جس کا اظہار مختلف رنگ روپ میں ہوتا تھا۔ حسد اور منافرت کے بنیادی اور اصلی وجوہات تین تھے: اصل ونسل، فرقہ پرستانہ اختلافات، اور ذاتی اغراض۔ ایران اور ٹرانس آکسانیا، صرف دو ملکوں ہی کی توضیح نہیں کرتے بلکہ ان سے مراد دو قومیں ہیں جو نسلاً اور مذہباً مختلف تھیں۔ ایران اور توران کی رقابت فطری اعتبار سے بڑی دیرینہ ہے۔ جب ان دو ملکوں کے نمائندے ہندستان میں آئے تو وہ اپنے ساتھ نفرت اور عداوت[19] کے جذبات بھی لائے تھے۔ یہاں ہندستان میں یہ نفرت وعداوت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ جب فرماں روا بادشاہوں نے ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کی تاکہ سلطنت کا استحکام یقینی ہو جائے

اور ایرانی و تورانی میں سے کسی کو بھی اتنا قوی نہیں ہونے دیا کہ خود تخت شاہی کے حق میں خطرہ ہو جائے یا وہ ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن جائیں۔ لیکن اورنگ زیب کی موت کے بعد جب شہنشاہ اقتدار و اتحاد کے مرکز کی حیثیت کا حامل نہ رہا تو سیاست میں فرقہ واریت عود کر آئی اور ذاتی تحفظ کے جذبہ نے اس کو تقویت بخشی اور نئی راہیں دکھائیں اور متاخرین مغلوں کی تاریخ ۱۷۳۹ء کے بعد سے ان گروہوں کی باہمی سیاسی جنگ و جدل کی تاریخ ہے، جس کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ افغانی لوگ مغلوں کو غاصب سمجھتے تھے۔ عموماً مملکت کے اعلیٰ عہدوں کے ضمن میں ان کو نظر انداز کر دیا جایا کرتا تھا، خواہ یہ عہدے دیوانی کے ہوں یا فوجی اقتدار و مرتبت کے۔ عہدہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا احساس اندرونی طور سے ان کے خون کو کھولاتا رہتا تھا۔ ہندستانی مسلمانوں نے اپنی تقدیر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔

اعلیٰ مسلم طبقات کی ایک نمایاں خصوصیت محض ایک ایسا گناہ تھا، جس میں سب ہی گرفتار تھے۔ مغلیہ سلطنت میں اعلیٰ حکام اور امرا کے تمام اعزاز اور جائدادیں شخصی ہوتی تھیں قرون وسطیٰ کے علاوہ کسی اور زمانہ میں نہیں ہوا کہ انفرادی شہرت و ناموری کے لیے ایسی سخت گیر تگ و دو رہی ہو۔ ہر شخص نے اپنے ہمسروں اور ہمعصروں کو پامال کرنے کی کوشش کی اور بذات خود ترقی کے راستہ پر گامزن ہوا اور ہر قیمت پر شاہی سائبان کے زیر سایہ آجانے کی سعی کی ترقی کرنا یا ایک دوسرے کی جگہ لینا اور ہم چشموں کے خلاف تلخ جذبات پیدا کرنا گویا مسلک زندگی بن گیا۔ یہ حیرت انگیز بات قابل غور ہے کہ ذاتی ترقی و پیش قدمی کے جوش و خروش میں مملکت کے مفاد کو ضرر پہنچتا تھا۔ اس کے باوجود زندگی کے ہر شعبے میں رقابت اور حسد کے مظاہر سامنے آتے تھے اور اس وجہ سے خلوص، مفاد عامہ اور انسانی فلاح جیسی کوئی چیز نہیں رہ گئی تھی ہر طرف حسد، خود غرضی اور مطلب پرستی کا غلبہ تھا۔ انفرادی مفاد ہی سب کچھ تھا۔

دیگر قابل لحاظ امر کے علاوہ مسلم ملت کا دو مخصوص فرقوں یعنی شیعہ اور سنی میں خالص مذہبی بنیاد پر منقسم ہو جانا ایک دوسرا تکلیف دہ پہلو ہے۔ باہمی تعلقات تلخ اور آزردہ ہو گئے اور اس نفاق نے مسلم معاشرہ کے تمام طبقات میں سرایت کر کے ان کو یکساں طور

پر متاثر کیا۔ شیعہ حضرات شروع کے تین خلفاے راشدین پر تبرا کرتے ہیں[46] اور صرف حضرت علیؓ کو ہی مستحق و مستند خلیفہ سمجھتے ہیں۔ جن کے مطالبات کو پیش رو خلفاء نے رد کر کے مسابقت[47] حاصل کرلی۔ اسی وجہ سے ادنیٰ باتوں پر فتنہ و فسادات پیدا ہوئے اور باہمی لعن و طعن[48] کی نوبت پہنچی۔ سنی حضرات نے شیعہ حضرات کو بت پرستوں سے بدتر تصور کیا اور شیعہ حضرات نے بھی ویسا ہی رد عمل کیا۔[49] دنیاوی مفاد کے سوالات کو مذہبی تنازعات کا رنگ دیا گیا اور انفرادی انتقامی جذبات نے ہنگامہ عوام الناس اور بلوہ کی شکل اختیار کرلی اور حکومت کی مداخلت کے سبب التوائے جنگ اور عارضی صلح کو برقرار رکھا گیا۔[50]

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

پہلا باب

(۱) لغوی مفہوم راہ پائے لوگوں سے ہے یعنی ایسے لوگ جو اسلام کے روایتی احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور فرماں برداری کو طرۂ امتیاز سمجھتے ہوں۔ (برہان قاطع)

(۲) اسلام کی ایک قسم کی مذہبی قومیت کا تصور ہے اور ایسی کوئی چیز جو طبقاتی امتیاز کو تقویت دیتی ہے اسلامی نقطۂ نظر سے نفرت انگیز ہے۔

آنحضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبے میں اعلانیہ کہا تھا:

"معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ تم سب ایک برادری ہو۔ سب برابر ہو" (مشکوٰۃ شریف)

(۳) منڈیسلو کے بیان کا موازنہ کیجیے۔

"ان علاقوں میں (ہندستان) کے سب محمدی (مسلم) ایک ہی مذہب کے پیرو کہے جاسکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اوہام پرست ہیں اور خصوصی طرز زندگی کے لحاظ سے بہت سے مختلف طبقات کے بہ نسبت متعدد اقوام قرار دیا جاسکتا ہے، (صفحہ ۶۵)

(۴) فادر روجیرک کا قول ہے "ہندستان میں دو قسم کے ترکی فوجی پائے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایشیا سے آئے جن کو ترکی کا نام دیا جاتا ہے اور وہ جو یورپ سے آئے جن میں سے زیادہ تر قسطنطنیہ سے وابستہ ہیں، جن کو جدید عوام کہا جاتا ہے۔ جن کی بناء پر ہندستانی اور پرتگالی ان کو رومی کہتے ہیں۔ (اکبر اور ایشیائی مبلغ صفحہ ۱۷۴) یہ دراصل یونانی "رح ما" عربی نسل "روم" سے ہے۔ سلجوقی سلطنت کو روم کا نام دیا گیا ہے۔ سلجوقی سلطنت فرات سے

قسطنطنیہ اور بحر اسود سے سیریا کے حدود تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ نام اسی علاقے کے لیے استعال کیا جاتا ہے لیکن عموماً یہ مفہوم محدود ہے اور اس سے مراد صرف یورپ کے ترک ہیں۔ (ہولسن جولسن)

(۵) افغانیوں کے شجرہ نسل واصل کے سلسلے میں "آئینہ اکبری" ملاحظہ فرمائیں۔ صفحات ۴۰۲، ۴۰۳، ب۔ ڈورن کی تصنیف "افغانیوں کی تاریخ" صفحہ گریٹ II ۸۶ء IX, VIII, VI, I, ملاحظہ کیجیے۔ الفنسٹن کی تصنیف "سلطنت کابل کا تذکرہ" (انگریزی) پہلا باب صفحات ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۰۷ دیکھیے۔ برگیز کا ترجمہ "فرشتہ" پہلا باب صفحات ۳-۵ ملاحظہ کیجئے۔ سر ولیم جون کا "افغانی نسل واصل" پر نوٹ دیکھئے۔ "ایشیائی تحقیقات" دوسرا باب آرٹیکل VI روز کی تصنیف کردہ "فرہنگ" تیسرا باب III صفحات ۲۱۳، ۲۱۹، ۲۲۱، ۲۲۵،

(۶) مسلم ملت کی ترتیب و تنظیم کے سلسلے میں برنیر سے موازنہ کیجئے صفحات ۳، ۴۸، ۳۰۹ مونسرٹ صفحات ۸۳ کریری تیسرا باب (ڈ) صفحات ۲۵۶ تھیونوٹ تیسرا باب پہلا ایکٹ صفحہ ۸۰ برگیز کا ترجمہ "فرشتہ" تیسرا باب صفحات ۴۰۰، ۴۴۶ چوتھا باب صفحہ ۴۴۵۔ پیڑ منڈے دوسرا باب صفحہ ۳۰۵ ملاحظہ کیجئے "یہ معلوم ہوگا کہ مسلم ملت کے اجزائے ترکیبی کے اعداد وشمار مکمل نہیں ہیں اور مفصل اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ صرف مذکورہ بالا طبقات نے اس دور کے مسلم معاشرہ کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیا ہے" علاوہ ازیں ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عہد کے اکتیسویں سال "۱۶۷۸ء میں حیدر آبادی یا دکنی مسلمان کثیر تعداد میں دہلی کے شاہی دربار میں آگئے تھے اگرچہ معروف و مقبول نہیں تھے" معاصر عالمگیری ترجمہ از سرکار صفحات ۱۸۴، ۲۳۳ ملاحظہ کیجئے۔

(۷) توران یا فرانس آکسانیا (ماورا نہر) وہ علاقہ ہے جو مغرب میں خوارزم جنوب میں اکسس کے درمیان اور بدخشاں سے خوارم کی سرحدوں تک پھیلا ہوا ہے اس نام میں جو ممالک شامل ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے "ابو الفدا" (رینوڈ) باب II کے دوسرے حصہ پر II صفحہ ۲۱۲ دیکھئے۔

(۸) "مشترک" بحوالہ "یعقوب ملاحظہ کیجئے۔

(۹) تروینیر پہلا باب صفحہ ۹۲ دیکھئے "فرہنگ از لوز دوسرا باب صفحہ ۳ میں ایس دی "افغان" "افغانوں کو اپنے ملک میں اصل باشندے سمجھا جاتا ہے"۔ سر ولیم جونس ورکس باب ۷ صفحہ ۶۱۰ لندن ۱۷۹۹ء لیکن نعمت اللہ نے اپنی تصنیف "مخزن افغان" ترجمہ از ڈورون (افغانوں کی تاریخ) میں ان اسباب کا تذکرہ کیا گیا ہے جن کی بناء پر افغانیوں نے "روھہ" اور کوہ سلیمان کے ممالک کی طرف ہجرت کی تھی۔

(۱۰) "ریاض المحبت" کے مطابق "روھہ" افغانیوں کے ملک کا نام ہے۔ جو مغرب میں دریائے المین تک پھیلا ہوا ہے اور ہرات سے ملا ہوا ہے۔ شمال میں کاشغر تک جنوب میں بروہی بلوچستان تک اور مشرق میں کشمیر تک ہے۔ بحوالہ ڈورن "افغانستان کی تاریخ" حاشیہ کی شرح صفحہ ۶۴

(۱۱) متوسی دوسرا باب صفحہ ۴۵۳

(۱۲) ہندستانی افغان دریائے سندھ پار کرنے کے لیے رضامند نہیں تھے۔ (ترک پہلا باب صفحہ ۲۶) "اقبال نامہ" (پی I) صفحہ ۴۵ "ہمیں اپنے مطالعے کے سلسلے میں ان افغانیوں سے تعلق ہے جو شمالی ہندستان میں رہتے تھے۔ جب کبھی بھی افغان یا پٹھان کی اصطلاح استعمال کی جائے گی ان ہی افغانیوں کے لیے استعمال ہو گی"۔

(۱۳) کومٹے کے فلسفہ ہیرو ڈاکٹر جے ایچ برجیس اپنے خطبے میں جو عبادت اور عمل" کے موضوع پر ۱۸۷۹ء میں دیا تھا، اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ "مسلمان کے عقیدہ کو ایک لفظ "اسلام" میں مجتمع اور مرکوز کیا جاتا ہے "اسلام" "مکمل سپردگی" یعنی اپنی ذاتی مرضی کو عظیم ترین رضائے خداوندی کے سپرد کر دینا اس لفظ کو آنحضرت محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنے پیردوں تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو اعلیٰ ظرفی کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کے اجداد کے لیے بھی استعمال کیا۔ نسل انسانی کے مذہب کے لیے اس سے زیادہ موزوں لفظ نہیں ہے۔ اگر مغربی زبان میں کوئی ایسا لفظ ہے جو اس لفظ کی پوری طرح ترجمانی کر سکے تو یہ ہی لفظ مذہب (اسلام) ہے۔ "دین محکم پر مکالمات" لندن ۱۸۹۱ء ماخوذ "اسلام میں معاشرہ کا تخیل" از سید عبداللطیف

(۱۴) "طبقات اکبری" پہلا باب صفحہ ۲۱۶

(۱۵) "اسلام اور مسلمانوں کی نفسیات" ہزاینڈر سرویز صفحہ ۹ موازنہ کیجئے۔

(۱۶) ایرانی شیعہ تھے "شیعہ کے لغوی معنی "فرقہ" کے ہیں۔ "فرہنگ اسلام" از ہلس ملاحظہ کیجئے۔

(۱۷) "فتوحات فیروز شاہی" (ای ڈی) تیسرا باب صفحات ۳۷۷، ۳۷۸ "سیرت فیروز شاہی" فولیو ۱۶۳ ب۔

(۱۸) "تقیہ" (کے معنی خوف، احتیاط کے ہیں یا مقدس حیلہ و سخن سازی" سے مفہوم ہے) جب کبھی شیعہ اقلیت میں ہوں تو ضرورت کے وقت تو تقیہ پر عمل کرتے ہیں یعنی ان کا طرز عمل ایسا ہوتا ہے گویا سنی ہیں اگر ذاتی تحفظ کی غرض سے ضرورت ہو تو شیعہ اپنے مذہبی فرقے کی بدنامی بھی کر سکتا ہے اس کی تائید میں قرآن شریف کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ (باب III ۲۷) شیعہ لوگوں نے تقیہ کو امیہ کے خلاف تشہیر کرنے میں ایک ہتھیار کے طور پر مسلسل استعمال کیا۔ الفاظ کو دوہرے مفہوم پر مستعمل کیا جاتا ہے۔ "فرہنگ اسلام" (ایس وی) از ہلس دیکھئے ٹیورنیر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے:

"یہ سچ ہے کہ اگرچہ وہ (یعنی ایرانی) سنیوں کو خطرناک سمجھتے تھے پھر بھی ظاہرہ طور پر اپنے مذہب کی پیروی کرتے تھے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق دولت حاصل کرنے یا اس کا تحفظ کرنے کی غرض سے اپنے حقیقی عقیدہ کو پوشیدہ رکھ سکتے تھے۔ مذہبی عقیدہ کی دل میں پیروی کرنا کافی ہے۔

"ٹیورنیر" دوسرا باب صفحہ ۱۷۶ اور "بادشاہ نامہ" از لاہوری (بی آئی) دوسرا باب صفحہ ۵۶۳۔

(۱۹) ہمایوں کسی قدر شیعہ مذہب کے زیر اثر آ گیا تھا۔ ایران سے واپسی پر اس کے ساتھ اس کے لشکر میں لاتعداد ایرانی ہندستان آ گئے تھے۔ اس سے اس کے کٹر مذہبی طبقہ کے لوگوں کو آزردگی ہوئی" (بدایونی) پہلا باب بی صفحہ ۴۶۸۔

(۲۰) رولور فرایر صفحہ ۱۷۹۔

(۲۱) "برنیر" صفحہ ۹، ٹیورنیر دوسرا باب صفحہ ۱۷۷۔

(۲۲) "اور وہ خود (یعنی ایرانی) بادشاہ (یعنی اورنگ زیب) کو خوش کرنے کے لیے اور دولت کو بڑھانے کی غرض سے طریق دینی یعنی مسلک اور رسم و رواج سے ظاہری مطابقت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی (ایضاً باب دوسرا صفحہ ۱۷۷

(۲۳) "برنیر" صفحہ ۱۴۶۔

(۲۴) ایضاً صفحات ۱۴۶۔ ۱۵۳ (ایرانیوں کے اس وقت کے رویہ کے بارے میں جب ہندستان میں ایک ایرانی سفیر شاہجہاں کے دربار میں آیا) انہوں نے افواہیں پھیلائیں۔ ایرانی بادشاہ اور اس کی رعیت کو قابل تعریف بنانے کے لیے قصے ایجاد کر ڈالے۔ منوسی کے بیانات دوسرا باب صفحات ۵۰ اور ۵۳ کا موازنہ کیجئے۔ اس کے بیان کے مطابق ایرانیوں نے ہمیشہ عظیم مغلیہ سلطنت میں اپنی قوم کی پائیداری اور ایک طرح کی قبیلہ پروری کا مظاہرہ کیا، جس کی وجہ سے انہوں نے خود کو ہندستان کے دوسرے طبقات میں مدغم ہونے سے بچالیا۔ برنیر دوسرا باب صفحہ ۱۷۷۔

(۲۵) قندھار کی مہمات کی ناکامی کی ایک خاص وجہ عہد شاہجہاں میں ایرانی سپاہ میں تخفیف کی کوشش تھی۔ ایرانی سپاہ کے حکام سے عدم تعاون تخفیف کی وجہ تھی عظیم مغلیہ دربار میں یہ لوگ قوی ترین امراء تھے۔ ان کو اپنے اصل وطن ایران سے گہری وابستگی تھی۔ محاصرہ کے وقت انہوں نے شرمناک غداری کی تھی اور راجہ روپ کی تقلید کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس نے پہاڑوں کے قریب ترین علاقہ کی دیوار پر جھنڈا پہلے ہی سے نصب کر دیا تھا۔ "برنیر" صفحہ ۱۸۴۔

(۲۶) بحوالہ "تاریخ شاہ شجاع" از محمد معصوم بانکی پور ایم ایس۔

(۲۷) سیر، متن III, II مذکورہ بالا۔ "مشرقی بنگال میں عمارتوں کی تعمیر اس کی ہی بدولت ہوئی" ماخوذ از "معاصر عالمگیری"۔ بی آئی متن صفحہ ۳۶۸۔

(۲۸) متن "از سیر" دوسرا اور تیسرا باب جابجا (et Passim)

(۲۹) لکھنؤ آج تک شیعیت کا مرکز ہے حالیہ اشاعت "آسودگان ڈھاکہ" از حکیم

حبیب الرحمٰن خاں ڈھاکوی ملاحظہ کیجئے موصوف کے شیعہ محلوں، امام باڑوں اور ڈھاکہ کے "حسینی دالان" کی عمدہ تفصیلات فراہم کی ہیں۔

(۳۰) "رافضی" لفظ "رفض" سے مشتق ہے جس کا لغوی مفہوم چھوڑ دینا ہے۔ دراصل "رافضی" اصطلاح ان شیعوں کے لیے استعمال ہوتی تھی جو زید ابن علی سے ابتدائی دو خلفاء حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ پر تبرا کرنے کے لیے کہا گیا اور انہوں نے تبرا کرنے سے انکار کر دیا تو ان لوگوں نے زید ابن علی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ شروع میں اس اصطلاح کو انہیں لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسی اصطلاح کو کسی بھی شیعہ فرقے پر مستعمل کرنے لگے۔ "فرہنگ اسلام" از مفتس ملاحظہ کیجئے۔

(۳۱) اورنگ زیب کی شیعوں سے نفرت کے بارے میں "معاصر عالم گیری" ترجمہ از سرکار صفحہ ۱۹۰ ملاحظہ کیجئے۔ ایک قصے میں کسی سنی کا تذکرہ کرتے ہوئے اورنگ زیب نے تاریخ کے طور پر اپنے ایک خط میں لکھا کہ کسی طرح ایک سنی اصفہان میں ایک شیعہ کو قتل کرکے بچ کر ترکی چلا آیا۔ اس واقعہ سے اخلاقی نتیجہ نکالا گیا ہے۔ "جو کوئی صداقت کے لیے عمل کرتا ہے خدائے صادق اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہے، اورنگ زیب نے ایک دوسرے خط میں ہم کو بتایا ہے کہ اس نے اپنی ایک تلوار کا نام "رافضی کش" رکھا تھا یعنی قاتل شیعہ۔ اس نے احکام جاری کیے تھے کہ اس نام کی کچھ اور زیادہ تلواریں بنائی جائیں" بحوالہ جادو ناتھ سرکار صفحہ ۱۵۔ مطالعات اورنگ زیب۔

(۳۲) "احکام عالمگیری" نمبر ۳۹ صفحہ ۹۹ متن صفحہ ۴۳۔

(۳۳) ایضاً

(۳۴) ہندوستان میں پیدا شدہ ایرانی اپنی غیر مہذب حماقت کے لیے مشہور تھے ایضاً صفحہ ۱۰۰ اور اصل ایرانی اپنی تیز فہمی کے لیے معروف تھے "بدایونی" دیکھئے بیگ تیسرا باب صفحہ ۳۹۳ دیکھئے منوسی چوتھا باب صفحات ۲۵۹۔۲۶۰ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۵) "احکام عالمگیری" نمبر ۵۲ صفحہ ۱۱۸ متن صفحہ ۵۶ دیکھئے۔

(۳۶) ایڈورڈ ٹیری اظہار رائے کرتا ہے: "ان دونوں اقوام (تاتاری اور ایرانی) میں

بہت سے لوگ قوی، ہیکل، جفاکش اور بہادر تھے"۔ ایرانیوں میں سے بہت سے اشخاص قبول صورت ہیں۔ اتنے سیاہ فام نہیں جتنے مشرقی ہندوستان کے باشندے ہوتے ہیں۔

(۳۷) ضمنی حوالہ صفحہ ۱۲۲ ٹیری (Terry) نے ظاہراً منگولوں کو ترکوں کے ساتھ ملوث کردیا ہے۔ جن کی ناک چپٹی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن اس کے بیان کی تصدیق و توضیح البیرونی (ای ایڈ) "اتا ۱۷۵ور برنیر صفحہ ۴۰۴ پر ہوتی ہے۔

تورانی لوگوں کے مفصل حالات کے ضمن میں گیسٹولی بون (Gustavele Bon) ترجمہ "تمدن ہند" از سید علی بلگرامی صفحات ۳۰۸اور ۳۰۹ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۸) بحوالہ جادوناتھ سرکار "تاریخ اورنگ زیب" V، صفحات ۲۶۵تا۲۶۶۔

(۳۹) مانڈیلسلو صفحہ ۶۵۔ تزک ا، ۲۷

(۴۰) یہ بات ضرب المثل ہوگئی "دیگر باخود مناز کہ ترکی تمام شد" ("دوبارہ شیخی مت بگھارو کیونکہ تمہارا ترکی پن ختم ہوچکا ہے تمہاری شیخی ناکام ہوچکی ہے") "معاصر عالمگیری" ترجمہ از سرکار صفحات ۲۱۲ تا ۲۱۳۔

(۴۱) "افغانی لوگ بہادر اور مصمم ارادہ کے حامل تھے جو فتوحات اور جدید نظم و نسق میں ہی سانس لیتے تھے"۔ "سیر" باب III صفحہ ۲۳۵

(۴۲) برنیر صفحہ ۲۰۷، مغل اور پٹھان کے درمیان مسند دہلی کے سلسلے میں جنگ میں ایک مقبول عام کھیل تبدیل ہوگئی جو "مغل پٹھان" کے نام سے مشہور ہوا اور یہ کھیل اب بھی لڑکے اور ضعیف لوگ یکساں طور سے ملک میں خصوصاً بہار اور بنگال میں کھیلتے ہیں۔

(۴۳) تزک سے موازنہ کیجئے، صفحات ۲۰۷تا۲۰۸

(۴۴) "انقرا" ملاحظہ کیجئے۔ دونوں ایرانی اور تورانی

(۴۵) بابر کہتا ہے "ہندوستان کے لوگ اور خاص طور سے افغانی عجیب و غریب ا ے اور ناسمجھ نسل سے ہیں۔ غور و خوض کا فقدان ہے اور دوراندیشی کی کمی ہے۔" ("بابرنامہ" ترجمہ از بیورج باب II صفحہ ۵۶ مانڈیلسلو کہتا ہے کہ "افغانی لوگ ایک قسم کے خودبیں، گستاخ، ظالم اور ناشایستہ لوگ ہیں۔ دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ

نہیں کہ وہ لوگ بغیر کسی ضرورت کے اپنی زندگی کو اس طرح خطرہ میں نہیں ڈالتے جس طرح طیش میں آکر وہ بذات خود خطرہ میں پڑ جاتے ہیں" صفحہ ۱۵ دیکھئے۔ ایڈورڈ لیری کہتا ہے "یہ لوگ یعنی افغانی دشمنوں کا سامنا دلیری سے کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنی شہرت اور شجاعت کو برقرار رکھتے ہیں صفحہ ۱۵۱ دیکھئے۔

(۴۶) "برنیر" صفحہ ۲۰۶ "ٹکریری" باب III صفحہ ۲۵۱، لیری صفحہ ۱۵۱۔

(۴۷) "رواور فرائز" صفحہ ۲۸۵، صفحہ ۴۴۵۔

(۴۸) حاشیائی تشریح "آغاز جنگ سے قبل نشہ آور اشیاء لینے کی راجپوتوں کی عادت کے ضمن میں "برنیر" صفحہ ۹۳ دیکھئے۔

(۴۹) "تذکرہ کابل" از "ایلفنسٹن" باب I صفحہ ۲۶۲ تا صفحہ ۲۷۶۔ لیکن "منوسی" کا قول ہے کہ افغانی لوگ اپنے مذہبی عقائد میں یکساں نہیں تھے۔ کچھ لوگ شیعہ عقیدہ رکھتے تھے کچھ دوسرے لوگ اپنے کو سنی تصور کرتے تھے۔ (باب II صفحہ ۴۵۴ ملاحظہ کیجئے۔ افغانوں میں کچھ لوگ آج بھی شیعہ ہیں۔

(۵۰) "منوسی" باب II صفحہ ۴۵۳ دیکھئے۔ "سیر المتاخرین" میں غالباً افغانی کردار کی تصویر کشی میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ مصنف شیعہ بچہ تھا اور علی وردی خاں کے خاندان سے مستحکم وابستگی رکھتا تھا۔

بنگال میں آخر الذکر کے ساتھ ظلم و تشدد افغانوں کے ہاتھوں ہونے کی وجہ بھی یہی ہو سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے "یہ بات قابل دید ہے کہ یہ لوگ (یعنی افغانی) اپنی تعداد کے سرانجام اور اپنی کم عقلی اور ساتھ ہی ساتھ ان کی کوہستانی ملک کے غاروں کی زندگی نے ان کو جنگلی درندوں سے بہت زیادہ مشابہ کر دیا تھا۔ وہ ان ہی کی طرح تیز گام بے انتہا دلیر ادنی سی چیز پر فریفتہ ہونا ان کی خصوصیات ہیں اور وہ بے حد حریص ہیں۔ حقوق احسان سے بے حس رہتے ہیں اور حصول الطاف و عنایات سے متاثر نہیں ہوتے ہیں۔ اپنے محسن و مربی سے بالکل بے اعتنائی برتنے میں۔ دوستی کے حقوق کی قطعاً پروا نہیں کرتے، نمک حلالی سے نا آشنا ہیں۔ فرائض ملت سے بے بہرہ ہیں۔ غیر متمدن، بے شعور، اور تہذیب و شائستگی کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

انسانیت کے لطیف تر احساسات اور سخاوت کے جذبات سے ناواقف ہیں۔ اپنا انتقام لینے میں غضب ناک اور جامہ سے باہر نظر آتے ہیں"۔ (انگریزی ترجمہ باب I صفحات ۴۳۷، ۴۳۸ باب I صفحہ ۱۳۹ بھی دیکھئے۔ اس کا موازنہ "ایلفنسٹن" کے توسط سے کابل کے افغانیوں کے کردار کی خاکہ کشی بھی ملاحظہ کیجئے۔ وہ کہتا ہے "بطور خلاصہ چند الفاظ میں افغانیوں کے کردار کی خرابیاں انتقام، حسد، لالچ، حرص و طمع اور ضد پر مشتمل ہیں۔ دوسری طرف وہ آزادی کے شوقین، اپنے دوستوں کے ساتھ وفا شعار اور ماتحتوں کے ساتھ مہربان ہیں۔ وہ مہمان نواز، بہادر، جفاکش، کفایت شعار، محنتی اور دانشمند ہیں۔ اپنی ہمسایہ اقوام سے نسبتاً جھوٹ، سازش، اور مکروفریب کی طرف کم مائل ہوتے ہیں"۔ (سیر المتاخرین باب I صفحہ ۳۳۰)

(۵۱) پہلا طریقہ قبول اسلام رضامندی و خوشی کا تھا۔ مسلم تبلیغی جماعتوں کی تبلیغ کے نتیجہ کے طور پر اسلام قبول کیا گیا، اسلام کی تبلیغ میں مسلم صوفیا کرام نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ ("بدایونی" ترجمہ "ہیگ" باب III صفحہ ۵۷ ملاحظہ کیجئے۔) حالانکہ یہ رائے کسی قدر مبالغہ آمیز ہے۔ ٹی ڈبلو آرنلڈ کی تصنیف "تبلیغ اسلام" (Beaching of Islam) بھی دیکھئے۔ دوسرا طریقہ قبول اسلام یہ تھا کہ لوگوں نے دنیاوی مفاد کے حصول کی امید میں اسلام قبول کر لیا۔ عہد اورنگ زیب میں نعرہ لگایا جاتا تھا "قبول اسلام" عہدہ قانون گو" تو مسلم لوگوں کو آراستہ ہاتھیوں پر بیٹھا کر دارالسلطنت کی خاص خاص سڑکوں پر گشت کروایا جاتا تھا۔ (بحوالہ "مطالعہ عہد اورنگ زیب") جبریہ قبول اسلام تیسرا طریقہ تھا۔ اس ضمن میں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ جبریہ اسلام قبول کرنے والے ہندوؤں کو جب بھی موقع ملا ہندو مذہب میں واپس آگئے ("فرشتہ" از "برگیز" باب IV صفحہ ۴۸۷ ملاحظہ کیجئے۔)

(۵۲) جہانگیر کہتا ہے "اس ملک کے لوگ (کشمیر میں راجور) قدیم زمانہ میں ہندو تھے اور زمینداروں کو راجہ کہتے تھے۔ سلطان فیروز تغلق نے ان کو محمدیؐ (مسلمان) بنایا۔ ان کو اب بھی راجہ کہتے ہیں۔ ان میں اب بھی زمانہ جاہلیت کے نشانات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ جس طرح کچھ ہندو عورتیں اپنے شوہروں کی میت کے ساتھ خود بھی جل جایا کرتی ہیں اسی طرح راجور کے علاقہ کی عورتوں کو بھی ان کے مردہ شوہروں کے

ساتھ قبروں میں زندہ دفن کر دیا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ حال ہی میں انہوں نے دس بارہ سال کی ایک لڑکی کو اس کے مردہ شوہر کے ساتھ اس کی قبر میں زندہ داخل کر دیا۔ اس لڑکی کا شوہر اس کا ہم عمر تھا۔ جب بھی کبھی غریب نادار اور بے سہارا آدمی کے بیٹی پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتے ہیں۔ ہندوؤں کے ساتھ ان مراسم میں اور لڑکیوں کی باہمی شادیاں ہوتی ہیں .... میں نے ایک شاہی فرمان جاری کیا ہے کہ آئندہ سے وہ ایسے افعال کے مرتکب نہ ہوں اور جو کوئی ایسے ارتکاب جرائم میں ملوث ہو گا اس کو سزائے موت دی جائے گی۔ ("تزک" باب II صفحات ۱۸۰، ۱۸۱) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے اس شاہی فرمان کو زیادہ کامیابی نہیں ملی کیونکہ ایسی چیزیں شاہجہانی عہد میں بھی چلتی رہی ہیں اور شاہجہاں نے اس کے خلاف سخت احکام جاری کئے۔ ملاحظہ کیجئے "بادشاہ نامہ" (۸۱) باب II صفحہ ۵۷) اس ضمن میں "گستیولی بون" (Gustaule Bon) کی تصنیف ("تمدن ہند" ترجمہ از سید علی بلگرامی صفحات ۸۴، ۸۵) ملاحظہ کیجئے۔

(۱) مثال کے طور پر "حسن خاں پنچکودی" ("بدایونی کی تصنیف باب II صفحہ ۲۵) "لو" (Low) کا ترجمہ، صفحہ ۱۸) "تاریخ الفی" (Eo) باب V صفحہ ۵۸۲ "پنچکودی" قبیلے کے ضمن میں "ایلیٹ" کی تصنیف "شمالی مغربی صوبہ جات کی نسلیں" باب I صفحہ ۴۷ دیکھئے۔ ("سلیمان خاں پنوار"۔ "اکبر نامہ" تصنیف باب III صفحہ ۱۴۰ ترجمہ صفحات ۱۹۳، ۱۹۸) شیر خاں تنور" "معاصر الامراء" باب I صفحات ۱۲۰، ۱۹۳۔

(۲) "رو" (Roe) اور "فرائر" (Fryer) صفحہ ۲۷۹ ملاحظہ کیجئے۔ "شیخ" عربی زبان کا لفظ ہے، جس سے بزرگ یا سردار کا مفہوم لیا جاتا ہے اور غالباً پنجابیوں میں لفظ "چودھری" لفظ "شیخ" سے زیادہ قریب ہے، جو عرب کے قبائل میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس طرح "شیخ" کے لقب کو جیسا کہ عموماً تصور کیا جاتا ہے، عرب نسل کے سچے قبائل سے ہی محدود کرنا مناسب ہے لیکن اس لفظ کو توہین آمیز طریقہ سے رائج کر کے اس کا استعمال ناشایستہ طرح سے ہونے لگا۔ اگر ایک راجپوت یا جاٹ مسلمان ہو جاتا ہے تو بھی وہ اپنی ذات کا نام اپنے تبدیل شدہ نام کے ساتھ باقی رکھتا ہے اگرچہ "جناب ڈینزل ابٹسن" کو ایسے راجپوت مسلمانوں کا

علم تھا جنہوں نے زندگی میں داخل ہو کر کپڑا بننے کا پیشہ اختیار کر لیا اور خود کو "شیخ" کہنے لگے۔ بایں ہمہ ان کے دیہاتوں میں رہنے والے بھائیوں سے ان کی رشتہ داریاں اب بھی تسلیم شدہ ہیں۔ یہ ایسے دیہات ہیں جہاں سے وہ بذات خود آئے تھے لہٰذا اگر کوئی ادنیٰ ذات کا آدمی مسلمان ہو جاتا ہے یا اچھوت اسلام قبول کر لیتا ہے اور اپنے پیشے کو برقرار رکھتا ہے یا اس میں ہلکی سی تبدیلی کر کے کچھ کم حقیر مفہوم میں اس لفظ کو استعمال کرتا ہے تو وہ بھی اپنی ذات کے نام کو برقرار رکھتا ہے یا اپنے کو بالکل نئے نام سے موسوم کر لیتا ہے۔ مثلاً "زمیندار" یا "مصلی"۔ وہ طبقہ جو ان دونوں انتہاپسندوں کے "میانی" حیثیت رکھتا ہے جو اپنے اصل و نسل پر ایسے فخر کا قائل نہیں ہے کہ اس کی تمنا کرے اور وہ طبقہ اپنے پیشے کی وجہ سے نہ اتنا حقیر ہو گیا ہے کہ وہ اپنی ذات کا اصلی نام برقرار رکھنے پر مجبور ہو۔ عموماً ایسے ہی لوگوں نے اسلام قبول کرنے پر اپنی اصلی ذات کے نام کا استعمال کرنا ترک کر دیا اور "شیخ" کے لقب کو اختیار کر لیا۔ ایک فارسی کی کہاوت ہے۔ "پہلے سال "جولاہا" تھا، دوسرے سال "شیخ" ہو گیا۔ اس سال اگر قیمتیں بڑھتی ہیں تو میں "سید" ہو جاؤں گا۔ ("رو" (Roe) کی فرہنگ ملاحظہ ہو باب III صفحہ ۳۹۹)۔ درحقیقت یہ القاب مسلمانوں نے اپنے عہدہ یا معاشرتی مرتبہ کے مطابق اختیار کئے تھے۔ "بدایونی" کہتا ہے "جس کی اصل و نسل کا پتہ نہ چلتا تھا، جس پر وہ فخر کرے وہ اپنے کو "قریش" سے وابستہ کر دیا کرتا تھا۔ (وہ ہی عربی قبیلہ جس سے آنحضرت محمدؐ بذات خود وابستہ تھے) اور حضورؐ پر نور خود کو قریشی کے لقب سے متصف کرتے تھے۔ ("بدایونی" ترجمہ "ہیگ" باب III صفحات ۳۹۸ تا ۳۹۹ ملاحظہ کیجئے) "منوسی" ایک طبقہ کا تذکرہ "شیخ زادہ" کے نام سے کرتا ہے، جن کا سلسلہ نسب آنحضرت محمدؐ کے خاندان سے جا ملتا ہے بایں ہمہ سیدوں سے بہت دور ہیں۔ اس نسل کے پاس زمین ہے اور درباری ملازمتوں پر ان کے تقرر ہوتے ہیں خواہ یہ ملازمتیں اعلیٰ ہوں یا ادنیٰ۔ یہ لوگ نہایت سخت گیر بے حد ذہین ہیں۔ قانون داں اور وکلاء ہوتے ہیں۔ دیگر لوگ تارک الدنیا ہو جاتے ہیں اور متقی و پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ یہ ان کا مکر و فریب ہوتا ہے اور اسی کی بدولت روزی کماتے ہیں۔ ("بدایونی" باب II صفحہ ۵۴ دیکھئے)

(۵۳) "مانڈ یلسلو" صفحہ ۶۲ ملاحظہ کیجئے۔

(۵۴) ایک بار عالی جاہ شہنشاہ اکبر نے شاہی فرمان جاری کیا کہ "سنی لوگ شیعہ لوگوں سے الگ کھڑے ہوا کریں جب کہ ہندستانی بغیر کسی استثنی کے سنیوں کی طرف چلے گئے اور ایرانی لوگ شیعوں کی طرف ہو گئے" ("بدایونی" "لو" (Lowe) باب II صفحہ ۷ ۳۲ دیکھئے۔

(۵۵) مانڈ یلسلو صفحہ ۶۵ دیکھئے۔

(۵۶) سچے سید آل علیؓ ہیں۔ حضرت علیؓ سے آنحضرت محمدؐ کی دختر نیک اختر حضرت بی بی فاطمہ منسوب تھیں۔ لیکن علوی سید بھی ہیں جو حضرت علی کرم اللہ کی دیگر ازواج کی اولاد ہیں۔ "سادات بارہ" کی اصلیت کو سید ابو الفرح واسطی ابن سید داؤد یا سید حسین سے وابستہ کیا جاتا ہے جو ۳۸۹ھ میں غزنی آئے تھے۔ ان کے چار بیٹے تھے جو چھت بنور (اب پٹیالہ میں ہے) میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ علاوہ ازیں اسی علاقہ کے مواضعات میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان چار بیٹوں نے بالترتیب چار خاندانوں کی داغ بیل ڈالی، چھترودی، کنڈلی وال، تھنپوری اور جاجنوری۔ ان میں ہر خاندان اس موضع کے نام سے موسوم تھا جو اس کو عطا کیا گیا تھا۔ ان کی تفصیلات، ان کی تقسیم اور مقامی عرفیت کے لیے "فرہنگ روز" باب III صفحات ۳۹۰، ۳۹۴ ملاحظہ کیجئے۔

(۵۷) "تزک" باب II صفحہ ۲۶۹ دیکھئے۔

(۵۸) "منوسی" باب II صفحہ ۴۵۴ ملاحظہ کیجئے۔

(۵۹) سید کو نقصان پہنچانا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ ("بہارستان" باب I صفحہ ۴۲۵ دیکھئے۔ سید لوگ تسلیمات کی رائج الوقت رسومات کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے (مذکورہ باب II صفحہ ۷۶ ۴)۔ بیدار بخت (پسر اورنگ زیب) نے ایک دن اپنی بیوی (ایک سید لڑکی) سے کہا "ایک پاجی کی بیٹی کو شہزادوں سے ایسے تکبر و نخوت کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے"۔ اورنگ زیب نے بیدار بخت کو لکھا تھا:

"سیدوں کے لیے پاجی کا لفظ کا استعمال کرنا پاجی کی طرح ہی کا کام کرنا ہے اگر سید کو پاجی کہہ دیا جاتا ہے تو وہ پاجی نہیں بن جائے گا۔ اگر مجھے محل دار اور ناظر کے خطوط سے علم نہیں

ہو تا ہے کہ تم سید زادی سے اخلاق سے پیش نہیں آئے تو تم کو ڈانٹا ہی نہیں جائے گا بلکہ تم کو سزا بھی دی جائے گی" ("احکام عالمگیری" صفحہ ۸۰۔ا) سچے سید کی آزمائش کے طور پر عموماً یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ وہ لوگ آگ پر چل سکتے ہیں اور ان کے جسم کا ایک بال بھی نہیں جل سکتا ("بدایونی" ۔BI) باب I صفحہ ۱۷۱، III ترجمہ از ہیگ صفحہ ۹۶)

(۶۰) اکبر کے عہد میں سادات بارہ نے نہایت وفاداری کے ساتھ خدمات انجام دیں ("اکبر نامہ" ملاحظہ کیجئے)۔ (بیورج) باب III صفحات ۲۲۵۔ ۲۴۴ "بدایونی" "لو" (Lowe) باب II صفحہ ۲۳۷۔

انہوں نے جہانگیر کی حمایت کی تھی اور اسی کی خاطر خسرو کے خلاف جنگ کی تھی جہانگیر کہتا ہے "کچھ لوگ ان کے (سادات بارہ) کے شجرہ اصل و نسل کے متعلق خیال آرائی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی شجاعت ان کے سید ہونے کا بین ثبوت ہے کیونکہ ان کے دور حکومت میں کبھی ایسی کوئی لڑائی نہیں ہوئی جس میں وہ عظیم نہیں رہے ہوں اور کچھ نے رتبہ شہادت حاصل نہیں کیا ہو۔ "مرزا عزیز کوکا" ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ "سادات بارہ" کی بدولت سلطنت کے اندر سے بلائیں ٹل جایا کرتی ہے "صورت حال اسی حقیقت پر مبنی ہے" ("تزک" باب II صفحہ ۲۶۹) شاہجہاں کے بیٹوں میں جنگ تخت نشینی کے دوران "سادات بارہ" "دارا شکوہ" اور "شہزادہ شجاعت" کی طرفداری میں کھڑے ہوئے تھے اور "اورنگ زیب کی مخالفت کی تھی اورنگ زیب ان کو مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا اور ہمیشہ "سادات" "بارہ" پر کڑی نگاہ رکھتا تھا۔ باایں ہمہ اورنگ زیب نے لوگوں کے اس طبقہ کے ساتھ ہر قسم کے احترام کا مظاہرہ کیا۔ اپنے عہد نامہ میں اس نے اپنے بیٹوں کو ہدایات دی تھیں۔ ("سرکار" تاریخ اورنگ زیب باب V صفحہ ۲۲۶ ملاحظہ کیجئے)۔

"تم کو "سادات بارہ" (جو لائق رحمت الٰہی ہیں) کے ساتھ قرآن مجید کی آیت کے مطابق سلوک کرنا چاہیے۔ "قربا" (حضرت محمدؐ) کے حقوق کی ادائیگی کرنی چاہیے۔ ان کے ساتھ احترام سے پیش آنے اور مہربانی کا سلوک کرنے میں تساہل ہرگز مت کرو۔ باایں ہمہ "سادات بارہ" کے ساتھ اپنے سلوک میں نہایت محتاط بھی رہنا چاہیے ان کے ساتھ قلبی

محبت رکھنے میں کمی نہیں ہونے پائے۔ تاہم ظاہرہ طور سے ان کے عہدہ میں اضافہ مت کرو کیونکہ حکومت میں قوی شریک جلدی ہی اپنے لیے بادشاہت چھین لینے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔ کبھی تم نے عنان حکومت ذرا بھی ان کو دی تو اس کا انجام خود تمہاری ہی ذلت ہوگی" ایک اور موقع پر اس نے اظہار خیال کیا "سچ ہے اعلی مرتبہ سادات" سے محبت کرنا ہمارے عقیدہ کا ایک جزو ہے۔ بلکہ یہ روحانی علم کا جوہر ہی ہے اور اس خاندان سے دشمنی کرنا آتش دوزخ میں داخل ہونے کی وجہ بن جاتی ہے۔ اور غضب الٰہی کا سبب ہو جاتا ہے............. سادات بارہ کے حق میں عنان سلطنت کو ڈھیلا کر دینا آخری تباہی کا پیش خیمہ ہے یعنی عذاب انجام ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگ ذرا سی خوشحالی پاکر یا ترقی حاصل کر کے شیخی بگھارنے لگتے ہیں اور یہ بات زبان پر "مجھ جیسا کوئی نہیں ہے" یہ لوگ حسن سلوک کی راہ سے بہک جاتے ہیں۔ اعلی نظریات کو فروغ دیتے ہیں اور دوسروں کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں" ("احکام عالم گیری" نمبر ۳۲۔ اصل تحریر صفحہ ۳۶، ترجمہ صفحہ ۸۸) "سادات بارہ" میں سے دو سید بھائی نہایت مشہور ہیں سید حسن علی خاں آگے چل کر قطب الملک عبداللہ خاں کے نام سے شہرت پائی اور فرخ سیر کے وزیر ہوگئے۔ دوسرے بھائی سید حسین علی خاں تھے۔ یہ دونوں بھائی "بادشاہ ساز" کی حیثیت سے مشہور تھے۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جنگ تخت نشینی کے دوران سید بھائیوں نے فرخ سیر کی مدد کی اور اس کو دہلی کے تخت پر بٹھادیا۔ انہوں نے بالآخر فرخ سیر کو مقید کروادیا اور اس کو تہہ تیغ کرادیا۔ محمد شاہ اپنی شاہی مسند کے لیے ان سید بھائیوں کی مدد کا ہی مرہون منت تھا۔ سید بھائیوں نے اپنی ذاتی خواہشات کی خاطر دہلی کی شاہی مسند کو فٹ بال بنادیا جو مملکت کے حق میں تباہ کن اور خود ان کے لیے باعث ذلت و شرم ثابت ہوا"۔

("مسیر" اصل تحریر تصنیف باب I اور باب II ملاحظہ کیجئے)

اسی ضمن میں سید حسین علی کہا کرتے تھے "جس کسی پر میرے جوتوں کا سایہ پڑ جائے وہ عالم گیر جیسا عظیم ہو جائے ("مآثرین مغل" از "ارون" باب II صفحہ ۱۰۱)۔

(۶۱) عہد اورنگ زیب کے سینتیسویں سال (۱۶۹۴ء) میں شاہ عالی جاہ کا معتبر ملازم

امان اللہ نے سادات بارہ میں سے ایک منصب دار سید کے زخم کاری لگایا جو سنگین صورت اختیار کر گیا۔ دوسرے سید لوگ اجتماعی طور پر امان اللہ کی رہائش گاہ پر گئے۔ امان اللہ کے حامی بھی ان سے مقابلہ کرنے کے لیے باہر نکل آئے۔ اس معاملہ کی اطلاع بھی اورنگ زیب تک پہنچی۔ اورنگ زیب نے قاضی القضاۃ کے پاس جانے کی ہدایت کی۔ سیدوں نے شہنشاہ کی حکم عدولی کی جسارت کی اور کہنے لگے "ہم قاضی کے پاس نہیں جائیں گے۔ ہم اپنے دشمنوں سے معاملہ طے کرلیں گے"۔ بہرحال جب شہنشاہ نے بذات خود معاملہ میں مداخلت کی تو وہ لوگ منتشر ہو گئے۔ ("معاصر عالمگیری" (سرکار) صفحات ۲۲۱، ۲۲۲ ملاحظہ کیجئے) عہد جہانگیری کے اٹھارہویں سال دکن میں سیدوں اور راجپوتوں کے درمیان اسی قسم کا ایک واقعہ رونما ہوا۔ ("تزک" باب II صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۴ دیکھئے)

(۶۲) "بہارستان" باب I صفحہ ۴۲۵ موازنہ کیجئے۔

(۶۳) "تزک" باب I صفحہ ۶۴ دیکھئے۔

(۶۴) "مثال کے طور پر سید علی اصغر ابن سید محمود بارہویں کو عہد جہانگیر میں "سیف خاں" کا خطاب دیا گیا۔ ان کے بھتیجے سید جعفر کو "شجاع خاں" کا خطاب دیا گیا۔ سید جعفر کے بھتیجے سید سلطان کو "صلابت خاں" عرف "اختصاص خاں" کا خطاب ملا۔ آخر الذکر کے رشتہ کے بھائی سید مظفر کو "ہمت خاں" کا خطاب دیا گیا۔ پھر سید عبدالوہاب کو "دلیر خاں" کا خطاب ملا جب کہ سید خاں جہان شاہجہانی کے بیٹے سید شیر زماں کو "مظفر خاں" کا خطاب دیا گیا۔ دوسرے بیٹے سید منور کو "لشکر خاں" کا خطاب عطا کیا گیا۔ جب کہ ان کے پوتے سید فیروز کو "اختصاص خاں" کا خطاب دیا گیا۔ عہد اورنگ زیب میں سید قاسم کو "شاہ مست" کے خطاب سے سرفراز کیا گیا جب کہ محمود شاہ کے عہد میں ان کے بھتیجے سید نصرت کو "یار خاں کا خطاب عطا ہوا۔ ("معاصر الامراء" ملاحظہ کیجئے۔)

مسلم ملت کے صرف ان چار گروہوں یعنی ایرانی، تورانی، افغانی، ہندستانی مسلمان کے بارے میں خصوصی طور سے بیان کیا گیا ہے کیونکہ ان ہی لوگوں نے معاصرانہ مسلم معاشرہ میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔

(۶۵) "برنیر" صفحہ ۳۱۰ اور ۴۸ ملاحظہ کیجئے۔

(۶۶) بحوالہ "بہادر صاحب چہ بکیر" ہمعصر مشاہدین کو اصطلاح "مغل" نے ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور انہوں نے اس کے ساتھ خیالی مفہوم کو وابستہ کر دیا تھا۔ "جوزف سیل بینک" ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ تھا جو جہانگیر کے عہد میں کئی سال تک اس کے ملک میں رہا تھا۔ کہتا ہے:

"لیکن اب "مغل" اصطلاح اپنے مفہوم کے لحاظ سے بذات خود وسعت پیدا کر چکی ہے کیونکہ لفظ "مغل" سے جس طرح تاتاری مراد لیے جاتے ہیں، اسی قدر اس لفظ کا اطلاق ایرانی اور تورانی لوگوں پر بھی ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اکثر اوقات لوگ عیسائیوں کو بھی "مغل" کہہ دیا کرتے ہیں۔ (بحوالہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وصول کردہ خطوط" تالیف کردہ ولیم فوسٹر باب VI، صفحہ ۱۸۴)۔

سر طامس رو کہتا ہے کہ "مغل" ایک بسیط اصطلاح تھی۔ لیکن اس کا اطلاق تمام مسلم لوگوں پر ہوتا تھا"۔ (سفارت سر طامس رو تالیف کردہ فوسٹر صفحہ ۳۱۲)۔

دیگر اشخاص نے اس اصطلاح کو صرف لفظ "سفید" سے ہی مشرح کر دیا ہے۔ کورٹ لکھتا ہے "ان کی زبان میں "مغل" لفظ کا وہی مفہوم ہے جو عظیم سفید بادشاہوں" کے ضمن میں استعمال کیا جاتا ہے (بحوالہ "سچی اور تقریباً قابل وثوق اطلاعات لندن ۱۶۲۲ء صفحہ ۳۹ او تلکن صفحہ ۱۶۷ بھی دیکھئے۔ "رو" اور "فرائر" صفحہ ۲۷۹ بھی دیکھئے۔ مانڈیلسلو صفحہ ۶۳ ملاحظہ کیجئے۔

"منگول" لفظ سے اصلی معنی بد طینت کو ملحوظ رکھتے ہوئے "بدذات" کے ہیں جیسا کہ غیر ملکی منگولوں نے استعمال کیا۔ خالص منگول لوگ، غیر ملکی منگولوں کو "نیم شایستہ" کہا کرتے تھے۔ (این ایلسیس کی تصنیف "تاریخ منگول" کا دیباچہ ملاحظہ کیجئے۔

(۶۷) "رو" اور "فرائر" صفحہ ۷۴۴ دیکھئے۔

(۶۸) برنیر صفحہ ۴۰۴ ملاحظہ کیجئے۔ ہندوستانی لوگ عام طور سے احساس کمتری میں مبتلا تھے۔ اور وہ کسی بھی غیر ملکی چیز کو جو ان کے سامنے آتی تھی وہ اس کو تعظیم و تحسین اور رعب آلود نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ غیر ملکی فوج یا غیر ملکی لوگوں پر مشتمل فوج کی کامیابی و کامرانی

کے مواقع زیادہ تھے۔ کیونکہ ہندستانیوں پر اس کا اثر مہت شکن ہوتا تھا۔ ("سیر" ترجمہ باب III صفحات ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲ دیکھئے۔

(۶۹) مذہبی عقیدہ اور مخالفت کے ضمن میں "مونسیر یٹ ملاحظہ کیجئے صفحات ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ ہو۔

(۷۰) مثال کے طور پر اورنگ زیب نے ایرانی امراء اسد خاں اور ذوالفقار خاں کے وقار کو ختم کرنے کی غرض سے بطور رد عمل تورانی طبقہ کے امراء کو ترقی دینے کی حکمت عملی اختیار کی "معاصر عالمگیری" (سرکار) ملاحظہ کیجئے۔ صفحات ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۷۔ "محمد شاہ نے بھی وقتی طور پر اس تدبیر کی طرف رجوع ہو کر فائدہ اٹھایا" (سیر" ترجمہ باب I صفحہ ۲۴۹ ملاحظہ کیجئے)

(۷۱) "تاریخ ہندی" ایڈیشن VIII صفحہ ۶۰ ملاحظہ کیجئے۔ اسی ضمن میں "سیر" بھی دیکھئے۔

(۷۲) "انفرا" ملاحظہ کیجئے۔

(۷۳) "نظام ضبطی" یعنی مرے ہوئے شخص کی جائداد کو ضبط کر کے سرکاری ملکیت میں شامل کرنے کا طریقہ قرون وسطی کے ہندستان میں عام طور سے رائج تھا۔" منوسی کہتا ہے "یہ ایک جہانگیری قانون تھا کہ حکومت اپنے محکوم لوگوں کی موت کے بعد ان کی دولت و مکانات کی وارث ہو جاتی تھی۔ نظام جاگیرداری کے لگان دار لوگوں کی جائداد بھی سرکار ضبط کر لیتی تھی اگر وہ لاوارث مرتے تھے جلد I صفحہ ۱۷۷)۔

کپتان ہاکنس نے ۱۶۰۸ء میں تحریر کیا تھا "اس مغل شہنشاہ کا یہ دستور ہے کہ جب امراء مر جاتے ہیں تو ان کے خزانہ/سرکاری پر قبضہ کر لیا جاتا ہے اور جو کچھ حکومت پسند کرے ان کے بچوں کو عطا کر دیا جاتا ہے.................. (پرچاز باب III صفحہ ۳۴ دیکھئے) برنیر اس دستور کو غیر متمدن سمجھتا ہے:

"اس ملک میں غیر متمدن اور قدیم دستور رائج ہے۔ شاہی ملازمت کرتے ہوئے لوگوں کی موت کے بعد خود بادشاہ ہی ان کی جائداد کا تنہا وارث بن جاتا ہے" (صفحہ ۱۶۳ ملاحظہ ہو) ایک دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے:

"مغل اعظم اپنے تمام امراء کا وارث خود کو ہی قرار دیتا ہے اور اسی طرح شاہی خزانہ

ہے۔ تنخواہ پانے والے ادنیٰ مصاحبوں کی جائداد کا وارث بھی بادشاہ خود ہی ہو جاتا ہے"۔ (صفحہ ۲۰۴ دیکھئے) "طبقات اکبری" کا انگریزی میں ترجمہ باب II صفحہ ۲۳۲ بھی ملاحظہ کیجئے۔ اورنگ زیب نے اس قانون کو منسوخ کیا("معاصر عالمگیری" از "سرکار" صفحہ ۳۱۶ دیکھئے)۔

"مرأۃ العالم" تالیف، باب VII صفحہ ۱۶۱ دیکھئے "حالانکہ اس دستور کو پھر سے جاری کر دیا گیا تھا اور محمد شاہ نے اس دستور کو دوبارہ منسوخ کیا۔("سیر" ترجمہ باب I صفحہ ۲۰۶ دیکھئے) "سیر" کا مصنف اس دستور کی غضبناک انداز میں مذمت کرتا ہے۔ "بایں ہمہ در حقیقت یہ ایک ایسا دستور اور ایسا قانون تھا، جس کو کوئی انسان، کوئی مذہب اور کوئی عدل نہ منظوری دے سکتا ہے اور نہ قبول کر سکتا ہے"۔ تاہم خراج ادا کرنے والے بادشاہ، ہندو راجہ، اور زمیندار ضبطی کے اس عام اصول سے مستثنیٰ تھے۔

(۷۴) "منوسی" کہتا ہے "طریقہ امور سلطنت مغلیہ سے زیادہ حیرت انگیز کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ بادشاہ، شہزادوں، صوبہ داروں اور سپہ سالاروں کی اپنی ذاتی حکمت عملی ہوتی تھی اور اس حکمت عملی میں اپنے ارادوں میں حصول کامیابی کو زیر غور و فکر رکھا جاتا تھا۔ امراء سے لے کر ادنیٰ ترین حاکم تک ایک بھی ایسا نہیں تھا جو خود کو عجیب و غریب طریقہ سے دولت مند بنانے کے فن میں ماہر نہ ہو۔ اپنی دولت کی جستجو میں کسی طرح کے کام کرنے سے جھجکتے نہیں ہیں وہ اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کو بھی نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔"

("منوسی" باب III صفحہ ۴۷۰)۔ "سیر" کا مصنف کہتا ہے۔

"..........غدار امراء کے گروہ نے اپنے ادنیٰ مقاصد کی وجہ سے کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دیا۔ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنا ان کی منشا ہے۔ اپنے ذاتی مفاد کا احاطہ کر لینا ان کا مقصد ہے۔ ان کے حصول مقصد کے لیے اگر مسلمانوں کا خون بھی بہانا پڑتا یا سیدوں کی تمام نسل کو تہہ تیغ کرنا ضروری ہوتا تو اس میں بھی پس و پیش نہیں کرتے تھے"۔("سیر" ترجمہ باب I صفحہ ۲۹۵ دیکھئے)۔ "برنیر" بھی ملاحظہ کیجئے۔ (صفحہ ۶۵، "منوسی" باب II صفحہ ۳۱۷)("ٹیورنیر" باب I صفحہ ۳۴۳ دیکھئے")

(۷۵) مسلمان امراء کے حسد، رقابت اور خود غرضی کی مثالیں اتنی متعدد ہیں کہ ان

کو خصوصی طور سے بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۷۶) "برنیر" صفحہ ۸۰، "ٹیورنیر" باب II صفحہ ۱۷۵ ملاحظہ کیجئے۔

(۷۷) اگر ایک مسلم خاندان میں مذہبی عقائد کے لحاظ سے تفرقہ پیدا ہو جاتا تو وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے سے اپنی زبان قابو میں نہیں رکھ پاتے تھے۔ ("بدایونی" از ہیگ" باب III صفحات ۴۰۴۔۷ ۴۴ان دیکھئے۔ اصل عبارت تصنیف باب II صفحہ ۳۱۷ دیکھئے۔

(۷۸) پیغمبر اسلام کے رفقاء کی شان میں گستاخی کو "تبرا صحابہ" کہا جاتا ہے ("بدایونی" کی تصنیف "منتخب التواریخ" پر "ریکنگ کا ایک بیش بہا نوٹ ملاحظہ کیجئے۔ ("بدایونی" از ریکنگ" باب I صفحات ۵۷۶ ، ۵۷۷)

"تین خلفائے اوّلین پر "تبرا" کرنا ہندستان میں کافی عام دستور ہے"۔ ("معاصرین عالمگیری" از "سرکار" صفحہ ۴۷ ملاحظہ کیجئے۔ "بدایونی، ہیگ" باب III صفحہ ۴۳۸ ملاحظہ کیجئے۔ باب II "لو" (Lowe) ۲۱۴، ۲۴۸، ۲۶۷ دیکھئے "تاریخ دکن" شیعہ سنی فرقوں کی تلخی، تیزی و تندی کی ایک دلچسپ مثال پیش کرتی ہے جہاں عادل شاہی عہد میں صحابہ پر تبرا کرنے کے لیے لوگوں کو ملازم رکھا جاتا تھا۔ "فرشتہ" ("برگیز") باب III صفحات ۱۱۷، ۱۵۷، ۱۶۹ اور ۲۲۸ دیکھئے۔

(۷۹) "انفرا" ملاحظہ کیجئے۔

(۸۰) ("اکبر نامہ"۔ "بیورج" باب III صفحات ۸۰۳، ۸۰۵ دیکھئے۔ "بدایونی" "لو" (Lowe) باب II صفحہ ۳۷۶۔ "ہیگ" باب III صفحات ۲۳۵۔ ۲۳۶ دیکھئے۔ جب "خان جہاں" کو جو ایرانی شیعہ تھا بنگال کی حکومت سپرد کی گئی تو بنگال کے حکام نے جو زیادہ تر سنی تھے ایک شیعہ کے حاکم ہونے پر اعتراض کیا "اکبر نامہ" (بیورج) باب III صفحات ۲۶۶، ۲۲۸، ۳۲۰ اور ۲۵۰ ملاحظہ کیجئے۔ متاخرین مغل حکمراں کے زمانہ میں شیعہ سنی تعلقات بتدریج بگڑتے چلے گئے "سیر" "ترجمہ باب I صفحات ۷۷۔۸۱ دیکھئے۔ "یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اگر مخالف فرقوں کے مردوں کو ایک دوسرے کے برابر دفن کر دیا جائے تو ان کو اپنی قبروں میں سکون نصیب نہیں ہوگا"۔

"اکبر کے عہد حکومت میں ایک شیعہ کو امیر خسرو کے مقبرے کے قریب دفن کر دیا سنیوں نے اس پر اعتراض کیا اور صورت حال کو جہاں پناہ کے سامنے پیش کیا کہ امیر خسرو ہندوستان کے باشندے تھے اور لمبا سنی تھے لہٰذا ان کو شیعہ کی صحبت و قربت کے سبب قبر میں شدید تکلیف ہو گی۔ شہنشاہ نے احکام جاری کئے شیعہ کے جسد خاکی کو وہاں سے ہٹا کر کسی اور جگہ دفن کر دیا جائے"۔ "بدایونی" ترجمہ "لو" (Lowe) باب II صفحات ۱۲۸، ۳۶۵ دیکھئے۔

(۸۱) ("دبستان" "شی" اور "نزوی" باب II صفحات ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۱ اور ۳۶۴ دیکھئے۔

(۸۲) کشمیر شیعہ سنی تصادم کا اڈا تھا اور وہاں بلوے اکثر ہوا کرتے تھے۔ "آئین اکبری" ترجمہ جیریٹ باب II صفحہ ۳۵۲۔ "فرشتہ" از "برگس" باب IV صفحہ ۵۱۷۔ "اکبر نامہ" از بیورج باب III صفحہ ۷۶۳۔ "بدایونی" از "لو" (Lowe) باب II صفحہ ۱۲۸۔۳۶۵

"کشمیر میں مخالف فرقوں کی مذہبی عداوت اور خانہ جنگی ۱۶۸۴ء کے ضمن میں تفصیلات کے لیے "سرکار" کی تصنیف "تاریخ اورنگ زیب" باب V صفحات ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۲۱، ۴۲۳ دیکھئے۔

متاخرین مغلوں کے دور میں دارالسلطنت کے اندر شیعہ سنی تصادم کے سلسلے میں "سیر" ترجمہ باب I صفحات ۷۷، ۸۱ بھی ملاحظہ کیجئے۔

☆☆☆

دوسراباب

معاشی زندگی

مسلمان بنیادی طور پر شہری زندگی کے عادی:

مسلم حکومت کے امراء مملکت اور معاشرہ میں اپنی موافق صورت حال کے سبب اور کچھ اپنے ذاتی مزاج و نظریہ کی وجہ سے باقی مسلم آبادی[1] سے نسبتاً آرام طلب اور فضول خرچ ہو گئے تھے۔ غیر ملکی ہجرت کے دھارے نے سر زمین ہند پر فنکاروں اور دستکاروں کے مقابلے میں جنگجو اور علماء کا اجتماع قائم کر دیا تھا۔ انہوں نے شاہی شخصیت کے ارد گرد ایک حلقہ بنالیا۔ انہوں نے اپنی تابناکی سے شاہی کہکشاں کے لوازمات کی تشکیل کی۔ مغلیہ انتظام والصرام کے مراکز شہروں میں ہوتے تھے۔ نظام حکومت کا تعلق شہری آبادی یا اس کے قرب وجوار کے باشندوں سے ہوا کرتا تھا۔ عموماً مجموعی طور سے مسلمانوں کو دیہاتی زندگی سے شدید نفرت تھی۔ مسلمانوں کے غریب ترین طبقات کے لوگ بھی دیہاتوں میں جانے کے خیال سے کانپ جاتے تھے۔ گویا ان کو کسی بد عملی کے باعث جلاوطن کر دیا گیا ہو۔ دیہاتی زندگی ان کے لیے ایسی ناقابل برداشت تھی جیسے خسروانہ روم[2] کے متمدن شاعر کے لیے

شاہی تخت سے منقطع ہو کر اور دیوتاؤں کی رہائش گاہ سے دور رہ کر "گینگ" اور سارا شیشن کے ساحل پر زندگی بسر کرنا ناقابل برداشت ہو۔

ان کے پیشے:

اسلام میں کسب حلال پر بڑا زور دیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلفاے راشدین نے پہلے سے ہی نمونہ کامل پیش کر دیا۔ ہندستان میں مسلمانوں نے کسی بھی ایسے پیشے کو اختیار کرنے میں تامل نہیں کیا، جو ان کے مزاج کے موافق ہو اور ان کے وسائل دور ہوں۔ کوئی بھی پیشہ جس میں کسب حلال ہو اور پسینہ بہا کر کمایا جائے حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور اس میں تمدنی تجسس میں رکاوٹ ہرگز نہیں آتی تھی۔ اسلام کی فتح کی ابتدائی منزل فوجی تسلط کی شکل تھی اور بعد کو اس نے خاصے بڑے پیمانے پر آبادیاتی عمل کی شکل اختیار کر لی۔ قدیم ہندستانی زندگی غیر ملکی خیالات کے ساتھ کبھی مخلوط نہیں ہوئی۔ اکبر جیسے وسیع النظر چند اشخاص کی کوششوں کے باوجود ایسے مواقع شاذ ونادر ہی آئے کہ حکام اور حکمرانوں میں اتحاد ہوا ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں سچا اور مستقل اتحاد کبھی نہیں رہا۔ لہٰذا مسلمان حکمرا ضرورت کے تحت بڑی فوجیں رکھنے پر آمادہ ہوئے تاکہ ایک مخالف یا کم سے کم نفرت انگیز آبادی پر اقتدار رہ سکے۔ سپہ گری کا پیشہ مسلمانوں اور اہل قرآن حضرات میں سب سے زیادہ دلکش تھا۔ کیونکہ اس سے ان کے مذہبی جوش وخروش کو تسکین ہوتی تھی اور اچھا خاصہ صلۂ خدمت بھی مل جایا کرتا تھا۔ فوج میں مسلمانوں کے سپہ سالار کے عہدے سے لے کر لشکر کی ادنیٰ ملازمتیں صلاحیت ولیاقت کے لحاظ سے ملتی تھیں۔ اسلامی دنیا میں امن وامان کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے دوسرا بہترین پیشہ کا انتخاب تجارت تھا۔ اس پیشہ کو ہی اولیت دی جاتی تھی، خواہ یہ عظیم غیر ملکی سرمایہ کاری سے کی جائے یا ادنیٰ قسم کی دکانداری ہو۔ زمانہ وسطیٰ میں وسائل اطلاع وترسیل بار برداری کے ذرائع ناقص تھے۔ اور سڑکیں غیر محفوظ تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قافلہ تجارت کے ادارہ کو فروغ ہوا۔ خشکی کے راستے سے بکثرت تجارت ہوتی تھی۔ قندھار اور "کابل" دو ہندستان کے نکاس تھے، جہاں

سے بلخ، خراسان، خوارزم، ایران، ترکی، عرب، حبت اور چین کے ساتھ تجارت ہوتی تھی۔ غیر ملکی تاجروں کو عموماً خراسانیوں[4] کا لقب دیا جاتا تھا۔ یقیناً "بنجارے[5]" ہندستانی لوگوں کا ایک طبقہ تھا۔ جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے، جو سامان اور تجارتی مال ایک مقام سے دوسرے مقام اور ایک ملک سے دوسرے ملک تک لے جایا کرتے تھے۔ پرانے زمانے میں ہندستان معاشی طور پر خود کفیل تھا اور غیر ملکی مبادلہ سے بہت کم منافع ہوتا تھا۔ بجز کچھ ضروری اشیاء کے جن میں بیش بہا دھاتیں اور امراء کے عیش و عشرت کی چند چیزیں شامل ہوتی تھیں۔ ہندستانی عوام کی ضرورتیں نہایت محدود تھیں اور بیرونی سامان یہاں بازاروں میں زیادہ مقبول نہیں تھا۔ ملکی آبادی یا ہندستانی اصل و نسل کے مسلمانوں کے طبقے کے لوگ ہی دستکاری یا ادنیٰ تجارت کرتے تھے۔ مسلم ملت میں بہت ہی کم کاشتکار ہوتے تھے۔ فنکاروں کی تعداد بھی کافی کم تھی۔ آبادی کا بڑا حصہ سلاطین کے محل سراؤں میں خدمت انجام دیتا تھا اور امراے سلطنت کی ملازمتیں کرتا تھا۔ بہر حال غیر ملکی عمدہ فنکار بھی ہوتے تھے۔ کچھ ضروری صنعتوں میں وہ لوگ ماہر تھے اور شاہی حوصلہ افزائی نے ان کی بڑی تعداد کو مغلیہ[6] دربار کی جانب رجوع کر دیا تھا۔ مسلمانوں نے در حقیقت ہند کی اتنی ہی قدر و منزلت کی تھی، جتنی کہ ان کی ستائش انعام و اکرام کے ساتھ کی جاتی تھی۔ شروع میں مسلمانوں کو ہر قسم کی محنت و مزدوری کے لیے ہندوؤں پر ہی انحصار کرنا پڑتا تھا۔ فن تعمیرات سے لے کر زراعت اور ملازمین کی فراہمی تک کے تمام کاموں کا انحصار ہندوؤں پر ہی ہوتا تھا مسلمانوں[7] کو بہت سے علوم و فنون کے شعبوں سے واقفیت ہندوؤں کے توسط سے ہی حاصل کرنی پڑتی تھی۔ مثال کے طور پر دیسی فصلوں کی پیداوار و کاشت، مکانات کی تعمیر، آب و ہوا کی مناسبت سے پہننے کے سامان کی فراہمی، ہاتھیوں کا انتظام وغیرہ ہندوؤں[8] کے ہی سپرد تھا۔ حالانکہ بتدریج انہوں نے ان فنوں میں مہارت حاصل کی۔ اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے انہوں نے خود کو موزوں و موافق بنالیا تھا۔ علاوہ ازیں فنکاروں کا اور دستکاروں کا طبقہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ شاہی کارخانوں کا انتظام خصوصی طور سے ہندستانی مسلمانوں کے ہی سپرد تھا۔ مسلمانوں کو زراعت سے بہت کم رغبت تھی۔ دیہاتی زندگی ان کو ایسا خوف زدہ کرتی تھی گویا

سزا ہو۔ مشرقی بنگال میں ادنیٰ طبقات کے نومسلم اور کشمیر کے کچھ دیہاتوں کے لوگ زراعت کی طرف مائل تھے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں میں قصاب[10]، بہشتی[11]، غسال[12]، گورکن، مصور، مشعالچی اطبا[13] ہوتے تھے، جن کو یونانی حکیم کہا جاتا تھا جو "یونان" اور "عرب" کے نظام ادویات پر عمل پیرا تھے۔ خوش نویس اور وہ اشخاص بھی ہوتے تھے جو کتابوں اور قرآن پاک کو نقل کر کے اپنی روزی کماتے تھے۔ موسیقی، شاعری اور داستان گوئی بھی کچھ لوگوں کا ذریعہ معاش تھی اور مستحق لوگوں کو شاہی دربار اور طبقہ امراء کی سرپرستی و حمایت سے نوازا جاتا تھا علاوہ ازیں ہم کو پیشہ ور طبقات کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ جیسے جولاہے[14]، دھوبی، نائی، بڑھئی، لوہار، درزی، لکڑہارے جو عموماً مسلم معاشرہ[15] کے ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔

سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کی نمایندگی

ایک جائزہ:

مختلف نسلوں کے عناصر کے امتزاج سے مسلمانوں میں کردار کے امتیازی اوصاف اور رجحانات کو فروغ ہوا۔ ان کی لیاقت کے مطابق انہیں سرکاری[5] ملازمت پر مامور کیا جاتا تھا۔ "ایرانی لوگ اسلحہ کے استعمال، منشی کی ادنیٰ خدمت اور مالیات میں یکساں طور سے واقفیت رکھتے تھے۔ اورنگ زیب تک نے ایرانی نسل کو غیر معتبر سمجھتے ہوئے بھی فارش کی تھی۔ "محرر[6] کی حیثیت سے کام کرنے میں کوئی دوسری قوم "ایرانیوں سے بہتر نہیں ہے"۔ اس کے عہد میں تقریباً سب ہی میر بخشی ایرانی نسل کے تھے جو لیاقت، عمدہ اطوار اور دفتر کے انتظامی امور کی مہارت کے باعث مشہور ہوتے تھے۔ جہاں تک فوجی ملازمت کا تعلق ہے اپنے آقا کی وفاداری کا دم بھرتے تھے (بجز اس وقت جب اپنی نسل کے حکمرانوں کے خلاف ان کو میدان جنگ میں آنا پڑتا تھا) ان کی وفاداری کے باعث فوجی اور دیوانی کے دفاتر میں ان کو فوقیت دی جاتی تھی۔ تورانی لوگ حکمران خاندان کی نسل اور مذہبی عقائد سے وابستگی کے سبب دوسرے لوگوں پر فوقیت کا استحقاق رکھتے تھے۔ وہ مضبوط اور قوی ہیکل لوگ تھے جو

مزاج کے اعتبار سے دیوانی انتظام کے مقابلے میں سپہ گری کے پیشہ کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ رسالہ کے ماہر سوار تھے۔ تلوار چلانے میں باکمال اور تیر اندازی میں استاد تھے۔ لہٰذا ان میں زیادہ لوگوں کو سرکاری فوجی ملازمتوں میں بھرتی کر لیا جاتا تھا۔ ادنیٰ فوجی ملازمت کو وہ محکمہ مالیات[56] میں محرّر کے زیادہ نفع بخش عہدہ پر ترجیح دیتے تھے۔ شاہی فوجوں کے توپ خانہ کے شعبہ میں عربوں[57] اور "ترکوں" کو خاص طور سے ملازم رکھا جاتا تھا۔ "ابی سینیا" کے باشندوں کو عام طور سے شہنشاہ اور امراء کے محل سراؤں میں خواجہ کی حیثیت سے ملازمت ملتی تھی۔ بایں ہمہ کبھی کبھی ان کا تقرّر عہدہ عاملہ پر ہو جاتا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں افغانیوں کی جنگجو نسل کو زیادہ تر اصولی طور پر اعتماد اور اہمیت کے عہدہ سے خارج کر دیا جاتا تھا پٹھان اپنے کردار کی حیرت انگیز ناشائستگی اور غیر ملکی ہونے کے باعث دیوانی انتظام کے لیے عام طور سے ناموزوں قرار دیے جاتے تھے۔ بایں ہمہ ان کی فوجی زندگی کی صلاحیت نے مغلیہ فوج کے ادنیٰ عہدوں پر مامور ہونے میں ان کی اعانت کی۔ شاہجہاں کے عہد میں بھی ان کو سیاسی طور پر غیر معتبر سمجھا جاتا تھا اور ان کو چار ہزاری سے زیادہ منصب نہیں دیا جاتا تھا۔ برنیر کہتا ہے پٹھانوں اور راجپوتوں کے ملازم رکھنے پر مغل مجبور تھے۔ کیونکہ ایرانی لوگ اپنے فطری بادشاہ (شاہ ایران) کے خلاف جنگ کے خیال سے لرزنے لگتے تھے۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ وہ اس کو اپنا امام تسلیم کرتے تھے۔ پٹھانوں کو لطف و کرم سے پھر نواز دیا گیا۔ جب اورنگ زیب نے اپنی مسلسل اور تباہ کن مہمات کا آغاز دکن میں کیا اور پہلی مرتبہ شیواجی[58] کے خلاف خدمات انجام دینے پر بطور انعام دلیر خاں کو پنج ہزاری کا منصب عطا کیا گیا۔ آخری مغلوں کے ایام میں انہوں نے پھر اپنا سر بلند کیا اور تاریخ "بنگال" میں خاص طور سے تخریبی کردار ادا کیا حالانکہ ان میں نہ تو سیاسی اتصال کا مرکز تھا اور نہ نسلی اجتماع کا سرچشمہ۔ ہندستان میں مغلیہ ملازمت پر غیر ملکی غلبہ تھا۔ اور ہندستانی قومیت کے لوگوں کے واسطے شاہی ملازمت کا دروازہ بالکل کھلتا ہی نہیں تھا۔ ٹیورنیر کہتا ہے "مغل اعظم کی مقامی مسلم رعایا کے افراد اعلیٰ[59] مراتب پر کم ہی مامور تھے" دربار اکبری لازمی طور پر غیر ملکی تھا اس کے آخری برسوں میں بھی ہندستانی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، نسبتاً بہت کم تھے۔[60] اس

کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے اس کی روایات، کو موقوف کر دیا۔ عہد جہانگیری کے دربار میں ایرانی اثر کے اضافہ کی رفتار تیز[21] تھی۔ سترھویں صدی کے وسط کی بابت لکھتے ہوئے برنیر پُر زور بیان کرتا ہے "امراء بیشتر مختلف اقوام کے اولوالعزم مہم جو لوگوں پر مشتمل تھے" یہ لوگ ایک دوسرے کو دربار کی طرف راغب[22] کرتے تھے اور نگ زیب کی تخت نشینی کے وقت ہندستان میں آئے ہوئے ڈاکٹر جو بن فرائر رائے زنی کرتا ہے کہ حتی الامکان[23] اصولی طور پر شہنشاہ کی طرف سے امراء کا اعزاز غیر ملکی اصل ونسل کے لوگوں کو ہی ملتا تھا۔ آخری مغلوں کے زمانہ میں بھی اس رجحان میں تبدیلی نہیں ہوئی اور ۱۷۴۴ء تک دربار میں ایرانی اثر منتہائے عروج[24] پر پہنچ چکا تھا۔[25] ہم بے ضرر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کلی طور سے ہمارے دور میں فوجی اور دیوانی ملازمت کے اعلیٰ مراتب بیشتر غیر ہندستانی مسلمانوں تک محدود تھے۔ حالانکہ وہ لوگ چند برسوں سے ہی اس ملک میں رہتے تھے۔ ہندستانی مسلمانوں کی خاصی تعداد کشمیر سے آئے ہوئے مسلمانوں پر مشتمل تھی، جو لائق سکریٹری اور عمدہ تجار کی حیثیت سے شہرت یافتہ تھے۔ اکثر و بیشتر ان کو دیوانی کے ماتحتی دفاتر میں ملازم رکھا جاتا تھا اور شاہی فوجوں کے ادنیٰ عہدوں پر مامور کیا جاتا تھا۔ "کشمیریوں[26]" کی بزدلی عام تھی اس وجہ سے انہیں منصب اور فوجی ملازمت کے لیے ذرہ برابر بھی موزوں نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خوش کلامی ساز باز اور خوب صورتی ان کے مقبول اوصاف تھے۔ نو مسلم لوگوں کو اس زمانہ میں اتنا عروج نصیب نہیں ہوا، جتنا عروج ان کو مغلیہ عہد سے پہلے ملا تھا۔

خانگی معاشیات:

خانگی نظم ونسق کے میدان عمل میں مسلمانوں کو کسی معاشیات کا علم نہیں تھا۔ فضول خرچی اور ذرائع آمدنی سے زیادہ شان و شوکت کی نمائش عام رویہ تھا۔ صاحب استطاعت لوگوں کے مکانات خاصے بڑے اور کشادہ ہوتے تھے۔ کم سے کم دو صحن مع صدر ایوان و جوابی کمرے ضروری تھے۔ دیہاتی علاقہ میں غریب اور زیرین متوسط طبقہ کے لوگوں کے ہر مکان میں ایک ذاتی تالاب اور باغ ہوتا تھا۔ شہری علاقہ میں امراء کے مکانات کی دیواروں پر ایسے

مرکب مسالے کا پلاسٹر کیا جاتا تھا، جس میں سنگ ریزے، چونا، گوند اور شکر کی آمیزش ہوتی تھی، جس سے خیرہ کن سفیدی اور شیشہ جیسی چکنائی[31] آجاتی تھی۔ زنان خانے دور مرکز میں ہوتے تھے اور ان زنان خانوں تک پہنچنے[32] سے قبل عموماً دو یا تین بڑے صحن اور ایک یا دو باغات سے گزرنا ضروری تھا"۔ متوسط اور اعلیٰ طبقات کے لوگوں کے مکانات کے فرش کی آرائش گدوں اور ایرانی قالینوں سے ہوتی تھی۔ دروازوں[33] اور کھڑکیوں پر خوبصورت پردے لٹکائے جاتے تھے۔ اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے اکیسویں سال ۱۶۷۷ء میں فضول خرچی کو روکنے کے نظریہ سے اور بلاواسطہ آمدنی کے خیال سے شاہی فرمان جاری کیا تھا کہ چار سو سے زائد والے منصب دار کو بغیر اجازت کے پختہ مکانات کی تعمیر شروع نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کہنا چنداں ضروری نہیں ہے کہ اجازت مطلوبہ باضابطہ[34] نذر کے بغیر فراہم نہیں ہو سکتی تھی۔ غذا کے معاملہ میں مسلمان ذائقہ اور فضول خرچی میں نزاکت مزاج کے لحاظ سے رسوا تھے۔ سرطامس رو کی نظر میں وزیر آصف خاں کا طعام شب ایک امیر کے دسترخوان[35] کی فہرست طعام فراہم کرتا ہے۔ اوسط درجہ کی آمدنی کے لوگ بھی انواع اقسام کی پرتکلف غذائیں کھاتے تھے۔ گویا ان کی غذا میں خوبی و مقدار کے لحاظ سے نفاست ہوتی تھی۔ ابوالفضل[36] جیسے چند مشہور خوش خوراک لوگوں کو چھوڑ کر لحم گاؤ عام مسلمانوں[37] کی غذا تھی۔ حالانکہ امراء کا طبقہ اس کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ تیار شدہ گوشت خصوصاً کباب اور سموسے بہت لذیذ[38] ہوتے تھے۔ پلاؤ دم کردہ، لحم مرغاں خصوصی[39] غذائیں تھیں۔ جہانگیر مچھلی کے گوشت کا خاص شوق رکھتا تھا۔ اور بالخصوص "روہو" مچھلی اس کو مرغوب تھی۔ ہندستان میں روہو مچھلی کا گوشت بہترین[40] سمجھا جاتا تھا۔ فوجی اور غریب[41] لوگوں کے طبقات میں کھچڑی اور گھی سے تر دالیں مقبول عام غذائیں تھیں۔ بغیر مسالہ اور بغیر گھی کے چاول اور دال کی ابالی ہوئی ملکہ "مسور" کی کھچڑی مریضانہ غذا تھی۔ اکبر کے طبیب حاکم علی نے ایک مرتبہ خود اس کو اپنے لیے تجویز کیا تھا۔ اور بقول ابوالفضل اسی کا شہید ہو گیا۔ چاول اور روٹی کے علاوہ پنیر، دودھ[42] اور دہی اچھے مسلم گھرانے کی روزمرہ کی غذا کا ایک حصہ بنا ہوا تھا۔ لذیذ کھانوں کا بڑا شوق تھا۔ اور ہر چیز پسی ہوتی تھی

کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے اس کی روایات، کو موقوف کر دیا۔ عہد جہانگیری کے دربار میں ایرانی اثر کے اضافہ کی رفتار تیز[71] تھی۔ سترھویں صدی کے وسط کی بابت لکھتے ہوئے برنیئر پر زور بیان کرتا ہے "امراء بیشتر مختلف اقوام کے اولوالعزم مہم جو لوگوں پر مشتمل تھے" یہ لوگ ایک دوسرے کو دربار کی طرف راغب[72] کرتے تھے اورنگ زیب کی تخت نشینی کے وقت ہندستان میں آئے ہوئے ڈاکٹر جو ہن فراء رائے زنی کرتا ہے کہ حتی الامکان[73] اصولی طور پر شہنشاہ کی طرف سے امراء کا اعزاز غیر ملکی اصل و نسل کے لوگوں کو ہی ملتا تھا۔ آخری مغلوں کے زمانہ میں بھی اس رجحان میں تبدیلی نہیں ہوئی اور ۱۷۴۴ء تک دربار میں ایرانی اثر منتہائے عروج[74] پر پہنچ چکا تھا۔ لہٰذا ہم بے ضرر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کلی طور سے ہمارے دور میں فوجی اور دیوانی ملازمت کے اعلیٰ مراتب بیشتر غیر ہندستانی مسلمانوں تک محدود تھے۔ حالانکہ وہ لوگ چند برسوں سے ہی اس ملک میں رہتے تھے۔ ہندستانی مسلمانوں کی خاصی تعداد کشمیر سے آئے ہوئے مسلمانوں پر مشتمل تھی، جو لائق سکریٹری اور عمدہ تجار کی حیثیت سے شہرت یافتہ تھے۔ اکثر و بیشتر ان کو دیوانی کے ماتحتی دفاتر میں ملازم رکھا جاتا تھا اور شاہی فوجوں کے ادنیٰ عہدوں پر مامور کیا جاتا تھا۔ "کشمیریوں[75]" کی بزدلی عام تھی اس وجہ سے انہیں منصب اور فوجی ملازمت کے لیے ذرہ برابر بھی موزوں نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خوش کلامی ساز باز اور خوب صورتی ان کے مقبول اوصاف تھے۔ نو مسلم لوگوں کو اس زمانہ میں اتنا عروج نصیب نہیں ہوا، جتنا عروج ان کو مغلیہ عہد سے پہلے ملا تھا۔

خانگی معاشیات:

خانگی نظم و نسق کے میدان عمل میں مسلمانوں کو کسی معاشیات کا علم نہیں تھا۔ فضول خرچی اور ذرائع آمدنی سے زیادہ شان و شوکت کی نمائش عام رویہ تھا۔ صاحب استطاعت لوگوں کے مکانات خاصے بڑے اور کشادہ ہوتے تھے۔ کم سے کم دو صحن مع صدر ایوان و جوابی کمرے ضروری تھے۔ دیہاتی علاقہ میں غریب اور زیرین متوسط طبقہ کے لوگوں کے ہر مکان میں ایک ذاتی تالاب اور باغ ہوتا تھا۔ شہری علاقہ میں امراء کے مکانات کی دیواروں پر ایسے

مرکب مسالے کا پلاسٹر کیا جاتا تھا، جس میں سنگ ریزے، چونا، گوند اور شکر کی آمیزش ہوتی تھی، جس سے خیرہ کن سفیدی اور شیشہ جیسی چکنائی[31] آجاتی تھی۔ زنان خانے دور مرکز میں ہوتے تھے اور ان زنان خانوں تک پہنچنے[32] سے قبل عموماً دو یا تین بڑے صحن اور ایک یا دو باغات سے گزرنا ضروری تھا"۔ متوسط اور اعلیٰ طبقات کے لوگوں کے مکانات کے فرش کی آرائش گدوں اور ایرانی قالینوں سے ہوتی تھی۔ دروازوں[33] اور کھڑکیوں پر خوبصورت پردے لٹکائے جاتے تھے۔ اورنگ زیب نے اپنی حکومت کے اکیسویں سال ۱۶۷۷ء میں فضول خرچی کو روکنے کے نظریہ سے اور بلا واسطہ آمدنی کے خیال سے شاہی فرمان جاری کیا تھا کہ چار سو سے زائد والے منصب دار کو بغیر اجازت کے پختہ مکانات کی تعمیر شروع نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کہنا چنداں ضروری نہیں ہے کہ اجازت مطلوبہ باضابطہ[34] نذر کے بغیر فراہم نہیں ہو سکتی تھی۔ غذا کے معاملہ میں مسلمان ذائقہ اور فضول خرچی میں نزاکت مزاج کے لحاظ سے رسوا تھے۔ سر طامس رو کی نظر میں وزیر آصف خاں کا طعام شب ایک امیر کے دستر خوان[35] کی فہرست طعام فراہم کرتا ہے۔ اوسط درجہ کی آمدنی کے لوگ بھی انواع اقسام کی پر تکلف غذائیں کھاتے تھے۔ گویا ان کی غذا میں خوبی و مقدار کے لحاظ سے نفاست ہوتی تھی۔ ابو الفضل[36] جیسے چند مشہور خوش خوراک لوگوں کو چھوڑ کر لحم گاؤ عام مسلمانوں[37] کی غذا تھی۔ حالانکہ امراء کا طبقہ اس کو پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھتا تھا۔ تیار شدہ گوشت خصوصاً کباب اور سموسے بہت لذیذ[38] ہوتے تھے۔ پلاؤ دم کردہ، لحم مرغاں خصوصی[39] غذائیں تھیں۔ جہانگیر مچھلی کے گوشت کا خاص شوق رکھتا تھا۔ اور بالخصوص "روہو" مچھلی اس کو مرغوب تھی۔ ہندستان میں روہو مچھلی کا گوشت بہترین[40] سمجھا جاتا تھا۔ فوجی اور غریب[41] لوگوں کے طبقات میں کھچڑی اور گھی سے تر دالیں مقبول عام غذائیں تھیں۔ بغیر مسالہ اور بغیر گھی کے چاول اور دال کی ابالی ہوئی ملکہ "مسور" کی کھچڑی مریضانہ غذا تھی۔ اکبر کے طبیب حاکم علی نے ایک مرتبہ خود اس کو اپنے لیے تجویز کیا تھا۔ اور بقول ابو الفضل اسی کا شہید ہو گیا۔ چاول اور روٹی کے علاوہ پنیر، دودھ[42] اور دہی اچھے مسلم گھرانے کی روز مرہ کی غذا کا ایک حصہ بنا ہوا تھا۔ لذیذ کھانوں کا بڑا شوق تھا۔ اور ہر چیز پسی ہوتی تھی

دلی ہوتی تھی قیمہ کیا جاتا تھا۔ کچلی جاتی تھی کوٹی جاتی تھی۔ تلی جاتی تھی اور بھونی جاتی تھی۔ گرم مسالا اور گھی کا استعمال بڑی مقدار میں ہوتا تھا۔ گویا گرم مسالے معدے کے فعل کو ٹھیک کرنے کے لیے کافی تھے۔ اچار اور چٹنی کا بکثرت استعمال کیا جاتا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے پھل، مٹھائیاں اور قسم قسم کے حلوے شکرپارے شربت اور میوے کھائے جاتے تھے۔[۸۵] باقر خانی خستہ روٹی کھاتے تھے اور فالودہ استعمال کرتے تھے۔ ایک قسم کی جیلی گیہوں ابال کر نکلے ہوئے عرق سے تیار کیا جاتا تھا اور اس کو پھلوں کے رس کے ساتھ برف ڈال کر اور کبھی کبھی ملائی ملا کر کھایا جاتا تھا۔ دیگر مرغوب غذائیں تھیں۔[۸۶] ایک مرتبہ مرزا نتھن مصنف "بہارستان غیبی" نے باغی شیخ کی ذات پر قبضہ کرنے کی غرض سے شیخ ابراہیم بابا افغان وغیرہ کو شام کے کھانے کی دعوت دی۔ جس میں روٹی کشکا (ایک قسم کا موٹا دلیا) ہوتا تھا جو گیہوں کے آٹے اور گوشت سے بنتا تھا اور کھیر کی طرح گاڑھا دودھ "کشمیر" کے لوگوں کی خاص غذا تھی۔ (ابلا ہوا چاول یعنی بنگالی بھات) عام طور پر پکی ہوئی سبزیوں[۸۷] کے ساتھ کھایا جاتا تھا۔ مسلمان کھانا ختم[۸۸] کرنے کے بعد ہی پانی پینے کے عادی تھے۔ برف کے استعمال سے وہ واقف[۸۹] تھے۔ مغل شہنشاہ اورنگ زیب بھی گنگا کے پانی کو اس کی مخصوص خوبی کے باعث[۹۰] پابندی سے پیتے تھے۔ مسلمان اپنے لباس کے ضمن میں بہت محتاط تھے اور عموماً اپنی قدیم[۹۱] وضع پر قائم رہتے تھے۔ مردوں کے بالائی لباس عموماً ایک قبا یا موسم کے مطابق ململ یا باریک اون سے بنا ہوا چست لبادہ اور قمیص[۹۲] پر مشتمل تھا۔ ہندو لوگ بھی قبا پہنتے تھے۔ لیکن وہ ڈوریوں کو بایاں رخ باندھتے جب کہ مسلمان ڈوریاں دائیں[۹۳] طرف باندھتے تھے۔ جاڑے کے موسم میں امراء شیروانی کے اوپر اور کوٹ پہنتے تھے جس کو "دگلا[۹۴]" کہا جاتا تھا۔ مغربی ممالک سے گہرے رابطہ کے باعث فرغل یا سمور دار کوٹ کا رواج بھی ہو گیا تھا۔ صافے سے (شیش جس کو پگ یا پگڑی بھی کہتے ہیں) سر کو ملبوس کرتے تھے اور "کلاہ" یا لمبی تاتاری ٹوپی[۹۵] استعمال کی جاتی تھی۔ شیعہ حضرات شوخ، سرخ رنگ کی بارہ گوشہ یا سات گوشہ کی ایک ٹوپی اپنے فرقے کے مطابق پہنتے تھے۔ ہفت امامی اثنا عشریہ سے مفہوم ان اماموں کی تعداد تھی جن پر ان کا عقیدہ تھا۔ فقراء، درویش اور بیچارے غرباء ایک اندرونی

ٹوپی (سرپوش یا تقبا) کا استعمال کرتے تھے، جو پگڑی کے نیچے پوشیدہ[6] رکھ کر پہنی جاتی تھی۔ لباس زیریں نہایت چست ہوتا تھا (آزار ہمارے زمانہ کا چوڑی دار پاجامہ) اور شلواریں (ڈھیلے زیریں لباس) کی حیثیت سے استعمال ہوتی تھیں معمولی راسخ العقیدہ مسلم سادہ کپڑے پہنتے تھے۔ کتان سے تیار کردہ کپڑے استعمال کرتے تھے اور روح شریعت کے مطابق ریشم مخمل کے کپڑے زری کے کام دار کپڑے، سمور دار لباس اور رنگین پوشاک سے پرہیز کرتے تھے۔ "باقتا" سوتی اور ریشمی دھاگوں سے بنا جاتا تھا یہ سخت گیری اور رائج الوقت[7] وضع کے درمیان مصالحتی لباس کی طرح ایجاد کیا گیا تھا۔ شہنشاہ ہمایوں نے ایک نئے نمونہ کا بڑا کوٹ رائج کیا تھا، جو کمر پر تراشا جاتا تھا اور سامنے[8] سے کھلا ہوا ہوتا تھا۔ جہانگیر نے اپنی خاطر کچھ مخصوص کپڑوں کو اپنایا تھا جن میں نادری (ایرانی لوگ کردی کہتے تھے) ممتاز ترین لباس تھا جو "قبا[9]" کے اوپر پہنا جاتا تھا "فارجی" ایک قسم کا کوٹ اور "چار قاب" (بغیر آستین کی صدری) دوسری خصوصی خلعت تھی۔ اس کو شاہی خاندان کے لوگ استعمال کرتے تھے اور منظور نظر ہستیوں[10] کو اعزاز کے طور پر بھی خلعت عطا کی جاتی تھی۔ سرخ اور سفید مسلمانوں کے پسندیدہ[11] رنگ تھے۔ "ایرانی" اور "ترکی" لباس اور طریقہ استعمال کی تفصیلات میں فرق ہوتا تھا۔ مغلوں اور ہندستانیوں[12] کے ملبوسات بھی امتیازی خصوصیت رکھتے تھے ملت اسلامیہ کے مذہبی طبقات مخصوص وضع کے لباس پہنتے تھے اور اس لباس کے ذریعہ اپنے امتیاز کو نمایاں کرتے تھے۔ ابوالفضل کے الفاظ میں گلوبند سے آراستہ ہوتے تھے اور پگڑی سر کی زینت ہوتی تھی اور اس کا رنگ سفید ہوتا تھا۔[13] خلوت کے وقت مسلمان عموماً لنگی (تہبند[14]) عرب کے لوگوں کی تقلید میں استعمال کرتے تھے۔ "ہندستان" میں اگر پہلے نہیں تو محمد تغلق کے عہد میں تہبند زیب تن کرتے تھے، جیسا کہ ابن بطوطہ مطلع کرتا ہے۔ شالیں زیادہ تر کشمیر سے آتی تھیں ان کو لباس کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا تھا۔ شالوں[15] کو کندھوں پر ڈال لیا کرتے تھے۔ ابتدائی ترکوں کی طرح مغلوں کو موزوں سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی۔ مسلمانوں نے ہندستان میں "موزوں" کے استعمال کو عام لوگوں میں رائج کیا۔ "سنسکرت" میں موزے کا مترادف نہیں ہے، حالانکہ وسطی ایشیائی "شک" اور ہمن

لوگ غالباً موزے استعمال کرتے تھے۔ مغلیہ دور کے لوگ ہلکے جوتے یا بغیر ایڑی کے "سینڈل" استعمال کرتے تھے (اب سلیم شاہی کہتے ہیں) جن کو آسانی کے ساتھ قالین[16] سے باراتارا جاسکتا تھا۔ عورتوں اور مردوں کے ملبوسات میں سامان میں فرق نہیں ہوتا تھا بلکہ کپڑے کی وضع قطع اور نمونہ میں فرق ہوتا تھا۔ حالانکہ آخر الذکر اپنے ملبوسات میں بہت پر تکلف ہوتے تھے[17] عورتیں عموماً چوڑی دار پاجامہ اور قمیص پہنتی تھیں اور ایک لمبادوپٹہ اوڑھتی تھیں جن کے پلوؤں پر زری کا کام ہوتا تھا اور دوپٹوں کے دونوں پلو پیچھے گھٹنوں[18] تک دونوں طرف لٹکے رہتے تھے۔ کچھ عورتیں اپنے سروں کو ڈھکنے[19] کے لیے ایک چکی ٹوپی بھی استعمال کرتی تھیں۔ کشمیری عورتیں صرف پٹے کا لمبا کرتا پہنتی تھیں جو نیچے پیروں تک رہتا تھا۔ تنگ مہری[20] کا پاجامہ پہننا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ مردوں اور عورتوں دونوں میں کمر بند کا استعمال رائج تھا۔ امراء سے لے کر ادنیٰ عہدوں تک تمام فوجی دستے آرائشی عطیات استعمال کرتے تھے۔ نچی فوجی بھی اپنے بیوی بچوں کو ان کے استعمال کرنے سے منع نہیں کرتے تھے۔ چاہے سارا خاندان بھوکا ہی مر جائے[21] برنیر نے جڑاؤ زیورات کے استعمال کے متعلق اسی طرح اپنے قول کا اظہار کیا ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت جسمانی آرائش وزیبائش کے ضمن میں زیورات قطعی طور سے ایک اہم مد ہوتی تھی "آئین اکبری" سے ان زیورات کی مستند فہرست پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، جن کو سر، باہوں، ناک، کانوں، انگلیوں، گردنوں، کمر اور پیروں میں استعمال کیا جایا کرتا تھا۔ تقریباً جسم کا ہر عضو جس پر کوئی نہ کوئی زیور قائم رہ سکے یا لٹکایا جاسکے بغیر اس کے نہیں رہتا تھا۔ مسلم خواتین ہمیشہ ناک کی لونگ اور کانوں کی بالیاں پہنتی تھیں۔ امراء خاندان کی بیگمات بھی اپنی حیثیت کے موافق موتی، ہیرے، لعل اور دیگر بیش بہا جواہرات سے جڑے ہوئے گلے کے ہار استعمال کرتی تھیں۔ کڑے اور پہونچیاں مرد اور عورتیں دونوں استعمال کرتے تھے۔ پازیب، جھمکے اور زنجیریں اور انگوٹھیاں دیگر مقبول عام زیورات[22] تھے۔ علاوہ ازیں اعلیٰ مسلم طبقہ کے گھرانوں میں کشیدہ کاری، زری کے کام اور دیگر آرائشی مقاصد کے لیے سنہرے تار کا جرفہ[23] کافی ہوتا تھا نور جہاں بیگم نے ملبوسات اور آرائشی اشیاء میں عظیم تغیرات پیدا کر دیے اس نے کمخواب کے

کپڑوں لیس کے ملبوسات چغوں اور قالینوں کے نئے قسم کے نمونے ایجاد کیے۔ ایک خصوصی زربفت کے لباس کے نمونہ کو نور محلی کہتے تھے۔ جس سے صرف پچیس روپوں میں دولہا اور دلہن کے لیے مکمل کپڑے فراہم ہو جایا کرتے تھے۔ دودامی، پنچا، تولیا، بدھا، کناری، اور فرش چاندنی اب بھی مشہور ہیں۔ اس نے سونے کے زیورات کے نئے نمونے ایجاد کئے۔ کمروں کے سجانے اور دعوتوں کے اہتمام کے لیے نئے طریقے تجویز کئے۔ ایک صدی بعد خافی خاں رائے زنی کرتا ہے کہ "نور جہاں کے رائج کردہ فیشن کا اب بھی معاشرہ پر تسلط تھا۔ قدیم فیشن کے آرائشی لوازمات صرف پسماندہ قصبوں کے اندر افغانیوں میں رائج تھے" مغل عموماً اپنے سر کو منڈھوایا کرتے تھے اور بالوں کو کافی ترشوایا کرتے تھے۔ لیکن پٹھان لوگ راجپوتوں کی طرح اپنے لمبے بالوں کو گردن کے نیچے لٹکا ہوا رکھتے تھے (بابری) جبکہ ملا پیغمبر اسلام کی تقلید میں اپنی لمبی داڑھی اور دراز گیسوؤں سے امتیازی شان پیدا کرتے تھے۔ اکبر کی درسگاہ کے علماء اپنی داڑھیوں کے منڈوانے میں فرحت و مسرت محسوس کرتے تھے۔ اور یہ کہہ کر اپنے اس فعل کو جائز ثابت کرتے تھے کہ جنت کے لوگ بغیر داڑھی کے ہوں گے۔ اورنگ زیب کے اصلاحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تخت نشینی کے وقت مسلمانوں کے لوازمات لباس اخلاقیات اور اطوار پر غیر اسلامی کیفیت طاری تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے شاہی قلعہ کے پھاٹک پر نائی اور درزی تعینات کر دیے تھے تاکہ غیر شرعی داڑھی کو تراش ڈالیں اور غیر شرعی پاجامے کو قطع برید کر دیں۔ مسلم لوگ خوشبوؤں اور عطریات کے بہت شوقین تھے جس کے استعمال کو وہ سنت سمجھتے تھے۔ عہد جہانگیری میں نور جہاں بیگم کی والدہ کی کوششوں سے عرق گلاب سے سب سے پہلے عطر جہانگیری تیار کیا گیا تھا۔ اس کی خوشبو میں اتنی قوت تھی کہ اگر اس کی ایک بوند کو ہتھیلی پر مل دیا جاتا تھا تو اس سے ساری محفل معطر ہو جایا کرتی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بہت سی گلاب کی کلیاں ایک دم کھل گئی ہوں۔ ہر مسلم خاندان حتی المقدور ملازمین رکھتا تھا۔ ہر ایک ملازم کو مخصوص روزمرہ کی خدمت معین کی جاتی تھی۔ غالباً ملازمین کے ساتھ کبھی کبھی سختی کا سلوک کیا جاتا تھا اور ملازمین بھی کبھی کبھی دانشمندانہ طریقہ سے ترکی بہ ترکی جواب

دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ وزیر اعلیٰ اعتماد الدولہ سفر کے دوران اپنے خیمہ میں اشکبار پایا گیا۔ جب اس سے ان کا سبب دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا "ہندستان کے ادنیٰ ملازمین" جنہوں نے اس کو مجموعی طور سے ترک کر دیا۔ منوچی کہتا ہے عرصہ سفر میں مرد ملازمین کی ترک خدمات کو روکنے کے لیے مناسب ہے کہ چند نوجوان ملازمائیں برائے خدمت رکھی جائیں۔ خانگی معاملات کو حسن و خوبی کے ساتھ سرانجام دینے کے لیے یہ بات آج بھی ضروری ہے۔ اوسط درجہ کے مسلم گھر کے ضروری آسائشی و آرائشی سامان میں باہری قلعی دار تانبے کے برتن، چینی کی رکابیاں، پاندان اور تمباکو کے دھوئیں سے لطف اندوز[1] ہونے کے لیے حقہ تھا وہ چارپائیوں پر سوتے تھے۔ جن کو ریشمی و سوتی ڈوریوں سے بنایا جاتا تھا جو کافی ہلکی ہوتی تھیں اور جنہیں آسانی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جاسکتا تھا۔ مالدار لوگ ریشمیں لحاف و رضائی اور تکیے استعمال کرتے تھے اور ان کو گندگی سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ان کے اوپر سوت[2] یا کتان کے غلاف لپیٹ دیا کرتے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مسلمان عموماً بیرونی طور سے مروجہ تصنع و تکلف کی نمائش کرتے تھے حالانکہ گھروں کے اندر کنجوسی طاری رہتی تھی۔ منوچی پٹھانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ جب وہ دربار میں آتے ہیں تو عمدہ لباس زیب تن ہوتا ہے اور بخوبی مسلح ہوتے ہیں۔ عمدہ زرق برق سجے ہوئے گھوڑوں پر تیز گام شان سے آتے ہیں ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ممتاز و اہم شخصیتیں ہیں۔ ان کے پیچھے بہت سے ملازمین ہوتے ہیں جو اس دن کی خاطر یا بطور قرض یا کرایہ پر فراہم کئے جاتے ہیں۔ گھر پہنچ کر اس تمام زرق برق ساز و سامان اور پوشاک کو اتار دیتے ہیں اور چھوٹا سا کپڑا بطور لنگی باندھ لیتے ہیں۔ اور سر کے چاروں طرف ایک دھجی لپیٹ لیتے ہیں۔ چٹائی پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کھچڑی یا ادنیٰ قسم کا خراب پکا ہوا لحم گاؤ کھاتے ہیں جو بکثرت اور بہت سستا ملتا ہے۔[3]

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

دوسرا باب

(۱) ایڈورڈ ٹیری، صفحہ ۲۳۵،اوِنگٹن، صفحات ۲۳۳، ۳۴،اوِنگٹن کہتا ہے کہ اول تو مورس کا تذکرہ اختصار سے کرتا ہے (یعنی مسلم) جو بسبب اپنے مذہب باقی تمام پر اولیت رکھتے تھے ان کا مذہب وہی ہے جو ان کے شہزادہ کا ہے اور اسی وجہ سے وہ اعزاز اور اعتماد کے ممتاز ترین مراتب پر گامزن ہیں۔ صوبوں کی گورنری کے عہدوں پر ان کی تقرری کی جاتی ہے اور مخصوص فوجی اور دیوانی ملازمتیں ان کو معتمد سمجھ کر دی جاتی ہیں.......... مذہب جو ذہنی تعصب پیدا کرتا ہے ان کو درباری عنایات کا مستحق بنادیتا ہے۔ جب اس مذہبی عقیدہ کی بدولت ان کے شہزادہ سے ان کی مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) ایک فارسی شعر زبان زد اور رائج الوقت تھا، جس سے نمایاں طور پر دیہاتی زندگی سے ان کی منافرت اور ناپسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے

"زاغ دُم سوئے شہر و سر سوئے دہ ÷ دُم آں زاغ از سر او بہ"

ایک کوے کی دم شہر کی طرف اور سر دیہات کی طرف تھا یقیناً اس کوے کی دُم سر سے بہتر تھی۔ (بہتر سے مراد اعلیٰ تر یا خوشتر ہے) احکام عالمگیری ملاحظہ کیجئے نمبر ۸ صفحہ ۳۳۔

(۳) مانڈیسلو صفحہ ۱۸ کیری کہتا ہے دوسری جانب دنیا میں کوئی شہزادہ نہیں تھا جو

اپنے فوجیوں کو بہتر تنخواہ دیتا ہو۔ ایک بیگانہ بھی جو اس ملازمت میں داخل ہو تا ہے جلد ہی مالدار ہو جاتا ہے........... باب III صفحہ ۲۳۴۔

(۴) طامس کوریات (۱۶۱۲، ۱۶۱۷) ایک کارواں کا حال اس طرح بیان کرتا ہے "ایک کارواں ایسا لفظ ہے جو تمام "ایشیا" میں بکثرت استعمال ہو تا ہے۔ اس کا مفہوم لوگوں کے اجتماع سے ہے جو راہ میں ساتھ ساتھ سفر کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ ہوتے ہیں۔ جن پر وہ لوگ تجارتی سامان ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جایا کرتے ہیں۔ معمولی خیموں اور چوٹی دار خیموں کو بھی لاد کر لے جاتے ہیں۔ گھروں کے بجائے ان ہی خیموں کے نیچے کھلے میدان میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ تمام ضروری اسباب اور سہولیت کا سازوسامان ان کی آرائشگی کے لیے مہیا ہو تا ہے۔ ہندستان میں ابتدائی سفر " مرتبہ ولیم فوسٹر صفحہ ۲۵۹ ایلفنسٹون بھی ملاحظہ کیجئے۔ "کابل" کے حالات باب I صفحہ ۷۹-۳۔

(۵) بابر کا مشاہدہ ہے جس طرح عرب کے لوگ بیرون عرب کی ہر جگہ کو "عجم" کہتے ہیں اسی طرح ہندستانی بیرون ہندستان کی ہر جگہ کو "خراسان" کہتے ہیں "بابرنامہ" انگریزی ترجمہ باب II صفحہ ۲۰۲۔ ۱۵۱۰ء کے قریب "باربوسا" نے تحریر کرتے ہوئے "کورا کونس" اصطلاح کا اطلاق شمالی "ایران" کے باشندوں پر کیا تھا اور سلطنت پر حسین مرزا بایقر حکمرانی کرتا تھا۔ اس کی سلطنت میں "سیستان" اور "ہرات" شامل تھے (ترجمہ از ڈیمس باب I صفحہ ۱۱۹-۱۲۰) نوٹ:۔ ابن بطوطہ نے بھی دو سو سال پہلے رائے زنی کی تھی کہ دہلی کے لوگ ایشیا کے تمام اجنبی لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے خراسانی کہتے ہیں (ڈیفریمری باب III صفحہ ۲۲۹ ملاحظہ ہو)۔

(۶) سترھویں صدی میں "قندھار" کی مہم بھیجنے سے پہلے جہانگیر کہتا ہے "لہٰذا غلہ کے تاجروں کی حوصلہ افزائی کرنے کا تہیہ کر لیا گیا، جن کو ہندستانی زبان میں "بنجارہ" کہتے ہیں ان کو فاتح فوج کے ساتھ لے جانے کی غرض سے ان کو روپیہ بھی فراہم کیا جاتا تھا تاکہ غلہ کی فراہمی میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ "بنجاروں" کا ایک قبیلہ ہے۔ ان میں سے کچھ

کے پاس ایک ہزار (۱۰۰۰) بیل ہوتے ہیں اور کچھ کے پاس کم و بیش۔ وہ مختلف اضلاع سے غلہ لیتے ہیں اور قصبوں میں جاکر فروخت کرتے ہیں، وہ فوجوں کے ساتھ جاتے ہیں اور ایک ایسی فوج کے ہمراہ ایک لاکھ (۱۰۰۰۰۰) یا زیادہ بیل ہوتے ہیں ("تزک باب II صفحات ۲۳۳، ۲۳۴) عموماً بنجاروں کو جنگ آمد لوگ بھی نہیں ستاتے تھے۔ "بنجارہ کی اصطلاح سنسکرت لفظ "بنج" سے ماخوذ ہے۔ "ایک تاجر یا سوداگر" اور فارسی لفظ "برنج" "چاول" سے نہیں لیا گیا ہے اس طبقہ کے لوگوں کی تفصیلات کے لیے ("فرینک" رو باب II صفحات ۶۲، ۶۳ دیکھئے) ایلیٹ کی تصنیف "شمالی مغربی صوبہ جات کی نسلیں" باب I صفحات ۵۲، ۵۶ ملاحظہ کیجئے۔ "آئین اکبری" اصل تصنیف باب II صفحہ ۲۳۰۔ "ریاض السلاطین" ترجمہ صفحہ ۲۹۶۔ این آر کسمبرج "بنجارہ طبقہ کے کچھ حالات" شمالی ہندستان نوٹس اور تحقیقات جنوری ۱۸۹۵ء باب IV نمبر ۷۹ ۳ "کیپٹن جو ہن برگس "بنی نوع انسان میں" بنجارہ نام سے موسوم لوگوں کی اصل و نسل "تاریخ اور اطوار کے حالات" "بزم ادب بمبئی" کی تصنیف باب I مضمون نمبر XII صفحات ۱۷۰، ۱۷۹ دیکھئے "تمدن ہند" ترجمہ صفحہ ۹۲ بھی دیکھئے۔

(۷) مغل شہنشاہ اور امراء غیر ملکی دستکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور بہترین دستکاروں کی خدمات کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ شاہجہاں کے بارے میں پیلسیرٹ کہتا ہے "وہ تمام دستکاروں و فنکاروں کا محسن و مربی تھا جن کو وہ اتنی اعلی مزدوری دیتا تھا۔ کہ اس نے اپنے والد کے دربار کی ساری شان و شوکت کا مرجع بنالیا تھا۔ (صفحہ ۷ ۳ دیکھئے)

(۸) اب بھی ایک فارسی کی کہاوت زبان زد ہے "باہنر نر ÷ بے ہنر خر" ترجمہ ہنر مند شخص نر ہے یعنی اصل مفہوم میں انسان ہے اور ایسا آدمی جو کوئی ہنر نہیں جانتا گدھا ہے۔

(۹) بدایونی (لو۔Lowe) باب II صفحات ۶۴، ۶۵) "ایرسکائین (Eriskine) بابر" باب I صفحہ ۲۳۲ بلوچمن کا ایک مضمون "مخزن تاریخ سے ایک باب" بھی ملاحظہ کیجئے (مغلیہ حکومت کے تحت ہندو راجا "کلکتہ ریویو CIV ۱۸۷۱ء)۔

(۱۰) اونگلن اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے "اور یہ ان ہی میں ہوتا ہے (مسلم) کہ قصائی

گوشت کی فراہمی کے لیے ذبیحہ کرتے ہیں اور غیر ملکی لوگوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں کیونکہ ہندستانی لوگ مشکل سے ہی راس کا پارچہ پارچہ ہوتا دیکھ سکیں گے صفحہ ۲۴۲ دیکھئے۔

(۱۱) ہندستان میں پانی لے جانے والے کے لیے بہشتی لفظ عام طور سے استعمال ہوتا ہے جس کی اصل کے بارے میں حسب ذیل باتیں کہی جاتی ہیں۔

"جب بابر ہندستان میں آیا تو اس نے آب و ہوا کی گرمی کو نا قابل برداشت پایا۔ اس نے کہا کہ پانی لے جانے والے لوگ ہی قابل رشک ہیں اور ان کو "بہشتی" (جنتی) کہنا چاہیے۔

(۱۲) جب کوئی "محمدی" (مسلم) مرتا ہے تو اس کی لاش کو نہلانے کے لیے کچھ مخصوص لوگ آتے ہیں۔ اس کام سے وہ روزی کماتے ہیں (منوسی باب III صفحہ ۱۵۳)۔

(۱۳) وہ مسلم اطباء تھے۔ "بدایونی" کہتا ہے اس عہد میں (عہد اکبر) کچھ اطبا علم طب میں اس قدر جید تھے اور ادویات کے عملی استعمال میں اتنے ہوشیار تھے کہ انہوں نے "حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معجزات سر انجام کئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سے حیرت انگیز روح کے کمالات کی یاد تازہ کر دی۔" بدایونی (ہیگ) باب III صفحہ ۲۲۴۔ جب "معاصر عالمگیری" کے مریض مصنف کو "شیخ عبدالعزیز کے پاس بختاور خاں کو شاہی فرمان دے کر بھیجا گیا تھا کہ ان کے علاج میں کوئی تساہل نہیں ہونا چاہیے اور یہ کہ اگر وہ چاہیں تو شہنشاہ یونانی اطبا میں سے ان کے علاج کی غرض سے کسی کو بھی بھیجنے کے لیے تیار ہے) اس نے رائے زنی کی ہے کہ میں کسی مخصوص نظام معالجہ سے متعصب نہیں ہوں۔ لیکن مجھے ان لوگوں کے کتابی علم پر عقیدہ نہیں ہے۔ یعنی دربار کے یونانی اطبا اگر ان میں سے کسی کو بلوانا مناسب ہو تو مجھے اعتراض نہیں ہے ("معاصر عالمگیری" اصل تحریر صفحہ ۱۶۴، ترجمہ "از سرکار" صفحات ۱۰۱، ۱۰۲)

(۱۴) "جولاہے" کپڑا بننے والے اپنی روایتی حماقت کے لیے معروف عام تھے اور ان کو ہندستان میں "رحمتہ اللہ" کہتے تھے۔ بدایونی رینکنگ باب I صفحات ۵۲۷، ۵۲۸ دیکھئے اور نوٹ اور "روز کی فرہنگ" باب II صفحات ۴۱۳، ۱۶ بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۱۵) منوسی کا موازنہ کیجئے باب IV صفحہ ۱۷۵، بدایونی (ہیگ) باب III

(۱۶) "سرکار" "تاریخ اورنگ زیب" باب V صفحہ ۲۶۵ دیکھئے۔

(۱۷) حاشیہ کی تشریح ملاحظہ کیجئے باب III صفحہ ۷۰، (اورنگ زیب کے عہد میں میر بخشی لوگوں کی فہرست کے ضمن میں)

(۱۸) برنیر کہتا ہے کہ "جب سلطان شجاع نے بذاتِ خود "شیعہ" کی جانب رجوع کیا تو اس کے اس رویہ میں ایک حکمت عملی کارفرما تھی کیونکہ سلطنت کے زیادہ تر بارسوخ و بااثر عہدوں پر ایرانی لوگ فائز تھے۔ صفحہ ۹ ملاحظہ کیجئے۔ ٹیورنیر اپنی رائے پیش کرتا ہے، ہوشیار ہونے کے باعث وہ (ایرانی) ایسے وسائل کے حصول میں کامیاب ہیں، جن کے توسط سے پیشہ سپہ گری کی جانب گامزن ہوں۔ یہ سبب ہے کہ "مغل اعظم" کی سلطنت میں اور ساتھ ہی ساتھ گولکنڈہ اور "بیجاپور" کی ریاستوں میں ایرانی لوگ ہی اعلیٰ ترین عہدوں پر قابض ہیں باب II صفحہ ۱۷۷ "ایڈورڈ ٹیری کہتا ہے ....ایرانیوں اور تاتاریوں کی بڑی تعداد جو وہاں آباد ہیں جن میں سے کافی لوگوں کو مغل فوجیوں کی حیثیت سے رکھتے ہیں۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر فوجی خدمت انجام دینا ان کی مصلحت ملازمت ہے۔ ان کو "احدی" کہا جاتا ہے صفحہ ۱۲۱، دوبارہ وہ رائے زنی کرتا ہے "بہت سے ایرانی اور تاتاری گھوڑ سوار فوجی کی حیثیت سے اس کی خدمت کرتے ہیں........... صفحہ ۱۴۹۔

(۱۹) مانڈیلسلو صفحہ ۱۸۔

(۲۰) عرب لوگ خاص طور سے ساحلی قصبوں میں آباد تھے اور گجرات و دکن میں زیادہ قوی تھے، وہاں وہ عموماً لین دین اور تجارت میں مصروف رہے۔ اس ضمن میں "فرشتہ ترجمہ از برگس" میں جابجا اس کا تذکرہ دیکھئے۔

(۲۱) پندرہویں اور سولہویں صدی میں ابی سینا کے (Pretorian) کے گروہ نے ہندستان کی تاریخ میں خاص طور سے بنگال، گجرات اور دکن میں ایک نمایاں پارٹ ادا کیا۔ بار بک شاہ نے ان کو بنگال سے متعارف کرایا تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ شاہی خاندان کے حکمرانوں کے محافظ سے آقائے مملکت ہو گئے۔ ۱۵۲۲ء، ۱۵۲۳ء میں علاء الدین سید حسین شریف مکی نے ان کو بنگال سے نکال دیا اور جب شمالی ہندستان میں ان کے قدم جم

نہیں سکے تو وہ گجرات اور دکن چلے گئے۔ وہ مذہبی عقیدہ کے اعتبار سے سنی تھے۔ یہ لوگ اپنے وحشیانہ رویہ بادشاہوں کے قتل اور غداری کے لیے بدنام تھے۔ "ابی سینا" کی عورتیں بھی قوی ہیکل تیز طرار اور پھرتیلی ہوتی تھیں۔ شاہی محل سراؤں میں زنان خانوں کے محافظ کی حیثیت سے ان کو تعینات کیا جاتا تھا۔ ہندستانی زبان میں ان کو عموماً حبشی کہتے تھے۔ سیاہ فام وحشی صورت شکل کی مترادف اصطلاح 'حبشی' ہے آئین اکبری۔ ترجمہ از جاریٹ باب II صفحہ ۱۴۹ دیکھئے۔ مراۃ السکندری ترجمہ صفحات ۲۷۷، ۲۸۷، ۲۹۰، ۲۹۲، ۳۰۱ "فرشتہ" ترجمہ از برگس باب IV ۱۶۴، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۴۷، ۳۴۷، ۳۵۰ باب III ۲۲ اور جابجا اس کا تذکرہ "اکبر نامہ" ترجمہ از بیورج باب III صفحات ۹۹۴، ۱۱۳۴، ۱۱۳۶، "بدایونی" ترجمہ از لو (Lowe) باب II صفحات ۱۴۵، ۱۵۱، ۱۶۷، ۱۷۱۔ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحات ۳۷، ۳۹۲، ۴۰۴۔۴۰۵ "این ہیرس" کی تصنیف بھی ملاحظہ کیجئے۔ "ابی سینا" لوگوں کے طور طریقے کا مختصر لیکن سچا حال بھی ملاحظہ کیجئے۔ "بزادب بمبئی" کے ترجمہ باب II مضمون نمبر II صفحات ۱۵، ۲۴ ملاحظہ کیجئے۔

(۲۲) منوچی کا مشاہدہ ہے شیر شاہ نے جو کچھ سلوک اس کے والد ہمایوں کے ساتھ کیا تھا یعنی اس نے بغاوت کی تھی محض دولت مند ہونے کے باعث اس کو یاد کر کے اکبر نے یہ بطور قانون کے اپنے جانشینوں کے لیے چھوڑا کہ پٹھانوں کو چار ہزار روپیہ سالانہ تنخواہ سے زیادہ ہرگز نہیں دینا چاہیے یعنی گورنروں کے عہدوں پر ان کا تقرر نہیں کیا جائے اور صرف فوجیوں کی حیثیت سے ملازم رکھے جائیں (باب I صفحہ ۱۴۷) دیکھئے حقیقت یہ ہے کہ اکبر نے کوئی سخت اصول و قواعد کی تخلیق نہیں کی تھی بایں ہمہ افغانیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اعلیٰ عہدوں پر ان کا تقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک دوسری جگہ اس نے رائے زنی کی ہے۔ سارے ہندستان میں "کابل" سے لے کر "بنگال" کے حدود تک ایک سو قلعے ہوں گے ان قلعوں پر بادشاہ وفادار گورنر بھیجتا تھا۔ عموماً وہ لوگ شاہی ملازمت میں ہوتے ہیں یہ ایسے شہزادے تھے جن کی وفاداری پہلے سے ہی آزمودہ تھی۔ وہ راجپوت سادات اور مغل ہوتے ہیں۔ لیکن ان قلعوں میں سے کسی پر بھی افغانیوں کو تسلط کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی

تھی کیونکہ یہ اندیشہ رہتا تھا کہ وہ کوئی سازش یا حکومت کے خلاف بغاوت کر سکتے تھے جیسا انہوں نے "ہمایوں" بادشاہ کے ساتھ کیا تھا۔ (منوی باب II صفحہ ۴۴۶)

(۲۳) "برنیر" صفحہ ۲۱۰ دیکھئے۔

(۲۴) "دلیر خاں داؤدزئی افغان" اورنگ زیب کا ایک بہترین سپہ سالار تھا۔ اس کے فوجی فروغ و ترقی کے سلسلہ میں "معاصر الامراء" باب II صفحات ۴۲، ۵۶ ملاحظہ کیجئے۔

(۲۵) "ٹیورنیر" باب II صفحہ ۷۶ دیکھئے۔

(۲۶) اکبر کے عہد میں ترتیب ملازمت کا تقریباً صحیح اندازہ ابوالفضل کی فراہم کردہ امراء اور منصب داروں کی فہرستوں پر "بلوچمن" کی پرکاوش تشریحات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ان فہرستوں میں عہد اکبر کے (۵۰۰) سے زیادہ منصب کی حیثیت کے تمام تقرر شامل ہیں اور اُن ادنیٰ منصب داروں کا بھی تذکرہ ہے، جو اس وقت زندہ تھے۔ جب تقریباً ۱۵۹۵ء میں "آئین" کی تالیف و تدوین کی گئی تھی۔ حکام کی قلیل تعداد کو قلم انداز کر کے جن کی اصلیت کا اندراج دستیاب نہیں۔ ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ستر فی صدی منصب داران خاندانوں سے وابستہ تھے جو یا تو "ہمایوں" کے ساتھ ہندستان میں آئے تھے یا اکبر کی تخت نشینی کے بعد دربار میں وارد ہوئے تھے۔ بقیہ تیس فی صدی عہدوں پر ہندستانی قابض تھے۔ نصف سے کسی قدر زیادہ مسلم تھے اور نصف سے کچھ کم عہدوں پر ہندو تھے (آئین اکبری از بلوچمن باب I صفحات ۳۲۸، ۵۲۸)

(۲۷) "اقبال نامہ" عبارت اصل، متن صفحہ ۲۷ دیکھئے۔

(۲۸) "برنیر" صفحہ ۲۱۲ ملاحظہ کیجئے۔ غیر ملکی لوگ دولت کی جستجو میں اعلیٰ و ارفع توقعات لے کر ہندستان میں آئے تھے اور وہ شاذ و نادر ہی مایوس ہوئے۔ میر شہاب الدین ولد عابد خاں "ایران" میں سبحان علی خاں کی ملازمت میں تھا۔ میر شہاب الدین کو اس کے والد نے بلایا تھا۔ جو مغلیہ دربار سے بسلسلۂ ملازمت منسلک تھا۔ میر شہاب الدین کے وقت رخصت جب وہ کچھ ہی قدم گیا تھا، سبحان علی خاں نے اس کو واپس بلایا اور کہا "تم ہندستان جارہے ہو جہاں تم بڑے آدمی ہو جاؤ گے مجھے توقع ہے کہ تم مجھ کو فراموش نہیں کرو گے۔

("معاصر عالمگیری" از "سرکار" صفحہ ۵۶، صفحہ ۹۶ بھی دیکھئے)
"بادشاہ نامہ" (BI) باب II صفحات ۹۸، ۱۷۴ "اکبر نامہ" از بیورج باب III صفحہ ۳۲۹ ملاحظہ کیجئے۔

(۲۹) "رو" اور "فرار" صفحہ ۸۴۴ دیکھئے۔

(۳۰) متاخرین مغلیہ ایام میں بھی غیر ملکی لوگوں کا داخلہ نہیں رکا، یہاں تک کہ ہم کو محمد شاہ کے عہد میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوسف زئی اور آفریدی افغانیوں کی بڑی تعداد میں آمد کا سلسلہ جاری تھا جو روہیلکھنڈ کے علاقے میں آباد ہو گئے تھے۔

(۳۱) بدایونی (BI) باب I صفحہ ۳۸۸ "تزک" باب II صفحہ ۱۴۸ "فرشتہ" از برگس باب IV صفحہ ۵۲۹ برنیئر صفحہ ۴۰۴ ہیلبرٹ صفحہ ۲۴ "اقبال نامہ جہانگیری" کا مصنف جب یہ رائے زنی کرتا ہے کہ حسن کشمیر ملاحت سے معرّیٰ ہے تو وہ اصحاب قرون وسطیٰ کے ذوق لطیف کی ناقدری کرتے ہیں۔ ایک فارسی شعر عام طور سے جس کی تخلیق کو اورنگ زیب سے منسوب کیا جاتا ہے یہ شعر ضرب المثل ہو گیا ہے۔ (اگر قحط الرجال افتدا زیں سہ انس کم گیری۔ یکم افغا، دوئم کمبو، سوئم بدذات کشمیری) ترجمہ اگر انسانوں کا قحط بھی پڑ جائے تب بھی ان تین سے انسیت کم رکھو ایک افغانی، دوسرا کمبو، تیسرا بدذات کشمیری (عمل صالح BI ا۔ ۴۴، بدایونی (ہیگ) باب III تشریح ۱۲۲۔ جب کشمیری کو منصب سے نوازا گیا ایک سورخ بآہ سرد لکھتا ہے "یہ سلطنت کے اختتام کی ابتدا ہے۔ (بحوالہ ارون) متاخرین مغل۔

(۳۲) "مسلم گھر" کے تذکرہ کے ضمن میں "مانڈیلسلو" سے موازنہ کیجئے۔ صفحات ۶۳، ۶۴۔ "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۱۔

(۳۳) ٹیورنیر باب I صفحہ ۳۹۳ موازنہ کیجئے۔

(۳۴) "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحات ۵۵۴، ۶۱۲، ۶۱۶۔ بدایونی لو (Lowe) باب II صفحہ ۷۷۳۔ "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۱۔

(۳۵) "سرکار" "معاصر عالمگیری" صفحہ ۱۰۰ دیکھئے۔

(۳۶) ہندوستان میں سر طامس رو کی سفارت صفحہ ۲۲۷ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۷) "ٹیری" سے موازنہ کیجئے صفحہ ۱۹۳۔

(۳۸) "بہارستان" سے موازنہ کیجئے باب I صفحہ ۲۵۰ باب II صفحہ ۵۴۱، "رُو اور فراتز" صفحہ ۳۲۲ "تھیونات" باب III صفحہ ۱۲۔

(۳۹) ابن بطوطہ اردو ترجمہ صفحات ۲۶، ۲۷ "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۲۴۔

(۴۰) "اوتگٹن" کہتا ہے پلاؤ سے مفہوم چاول کو ابال کر اس طرح بنانے سے ہے کہ چاول کا ہر ایک دانہ الگ الگ رہتا ہے۔ اس میں گرم مسالہ ملا دیا جاتا ہے پھر بھی چاول بغیر ملے ہوئے رہتے ہیں۔ چاول کے بیچ میں ابلے ہوئے پرندہ کے گوشت کی بوٹیاں ہوتی ہیں۔ پلاؤ سب سے عام ہندستانی کھانا ہے اور ایک "دم پخت" ہوتا ہے۔ (یعنی بھاپ میں پکے ہوئے پرندے کا گوشت مراد گھی ڈال کر کسی چھوٹے سے بند برتن میں پکاتا ہے) اور یہ ایک کھانا ہے صفحہ ۲۳۵، پلاؤ کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے "ٹیری" رائے زنی کرتا ہے.......... اور یہ چاول ہمارے سامنے پیش کیے گئے۔ کچھ چاول اپنے اصلی رنگ میں سفید تھے اور کچھ چاولوں کو زعفران ملا کر زرد کر دیا گیا تھا۔ کچھ کو ہرا کر دیا گیا تھا اور اس میں سے کچھ چاولوں میں بیگنی رنگ ڈال دیا گیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کن لوازمات سے پلاؤ کو تیار کیا گیا تھا باایں ہمہ مجھے یہ یقین ہے کہ سارا کھانا نہایت لذیذ تھا...... (صفحہ ۱۹۶ "رُو اور فراتز" بھی ملاحظہ کیجئے صفحہ ۲۷۹)

(۴۱) "تزک" باب I صفحہ ۴۱۴ باب II صفحہ ۲۹۲ جہانگیر کہتا ہے کہ میں بجز ان مچھلیوں کے جن کے سینے ہوتے ہیں اور کوئی مچھلی نہیں کھاتا ہوں۔ اس سبب سے نہیں کہ شیعہ علماء کی نگاہ میں بغیر سینوں والی مچھلی غیر شرعی ہے بلکہ میری نفرت کی وجہ یہ ہے کہ میں نے بزرگوں سے سنا ہے اور تجربہ سے بھی مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ بغیر سینوں والی مچھلیاں مردہ کا گوشت کھاتی ہیں اور سینوں والی مچھلیاں مردہ کا گوشت نہیں کھاتی ہیں۔ (مذکورہ بالا باب I صفحہ ۱۸۸)

(۴۲) گجرات کے لوگوں کے مخصوص کھانوں میں سے باجرہ کی کھچڑی بھی ہے (دلے ہوئے مٹر اور باجرہ کو ملا کر ایک ساتھ ابلا ہوا مرکب طعام ہے) اس کو وہ لزیذا کہتے ہیں

کیونکہ میں نے یہ کھانا کبھی نہیں کھایا تھا۔ میں نے ان کو حکم دیا کہ کچھ کھانا تیار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔ یہ کھانا کم ذائقہ نہیں تھا اور یہ کھانا میرے لیے خاص موزوں تھا میں نے احکام صادر کئے تھے پرہیز کے دنوں میں جب میں بغیر گوشت سے تیار کردہ طعام تناول کروں تو اکثر اوقات میرے لیے ان کو کھچڑی ہی لانا چاہیے۔ (ایضاً بیورج باب I صفحہ ۴۱۹۔ "ٹیورنیر" سے موازنہ کیجئے باب I صفحہ ۳۹۱ ہانڈ بلسلو صفحہ ۶۴)

(۴۳) برنیر سے موازنہ کیجئے صفحہ ۳۵۳ بہارستان باب I صفحہ ۲۰۱۔

(۴۴) (اوننگن سے موازنہ کیجئے صفحہ ۲۳۵۔ رو اور فرائر صفحہ ۲۷۹۔ "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۲۔ ابن بطوطہ اردو ترجمہ صفحہ ۲۸۸)

(۴۵) (ایضاً بیورج صفحات ۲۲۹، ۲۳۰)

(۴۶) "میر" سے موازنہ کیجئے ترجمہ باب I صفحہ ۳۸۹ "بہارستان" باب I صفحہ ۳۴۸ بدایونی لو (Lowe) باب II صفحہ ۱۹۹ باب I صفحہ ۳۴۸)

(۴۷) بدایونی بیگ سے موازنہ کیجئے باب III صفحہ ۲۱۵ "ریاض السلاطین" ترجمہ صفحہ ۲۸۴ "تزک" باب I صفحہ ۳۸۷ "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۶۸ "ہبلٹن" کابل کے حالات باب I صفحہ ۳۴۲ "آئین اکبری" بھی ملاحظہ کیجئے بلوچمن باب I صفحہ ۵۹، ۶۲۷، خصوصی مسلم کھانوں کے لیے ہندستانی فہرست طعام اور ٹیری ملاحظہ کیجئے)

(۴۸) "بہارستان" باب II صفحات ۴۵۷، ۵۸ دیکھئے۔

(۴۹) "تزک" سے موازنہ کیجئے باب II صفحات ۱۴۶، ۱۴۷ "روگرس اور بیورج" کے ترجمہ کردہ تزک میں بھتہ بصورت بھتا دیا ہے۔ جو غلط ہے)

(۵۰) "کریری" باب III صفحہ ۲۵۲۔ "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۲ دیکھئے۔

(۵۱) "بدایونی (بیگ) باب III صفحہ ۲۰۳ متن اصل عبارت باب I صفحہ ۳۴۸ "ریاض السلاطین" ترجمہ صفحہ ۲۸۱۔

(۵۲) "برنیر" صفحہ ۳۶۴۔ اوننگن صفحہ ۲۰۸ دیکھئے۔

(۵۳) "ٹیری" صفحہ ۲۰۵ ملاحظہ کیجئے۔

(۵۴) "منوسی" سے موازنہ کیجئے باب II صفحہ ۱۳، "او نگلن" صفحہ ۳۱۴ "ہندستان میں ابتدائی سفر" تالیف کردہ "فوسٹر" صفحہ ۱۸ "مانڈیلسلو" صفحہ ۸ دیکھئے۔

(۵۵) منوسی باب II صفحہ ۱۲۲ "او نگلن" صفحہ ۳۱۴۔

(۵۶) "تاریخ فیروز شاہی" از برنی بحوالہ JASB ۱۹۳۵ء باب I صفحہ ۲۷۵ دیکھئے۔

(۵۷) "تھیونات" باب III صفحہ ۳۶ مانڈیلسلو صفحہ ۱۳ او نگلن صفحہ ۳۱۴ دیکھئے۔

(۵۸) "فرشتہ" از برگس باب III صفحہ ۷۸ موازنہ کیجئے۔

(۵۹) "ہمایوں نامہ" سے موازنہ کیجئے متن اصل عبارت صفحہ ۷۲، ۹۰، ۹۳ ED V صفحہ ۷۶۔

(۶۰) مسلم پوشاک کے لیے کریری باب III صفحات ۲۵۴ موازنہ کیجئے "تھیونات" باب III صفحات ۳۷، ۳۸ "رد" اور "فرائر" صفحہ ۲۸۱ پی، ڈیلا ویل باب I صفحات ۴۴، ۴۶ "برنیر" صفحہ ۳۹ اڈی لیٹ صفحات ۸۰، ۸۱ موازنہ کیجئے "مشروع" وہ کپڑا ہے جس کو پہننے کی شریعت میں اجازت ہے یعنی ریشم اور سوت کی ملاوٹ سے تیار کردہ کپڑا پہنا جاتا تھا کیونکہ مسلمان کو شدید جنگی ضرورت کے علاوہ اور کسی حالت میں خالص ریشمی پوشاک نہیں پہننا چاہیے۔

(۶۱) "ہمایوں نامہ" از خواندامیر صفحہ ۱۴۱، ۴۲ بحوالہ JASB ۱۹۳۵ء باب I صفحہ ۲۷۵ موازنہ کیجئے۔

(۶۲) "تزک" باب I صفحہ ۳۸۴۔

(۶۳) "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۸۹ "تزک" باب I صفحات ۳۰۴، ۱۵ باب II صفحات ۱۰۲، اور ۲۰۲ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۶۳۴۔

(۶۴) شیعہ لوگوں کا مخصوص رنگ ہرا ہے۔ "فرشتہ" از برگ باب III صفحہ ۲۲۸ باب IV صفحہ ۱۱۶ موازنہ کیجئے

(۶۵) "منوسی" باب I صفحہ ۸۷ مانڈیلسلو صفحہ ۵۰۔

(۶۶) مراۃ سکندری ترجمہ صفحات ۱۲۵، ۲۵ موازنہ کیجئے۔

(٦٧) بہارستان باب II صفحہ ٥٨٩ "بادشاہ نامہ" متن اصل عبارت باب I حصہ II صفحہ ٢٧٣۔

(٦٨) "بہارستان" باب I صفحہ ١٣١ "برنیر" صفحہ ٣٠٣۔

(٦٩) ٹیورنیر باب I صفحہ ٢٩١ کیریری باب III صفحہ ٢٥٢۔

(٧٠) "مانڑیلسلو" صفحات ٥٠، ٦٣ "ترو اور فرائر صفحہ ٤٥٤ ٹیری" صفحات ٢٠٢، ٢٠٣ بھی موازنہ کیجئے۔

(٧١) "تزک" باب II صفحہ ١٤٨۔

(٧٢) "برنیر" صفحہ ٢٢٤۔

(٧٣) مسلمان لوگوں میں زیورات کے استعمال اور ان کے پہنے جانے والے زیورات کے لیے "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ٩٣ موازنہ کیجئے۔ برنیر صفحات ٢٢٣، ٢٢٤ ڈی لیٹ صفحہ ٨١ کیریری باب III صفحہ ٢٥٢ "تزک" باب I صفحہ ٣٧٥ باب II صفحات ٩٩، ١٠٠، ١٨٠ مانڑیلسلو صفحہ ٥٠ منوسی صفحات ٣٣٩، ٣٤٠۔

(٧٤) برنیر صفحہ ٢٢٤ مانڑیلسلو صفحہ ٦٣۔

(٧٥) "خافی خاں باب I صفحہ ٢٦٩ "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ٥١٠۔

(٧٦) مانڑیلسلو صفحہ ٦٣ "ٹیری" صفحات ١٢٥، ٢٤٧ "پی۔ ڈیلا۔ ویل" باب I صفحہ ٤٣۔ بدایونی از لو (Lowe) "باب II صفحات ٣٩٢، ٤٠٠، ٤١٩ ڈی لیٹ صفحہ ٨٠۔

(٧٧) "بدایونی از لو (Lowe) باب II صفحات ٢٨٦، ٣١٣ ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کالی داڑھیاں تاریکی جہنم ہیں۔ "آئین اکبری" جیریٹ باب III صفحہ ٢١٧ دیکھئے۔

(٧٨) "منوسی" کہتا ہے بہرحال داڑھی سے متعلقہ حکام کا ادھر ادھر پھیلنا دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ جب وہ بدنصیب لوگوں کو ان کی داڑھی پکڑ کر اپنے قبضہ میں کرتے تھے تاکہ داڑھی کو شریعت کے موافق بنانے کے لیے اس کی پیمائش کرنے کے بعد غیر شرعی زائد داڑھی کو تراش دیا جائے اور تراشیدہ موچھیں کردی جائیں تاکہ ہونٹ کھلے رہیں اسی طرح یہ

دیکھنا بھی عجیب لگتا تھا کہ فوجی لوگ اور دیگر متعلق اشخاص اپنی شالوں سے اپنے چہروں کو ڈھک لیتے تھے۔ جب وہ دور سے مذکورہ حاکم کو دیکھتے تھے کیونکہ انہیں کوئی نہ کوئی اندیشہ لاحق ہو جاتا تھا باب II صفحات ۷،۸۔

(۷۹) "سیر" موازنہ کیجئے ترجمہ III صفحہ ۲۲۵ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۴۲۲ "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۱۰۰ "بہارستان" باب I صفحہ ۲۱۶ باب II ۷۶، ۴، ۸۴، ۴، ۵۰۲، ۷۲۹، ۷۳۶۔

(۸۰) "تزک" باب I صفحات ۷۰، ۲، ۷۱، ۲

(۸۱) "مانڈیلسلو" صفحہ ۶۴ موازنہ کیجئے ابن بطوطہ اردو ترجمہ صفحہ ۲۰۶ "مانڈیلسلو" صفحہ ۲۸، "تزک" باب I صفحہ ۷۹، ۳ "بہارستان" باب II صفحہ ۴۵۴ منوسی باب II صفحہ ۱۷۷، رو اور فراز صفحہ ۱۸۱۔

(۸۲) ابن بطوطہ "اردو" ترجمہ صفحہ ۲۰۶ موازنہ کیجئے۔

(۸۳) "منوسی" باب II صفحہ ۴۵۳۔

☆☆☆

تیسرا باب

مسلمان اور ہندو

عام ملازمتوں میں:

مسلمانوں کی شہنشاہیت کے باوجود ہندستان مسلم غلبہ والا ملک کبھی نہیں ہوا۔ مسلمانوں کی حیثیت سمندر میں ایک قطرہ کی طرح تھی۔ برنیر کہتا ہے مغل اعظم ہندستان میں غیر ملکی ہے اور وہ اپنے آپ کو ایک مخالف ملک میں پاتا ہے یعنی ایک مسلمان مغل اور سیکڑوں غیر مسلم (یعنی ہندو) لیکن عام ملازمتوں میں یہ تناسب برعکس[1] تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اکبر نے "ہندستان ہندستانیوں کے لیے" کی حکمت عملی کا آغاز کیا۔ ملازمت کا دروازہ صلاحیت کے لیے کھلا تھا۔ ضمیر کی کامل آزادی عطا کی گئی۔ رواداری اور بھائی چارہ وقت کا تقاضا تھا۔ لیکن جیسا پچھلے باب میں مذکور ہو چکا ہے سرکاری ملازمت میں ہندو عنصر نے ۱۵ فیصد کی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ ہندوؤں کا اخلاقی اور ذہنی انحطاط اس کا سبب ہو سکتا ہے، جو صدیوں کی سیاسی محکومی کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوا۔ لہٰذا لائق لوگوں کی کمی اس کا انجام ہوا۔ یہ طریقۂ عمل کے آغاز کے باعث بھی ظہور پذیر ہوا۔ علاوہ ازیں زیادہ تر ہندو فارسی سے ناواقف تھے اور ان کا طبقہ امراء (ایرانیوں کے برعکس) علم سے بے بہرہ تھا۔ جہانگیر کے عہد سلطنت میں اس کار عمل محض بتدریج سبک رفتاری سے رونما ہوا اور آسانی سے نظر نہیں آیا۔ "ولیم ہاکنس" (۱۲۰۸-۱۳ء) راجپوت سپہ سالاروں کے برخاست کرنے

اور ان کی جگہ پر مسلمانوں کا تقرر کرنے پر جہانگیر کو مورد الزام قرار دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکن کا علاقہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا، جس کو اس کے والدؒ نے فتح کیا تھا۔ علاوہ ازیں شاہی ملازمت میں غیر ملکی عنصر اس وقت بڑھ گیا جب عنان سلطنت نور جہاں کے ہاتھوں میں آئی۔ دور مذکورہ راسخ العقیدہ لوگوں کی شدت تعصب کے رد عمل سے مخصوص کیا جاتا ہے۔ اس رد عمل کے باعث تنگ نظری، تعصب، کٹڑپن، عدم رواداری کا دائرہ عمل وسیع ہوا۔ بڑھتی ہوئی قدامت پسندی اور رد عمل کی ابتداء شاہجہاں کی تخت نشینی سے ہی ہوتی ہے۔ اپنی سلطنت کو خطرہ میں نہ ڈالنے میں اس نے کافی دانشمندانہ رویہ اختیار کیا۔ ہندستان کو حقیقی دار الاسلام بنانا اورنگ زیب کا محبوب خواب تھا۔ مگر غیر مسلموں کی حق تلفی اس کا مطمح نظر نہیں تھا، فاروقی کا بیان ہے کہ "ملازمت کے معاملہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین اورنگ زیب نے غیر جانب دارانہ حکمت عملی کی سختی سے تقلید کی۔ اورنگ زیب کے بارے میں اتنا بطور انصاف کہنا ہی چاہیے کہ وہ گمراہ لوگوں کو راہ نجات دکھانا اپنی ذات پر مذہب کا عائد کردہ لازمی فرض سمجھتا تھا۔ غیر مسلم لوگوں سے رواداری برتی جاتی تھی۔ تاکہ ملک کے مفاد کی خاطر ان سے کام لیا جاسکے۔ راجپوتوں کی شجاعت اور ان کی استقامت اور بوقت جنگ بجائے پیچھے ہٹ جانے کے مر جانے کے عزم کا تذکرہ کرتے ہوئے "برنیر" رائے زنی کرتا ہے"۔ تب کون حیرت کرے گا کہ مغل اعظم حالانکہ مسلمان تھے اور غیر مسلم لوگوں کے دشمن تھے۔ بایں ہمہ اپنی ملازمت میں راجاؤں سے بڑی خدمات لیتا تھا اور ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جاتا تھا جیسا کہ دیگر امراء کے ساتھ ہوا کرتا تھا اور اپنی فوجوں میں اہم عہدوں پر ان کا تقرر کیا کرتا تھا" لہٰذا اہم سیاسی ضرورت کے تحت ہندستان کے مغل شہنشاہ نے ہندؤوں کو اپنی ملازمت میں برقرار رکھا۔ وفاشعار ملازمت اور مطیع مزاج ان کے تحسین آفریں اوصاف تھے۔ دیگر ہندو ذاتوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے اعلیٰ ملازمتوں پر بالخصوص فوج میں راجپوتوں کا ہی تسلط تھا۔ ادنیٰ دیوانی ملازمتیں "پنجاب" سے دیئے ہوئے "کھتریوں" کے نصیب میں آئیں۔ علاوہ ازیں ان کی ادنیٰ ملازمتوں پر اگروال، بنیا، کائستھ اور دیگر لوگوں کو بھی مامور کیا گیا۔ مغل ملازمت میں راجپوتوں کا غلبہ سیاسی حکمت عملی کے باعث پیدا

ہوا۔ راجپوت ہندو معاشرہ کے عطر عطیر کی تسکین کرتے تھے۔ ان کی وفاشعاری اور اطاعت کا مطلب یہ تھا کہ عام طور سے ہندو آبادی نے مسلم حکومت کو تسلیم کر لیا۔ اورنگ زیب کے بعد مغل شہنشاہوں کے مغرور اور ضعیف العقل متاخرین ورثا اپنی ذاتی حفاظت کے لیے ہی متفکر و پریشان تھے۔ شاہی تخت پر محض کٹھ پتلی کی طرح سے بھی برقرار رہنے میں وہ مسرور تھے۔ اپنی خصوصی سرکاری حکمت عملی کا تعین کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہیں تھی۔ بایں ہمہ گزشتہ صدی کے رد عمل کے ثمرۂ آخریں کی حیثیت سے وہ عموماً وقت کے دھارے کے ساتھ بہہ گئے۔ اور ہندوؤں کے عام طور سے علیحدہ دور کھڑے رہنے سے ہی وہ تیزی سے زوال پذیر ہوئے۔

مسلم اور ہندو طبقہ الامراء کے مابین تعلقات:

مسلم اور ہندوؤں کے طبقہ الامراء کے مابین حسد و رقابت کی نوعیت مذہبا نہیں بلکہ شخصی نسبتاً زیادہ تھی۔ امراء کے تقریباً ہر کام میں ذاتی مفاد کا غلبہ تھا اور جب کبھی وہ آزادانہ طریقہ کار سے مہم میں مشغول ہوتے، ان کی ذاتی ترقی و توسیع ہی قوت محرک ہوتی تھی۔ آغاز سلطنت مغلیہ سے ہی ہندستان میں نمایاں علیحدگی موجود تھی۔ طبقہ امراء اور طبقہ عوام کے مابین ایک ناگزار خلیج تھی۔ معاشرے کے اعلیٰ طبقے کے لوگوں نے جو شاہی مسند سے گہرا رابطہ رکھتے تھے، سرکاری مفاد اور عوام الناس کی اصلاح و بہبودی کو کبھی اولیت کا درجہ نہیں دیا۔ مغلیہ مملکت کے تحت ہر صاحب اقتدار امیر اپنی جاگیر تمسکات ذاتی مفاد سے بھرپور زندگی بسر کرتا تھا۔ ان کے سب کارہائے نمایاں اور اکتسابات بلاشرکت غیرے انفرادانہ ہوتے تھے۔ شہنشاہ نے تمام طبقہ امراء کا وارث اپنی ذات واحد کو ہی قرار دیا اس نظام نے حسد اور رقابت کے جذبات کو تقویت دی۔ فضول خرچی، عیش پسندی اور انفرادی امتیاز کی خاطر دوڑ دھوپ نظام مذکورہ کا انجام ہوا۔ امراء اپنے ہمعصروں کو پامال کر کے شاہی مسند کی قربت حاصل کرنے کے لیے زندگی بھر کوشاں رہتے تھے۔ متاخرین مغل کے عہد میں ہر شئے زوال پذیر تھی۔ جب کہ مجموعی طور سے ہندستانی بے اصول اور خستہ حال تھے۔ لالچ

عدم ہمدردی بے وفائی احسان فراموشی، خود غرضی، غداری اور دغابازی کی فراوانی وسطوت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ بایں ہمہ یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ خیر خواہی اور معاشرتی تعلقات (رسم وراہ) کا قطعی فقدان تھا۔ سیاسی تنازعات کے بے آہنگ عناصر کے باوجود اور مذہبی مخاصمت کی تیزابی گلاوٹ کے باوصف صدیوں کے مسلسل تعلقات اور ایک مشترکہ زبان اور مشترکہ ثقافت کے فروغ سے دو ملتوں کی باہمی قربت کو اس قدر استقامت دیدی تھی کہ معاشرتی ربط واختلاط ناگزیر ہوگیا تھا۔ مسلم امراء، ہندو راجہ اور امراء نجی اور روزمرہ کی زندگی میں ان کے تیوہاروں اور رسومات میں آزادانہ ملاقات سے نوازتے تھے۔ شرکت[8] کرتے تھے۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے مابین تعلقات عامہ:

عدم رواداری اور مذہبی تعصب کی چند مثالوں کو چھوڑ کر ہمارے اس دور میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی تعلقات خوش گوار تھے۔ نیک نیتی، خلوص، باہمی محبت اور رواداری[9] کے اوصاف سے مختص تھے ہندستان میں مسلم حکمرانی کی ساری تاریخ سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ متاخرین مغلوں کے دورِ حکومت کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ فسادات عوامی پیمانے پر بالکل نہیں ہوئے جن کو سترہویں صدی[10] کے زبردست رد عمل سے وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر دونوں اقوام نے ایک دوسرے کو متاثر کیا اور مشترکہ تمدن کی سرزمین کی تخلیق ہوئی تصوف اور بھکتی کی تحریکات نے مذہبی عقائد کے اختلافات کو بڑی حد تک مٹادیا تھا۔ ادبی سرگرمیوں[11] اور نظام تعلیم کی بدولت ہندو طلباء اپنے مسلم ہم جماعت طلباء کے نزدیک بیٹھ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ لوگوں کے تمام طبقات کی معاشرتی مساوات، قانون کی یکجہتی اور رسم رواج کی یکسانیت نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی اتفاق کے فروغ میں امداد دیدی۔ طبقہ وسطٰی عام طور پر دستکار لوگوں، روشن خیال لوگوں اور محرروں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے آزادانہ رابطہ قائم رکھتے تھے۔ ان کا پیشہ اتحاد کے لیے سیمنٹ کی قوت کا کام کرتا تھا۔ جاگیر دار امراء کے ہاتھوں دونوں کو تکلیف پہنچی معاشرتی واقتصادی عناصر نے مذہبی تلخی کو ختم کردیا تھا۔ مذہبی جنون کے سخت گیر اصولوں سے وہ لوگ دور

بھاگتے تھے۔ دیوتاؤں سے بہت دور جوان کی روز مرّہ کی روزی میں بغیر راحت پہنچائے ہوئے ان کی مصیبتوں کو شدید کر دیتے تھے۔ چاندنی راتوں میں انہوں نے ساتھ ساتھ تصوف کی شاعری کے ذوق کو فروغ دیا۔ ہندو مسلم عوام بالکل ناقابل امتیاز تھے۔ بایں ہمہ اسلام سے مشرف ہونے والے ہندوؤں نے مادّی اعتبار سے اپنا نظریہ تبدیل نہیں کیا تھا اور اپنے گزشتہ معاشرتی اور مذہبی طور طریقہ سے زیادہ وابستہ تھے وہ ان کی عام مصیبتوں میں شریک ہوتے تھے ہمیں حوالے ملتے ہیں۔ جب مسلم لوگ ہندوؤں کے تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی (جشن چراغاں) اور دسہرہ میں شرکت کرتے تھے اور ہندو لوگ مسلم تیوہاروں کو مناتے تھے۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

تیسرا باب

(۱) فاروقی ملاحظہ کیجئے۔ "اورنگ زیب اور اس کا دور" صفحہ ۵٦۸ ایس ایم جعفر مغلیہ سلطنت صفحہ ۱۱۴۔

(۲) ۴۱۵ کے میزان میں سے واقعی ۵۱ ہندو منصب دار تھے لہٰذا تعداد ۱۵ فی صدی سے بھی کم تھی "آئین اکبری" (بلوچمن) باب I صفحہ ۵۲۸۔

(۳) ہندستان میں ابتدائی سفر (۱٦۱۹......۱۵۸۳ء)

(۴) تالیف کردہ "ولیم فوسٹر" صفحات ۱۰۷،۱۰٦ او پی۔ ڈیلا۔ ویل صفحہ ۵۴ ملاحظہ کیجئے۔

(۵) اوگلٹن کہتا ہے کہ کسی بڑے اعتماد کے عہدہ پر تقرر کی غرض سے بہت کم غیر مسلموں کو مدعو کیا جاتا تھا۔ ان کو متعدد دستکاری کے پیشوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے بلایا جاتا تھا یا تجارت کرنے کی غرض سے ان کو طلب کیا جاتا تھا۔ صفحات ۲۳۴، ۲۳۳ دیکھئے۔

(٦) فاروقی اورنگ زیب اور اس کا دور صفحہ ۲۰۱ ملاحظہ کیجئے۔

(۷) مغلیہ سلطنت کو محکم بنانے کے ضمن میں ہندوؤں کی انجام کردہ خدمات کی امثال کا فقدان نہیں ہے۔ جب شاہجہاں تخت طاؤس پر جلوہ فگن ہوا تو اس نے اپنی تلوار ایک ہندو کے سپرد کی (مہیش داس جو دلپت راٹھور کا بیٹا تھا) "بادشاہ نامہ" متن باب II صفحہ ٦۳۵ ملاحظہ کیجئے۔

(۸) "بھیم سین" "عہد اورنگ زیب" کا ہندو مورخ تذکرہ کرتا ہے کہ ہولی کے تیوہار (ہندوؤں جشن بہاراں) بہا بر خاں (خاں جہاں کو تلتش) روز انہ راجہ سبن سنگھ رائے

سنگھ راٹھور، راجہ انوپ سنگھ اور مکھم سنگھ چندر دت کے مکانات پر جاتے تھے اور تیوہاروں کو مناتے ہوئے دیکھتے تھے اور خاں کے بیٹے "میر احسن" اور "میر محسن" خود راجپوتوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے (نسخہ دل خوش صفحہ ٦۴ دیکھئے۔) اورنگ زیب کے عہد کے اخبارات سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہندو حکام مسلم حکام کو روزہ افطار کرنے کے لیے اپنے گھروں پر مدعو کیا کرتے تھے۔

(۹) "برنیر" باب I صفحہ ۷۰،۷۱ دیکھئے۔

(۱۰) "مشاعرے" یا شاعرانہ محفلیں ایک اہم ادارہ کی حیثیت رکھتی تھیں مسلمانوں نے مشاعروں کو مقبول عام کیا مغلیہ دور میں مشاعروں کا اکثر اوقات انعقاد ہوا کرتا تھا فروغ شاعری کا مشاعرہ ایک نہایت بیش بہا وسیلہ ہو گیا تھا بایں ہمہ اس کی ایک عظیم ثقافتی قدر و قیمت بھی تھی اور اخلاقی تاثیر بھی۔ حالانکہ اس ادارہ کو وہ دستور و رواج کی مقبولیت نصیب نہیں ہے جو اس کو زمانہ ماضی میں حاصل تھی۔ "سر عبدالقادر" کے قول کے مطابق مشاعرہ اب بھی خاصہ مقبول ہے اور مختلف طبقات اور ملتوں کے لوگوں کو متحد کر دیتا ہے اور ایک مشترکہ ادب کی تحسین آفریں کرنے میں وقتی طور سے لوگ اپنے خیالات کو فراموش کر دیتے ہیں "ہندستان میں اسلام کا ثقافتی اثر" JRAS مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۳٦ء۔ ادارہ کی اصل فغانی کے زمانہ سے جا ملتی ہے (۹۲۵ ہجری میں انتقال ہوا) "شعر العجم" باب III صفحات ۱۹،۲۸ دیکھئے۔

(۱۱) "تھیونات" جس نے ذاتی طور پر گولکنڈہ میں محرم کا تیوہار دیکھا تھا تذکرہ کرتا ہے کہ غیر مسلم بھی اس تیوہار کو مناتے ہیں اور اس قدر خود نمائی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ "مورس" سے بھی سبقت لے جاتے ہیں (باب III صفحہ ۱۰٦ دیکھئے۔ اکبر کے عہد میں دیوالی اور دسہرہ کو سرکاری تیوہاروں کی حیثیت سے منایا جاتا تھا (اکبر نامہ از بیورج باب III صفحات ۹۵۸،۱۲۴۵ "تزک" باب II صفحات ۱۰،۱۱ بھی ملاحظہ کیجئے۔

☆☆☆

چوتھا باب

جشن اور رسومات

جشن اور تیوہار:

اسلام ایک نہایت محتاط مذہب ہے۔ اس میں غالباً سب سے کم مذہبی تیوہار ہیں برخلاف اس کے ہندو مذہب دوسری انتہا پسندی پر ہے لیکن انسان احتیاط پسندی سے فرار حاصل کرنے کی اپنی ایک تدبیر اختیار کرلیتا ہے اور جشن کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ مسلم لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ در پیش آیا۔ بالخصوص ایران اور ہندستان میں۔ حالانکہ اسلام نے اپنے پیروؤں پر صرف کچھ ہی جشن لازم قرار دیئے ہیں۔ جن کو نہایت سنجیدگی کے ساتھ منانا چاہیے۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگیا اور قدیم رسومات میں تغیرات پیدا ہوگئے۔ ہمارے زمانہ میں متعدد تیوہار منائے جانے لگے۔ کچھ تیوہار تو بڑی خوشی کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور دیگر تیوہار سنجیدہ یادوں سے وابستہ ہیں اور المناک بھی ہیں۔

(جشن ایثار) عید الاضحیٰ یا عید قرباں:

عید الاضحیٰ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہجری سال کے بارہویں مہینہ میں منائی جاتی ہے اور مسلمانوں کا اہم ترین تیوہار ہے۔ ہندستان میں اس کو مکہ کے قریب "منا" کی وادی میں حاجیوں کی پیش کردہ قربانی کا بدل سمجھا جاتا ہے حاجی لوگ قربانی کے ذریعہ حضرت "ابراہیم" کی اپنے بیٹے حضرت "اسمٰعیل" کو حکم خدا کی تعمیل میں قربان کردینے کی تیاری کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ دسویں تاریخ کو صبح کے وقت مسلم لوگ غسل کرتے ہیں کپڑے

پہنتے ہیں اور عید گاہ جاتے ہیں۔ یعنی عید کی نماز ادا کرنے کی جگہ جو عام طور سے شہر یا گاؤں سے باہر کھلے مقام میں واقع ہوتی ہے جہاں وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں اپنے گھروں سے نکلنے پر راستے بھر تکبیر پڑھتے ہوئے چلتے ہیں۔ عید گاہ سے اپنے گھروں پر واپس آجانے کے بعد قربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے "شاہجہاں" اس ضمن میں خصوصی توجہ رکھتا تھا اور ہر سال جانوروں کو قربان کیا کرتا تھا اورنگ زیب کے زمانہ میں قاضی اپنے پیچھے ایک غلام کو کھڑا کر کے اپنے ہاتھوں میں تلوار کھینچ کر شہنشاہ کا استقبال کرتا تھا اور اس کے مورث اعلیٰ کے نام لیتا تھا۔ اختتام قصیدہ پر ہوتا تھا اور حکمران وقت کے حق میں دعا کی جاتی تھی۔ اس موقع پر قاضی کو بطور انعام کپڑے کے ساتھ ٹکڑوں کی تیار کردہ ایک بیش بہا خلوت عطا کیا جاتا تھا۔ اس اجتماع میں مسجد سے ہٹ کر سیڑھیوں پر اونٹ قربانی کے لیے تیار کھڑا رہتا تھا۔ شہنشاہ اپنے گھوڑے پر چڑھ کر اپنے نیزہ کو اونٹ کی گردن میں پیوست کر دیتا تھا یا اپنے بیٹوں میں سے ایک کو اس فرض کی ادائیگی کا حکم دیتا تھا۔ جب اس کا بیٹا "شاہ عالم" دربار میں موجود ہوتا تھا تو عام طور سے وہ ہی اس کام کو انجام دیتا تھا۔ اس کے بعد غلام اونٹ کو زمین پر پسار دیتے تھے اور اس کا گوشت آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ گویا یہ دلیوں اور بزرگوں کے تبرکات ہوں۔

عید الفطر:

رمضان شریف کے سارے مہینہ کے طویل روزوں کا افطار کا تیوہار شوال کی پہلی تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ امتیازی خاصہ کے اعتبار سے یہ تیوہار مذہبی ہے اور اول الذکر سے مختلف خالص اسلامی تیوہار ہے۔ جس کو پیغمبر اسلام نے ہجرت کے دوسرے سال میں شروع کیا تھا۔ رمضان شریف کی کشاکش کے بعد ہلال عید کا ظہور ہی ایک حقیقی راحت واضح مسرت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اس تیوہار کو منانے کا طریقہ تقریباً عید الاضحیٰ جیسا ہی ہے بجز خصوصی فرق کے ساتھ کہ قربانی کی جگہ فراخ دلی سے خیرات وزکوٰۃ اور صدقات دیئے جاتے ہیں اسی لحاظ سے اس تیوہار کو عید الصدقہ (صدقات کا تیوہار) بھی کہا جاتا ہے۔ بقر عید کی مذہبی

اہمیت عید رمضان کے بہ نسبت زیادہ ہے لیکن آخر الذکر تیوہار کو زیادہ شان و شوکت دھوم دھام اور جوش و خروش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ اس روز مسلمان اپنے دوستوں، بزرگوں اور اعلیٰ مرتبہ کے لوگوں کے پاس جاتے ہیں اور ماتحت لوگوں سے ملاقات کی جاتی ہے "عہد اورنگ زیب" میں اس تیوہار کو بڑے کروفر اور جشن کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ آتش بازی اور دعوتیں[؎] عید کے بعد دو دن تک جاری رہتی تھیں حالانکہ اسلام نے موسیقی ورقص کو ممنوع قرار دیا ہے لیکن ان کو بھی تیوہار کے دن[؎] لوازمات کی حیثیت حاصل تھی۔ رومن کیتھولک کے لینٹ تیوہار کے برخلاف عید میں خوشی و خرمی کرنا اور بے انتہا عیش و عشرت اور رنگ رلیاں تزکیہ نفس کے بعد ہوتی ہیں اور پہلے نہیں آتی ہیں۔

محرم:

محرم کے لغوی معنی ممنوع شئے کے ہیں اور اسی لیے کوئی بھی مقدس چیز اس مفہوم میں مشتمل ہے۔ محرم سے ہی سال شروع[؎] ہوتا ہے لیکن "کربلا" کے المیہ نے اس کو سب مسلمانوں کے لیے بالخصوص شیعوں کے لیے ماہ الیہ میں تبدیل کر دیا ہے۔ اب کربلا[؎] کے مقام پر حضرت حسینؓ کی شہادت کی سالانہ یادگار کی حیثیت سے محرم منایا جاتا ہے۔ سنی حضرات رسومات سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ بجز غیر مہذب قسم کی رسومات کے وہ اس کو شرک بدعت سمجھتے ہیں۔ محرم کے ابتدائی دس دن تقدس و طہارت کے کاموں میں صرف کرتے ہیں "ٹیورنیر" ہم کو مطلع کرتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے عہد میں[؎] محرم تیوہار کا منانا ممنوع قرار دے کر اس پر قانونی پابندی لگا دی تھی۔ ہمارے دور میں محرم کے چاند کے ابتدائی ظہور کا بڑی خوشی سے استقبال کرتے تھے اور خوش[؎] آئند سال کی باہمی مبارک باد دیتے تھے۔ دوران محرم شیعہ سنی احساسات شدت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سنی کا سوال ہی نہیں تھا اور حضرت حسین[؎] کے قاتل کی حیثیت سے ہندوؤں کو شکار بنایا گیا تھا۔ علاوہ ازیں محرم کے جوشیلے لوگوں کے مختلف گروہوں کے درمیان ایک عام تناؤ پیدا ہو جاتا تھا۔ اگر دو گروہ اپنے تعزیئے لیے ہوئے مل جاتے ہیں اور ایک گروہ

دوسرے کو جگہ نہیں دیتا ہے، تب اگر دونوں کا برابر کا مقابلہ ہے تو وہ ایک دوسرے کو قتل کر سکتے ہیں گویا وہ کھلی جنگ کے حریف ہیں۔ تعزیوں کے رائج کرنے کو تیمور سے وابستہ کرنے میں خواہ کچھ بھی صداقت ہو (یا کربلا کے شہداء نقلی مقبروں کا رواج) یہ تذکرہ دلچسپ ہے کہ محرم منانے کا طریقہ ہمارے دور میں اس سے زیادہ مختلف نہیں تھا جواب ہوتا ہے۔ "مونسریٹ" کہتا ہے کہ محرم کے دوران نو دن تک روزہ رکھتے ہیں صرف دال کھاتے ہیں۔ ان دنوں میں سے کچھ حضرات منبر پر چڑھ کر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کی داستان آلام و آفات باواز بلند بیان کرتے ہیں اور ان کے الفاظ پر سارے مجمع پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور سوگواری و اشکباری ہونے لگتی ہے۔ تیوہار کے آخری دن الاؤ بنائے جاتے ہیں اور یکے بعد دیگرے الاؤ تیار کئے جاتے ہیں۔ لوگ ان الاؤ میں کودتے ہیں اور بعدہ دہکتے ہوئے انگاروں کو اپنے پیروں سے منتشر کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں وہ ناشایستہ چیخوں کے ساتھ "حسن حسین" چلا چلا کر کہتے ہیں۔ "مانڈیلسلو" جس نے آگرہ میں محرم دیکھا تھا تذکرہ کرتا ہے "شہر میں تابوت، کمانوں اور تیروں پگڑیوں، نیمچوں اور ریشمی ملبوسات سے ڈھکے ہوتے ہیں۔ لوگ آہ و فغاں اور ماتم کرتے ہوئے ان تابوتوں کو اپنے ہمراہ لے جلتے ہیں۔ اس رسم پر کچھ لوگ رقص کرتے ہیں دیگر لوگ اپنی تلواروں کا ایک دوسرے پر وار کرتے ہیں یہ ہی نہیں بلکہ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو خود کو کاٹ کر خونچکا کر لیتے ہیں۔ اس طرح ان کے جسم میں متعدد مقامات سے خون نکلنے لگتا ہے۔ جس پر وہ اپنے کپڑوں کو رگڑتے ہیں اور اس طریقہ سے ایک نہایت عجیب و غریب جلوس کی نمائندگی کرتے ہیں۔ رات میں ان بزرگوں کے قاتلوں کی شکلوں کو ظاہر کرنے کی غرض سے آدمیوں کی متعدد شکلیں گھاس پھوس سے بنائی جاتی ہیں اور ان پر بے شمار تیروں کی مار کرنے کے بعد ان کو نذر آتش کر دیا جاتا ہے اور یہ پتلے جلا کر خاک کر دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس اس یقین کی وجہ ہے کہ ہندستان میں محرم تیوہار نے اپنی کچھ خصوصیات کو ہندوؤں کے رام لیلا سے ماخوذ کر لیا جو راون کے مجسمہ کو جلاتے ہیں مثلاً تعزیوں کا دفن کرنا اور مجسموں پر نقلی حملے کرنا۔

شب برات یا لیلتہ البرات:

شب تحریر شب برات کا تیوہار آٹھویں مہینے یعنی شعبان کی چودھویں رات کو منایا جاتا ہے۔ اس تیوہار کو شب تحریر[18] کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اس رات میں آئندہ سال کے لیے فانی انسانوں کی زندگی اور تقدیر کا تعین اور اندراج دفتر[19] الہٰی میں کیا جاتا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو ساری شب، بیداری کی تاکید کی ہے۔ جس میں خصوصی نوافل ادا کئے جائیں، قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، اور دیگر طریقہ عبادت اختیار کئے جائیں جن پر دینی ملت سختی سے استقامت و استحکام رکھتی ہے بہر حال حقیقی بات یہ ہے کہ اس وقت امتیازی خوشی و خرمی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ آتش بازی کا بے شمار استعمال مکانات اور مساجد میں چراغاں اس مقبول تیوہار کے منانے کی نمایاں[20] خصوصیات ہیں۔ لہٰذا شب برات کو اسلامی "یوم گئی فاکیس" کی حیثیت سے بیان کرنا موزوں ہے حالانکہ اس کے متعلق متوازی انگریزی تیوہار سے قطعی طور سے مختلف ہے۔ "سلطان فیروز شاہ" شب برات کے تیوہار کو چار دن تک منایا کرتا تھا۔ شب برات کی آمد پر وہ آتش بازی کے انبار لگا دیتا تھا اور پٹاخوں کے ڈھیر کر دیا کرتا تھا۔ آتش بازی کے سامان کے چار بڑے بڑے ڈھیر سلطان کے لیے محفوظ رکھے جاتے تھے۔ ایک بھائی "باربک" کو دے دیا جاتا تھا۔ ایک "ملک علی" کو ملتا تھا اور ایک دوسرا ڈھیر ملک یعقوب کو دے دیا جاتا تھا۔ ان اشیاء آتش بازی کا کچھ تخیل اس حقیقت سے قائم کیا جا سکتا ہے کہ صرف پٹاخوں کا تیس گدھے بوجھ اکٹھا کیا جاتا تھا۔ شعبان کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں راتوں میں متواتر مسلسل یہ آتش بازی چھڑائی جاتی تھی۔ جیسا کہ راوی بیان کرتا ہے۔ چراغاں کا یہ اثر تھا کہ اس نے راتوں میں روز روشن کا روپ دے دیا تھا۔ آتش بازی سے بھرے تین بڑے بڑے طشت موسیقاروں کے ہمراہ لائے جاتے تھے اور اس آتشی بازی کو لوگوں کے اس مجمع میں تقسیم کر دیا جاتا تھا جو فیروز آباد میں اس منظر کو دیکھنے کی غرض سے اکٹھا ہو جاتے تھے پندرہ شعبان کی رات میں خیرات خانوں میں اور دیگر خیراتی[21] اداروں میں تحفے تحائف بھیجے جاتے تھے۔ خواص خاں سپہ سالار

عادل خاں ابن کلاں شیر خاں جب اسلام شاہ کے خلاف مہم پر گیا تو اس نے ساری رات عبادت کرنے میں گزار دی تھی۔ پٹھان لوگوں نے دن کی غداری سے شرمندہ ہونے کے باعث اپنے متقی و مقدس سپہ سالار کی مصروفیت اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھایا اور دشمن کے لشکر میں چھوڑ کر چلے گئے اپنی ساری عبادتوں کے ہوتے ہوئے بھی خواص خاں کو جنگ میں شکست ہوئی اور بچارے عادل خاں کا سر قلم ہوا۔[43] اس موقعہ پر جہانگیر بہت آگے بڑھ گیا وہ لبریز جام اور دور ے نوشی[44] کے ساتھ اس جشن کو منایا کرتا تھا۔ شاہجہاں زیادہ مذہبی ذہن کے باعث اس تیوہار کی رات بیداری اور عبادت کرنے میں صرف کرتا تھا۔

پیغمبر اسلام کا سالانہ جشن ولادت:

حالانکہ خیالات میں اختلاف ہے بایں ہمہ عقیدہ ہے کہ تیسرے مہینے ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو پیغمبر صاحب کی ولادت ہوئی تھی اور اسی دن آپ کی وفات ہوئی تھی لہٰذا اس مہینے کے ابتدائی بارہ دن تک کچھ لوگ مولود یا میلاد شریف بالفاظ دیگر پیغمبر اعظم کی ولادت شریف کا جشن مناتے ہیں اور دیگر مسلم اس کو بطور عرس مناتے ہیں یا اعلیٰ ترین وارفع ترین روح کا خدا تعالیٰ[45] کی ذات سے واصل ہو جانے کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ لہٰذا خوشی و غم کے امتزاجی احساسات اس جشن کے منانے کی امتیازی خصوصیت تھیں "گجرات میں سلطان مظفر نے ولادت پیغمبر اسلام کے جشن منانے کی رسم کا آغاز کیا۔ ان دنوں پیغمبر صاحب کے نام پر پکے ہوئے کھانے اور مٹھائیاں خیرات کیا کرتا تھا اور علماء کی دعوت طعام کیا کرتا تھا۔ وہ خود ان کے سامنے دستر خوان لگایا کرتا تھا اور جب وہ کھانے سے فارغ ہو جاتے تھے تو اس کو یہ بات پسند تھی کہ ہاتھ دھوتے وقت ایک ادنی خادم ان کے ہاتھوں[46] پر پانی ڈالے۔ گجرات کا سلطان محمود دوئم (۱۵۳۶ء تا ۱۵۵۴ء) ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے بارہویں تک ولادت پیغمبر کو باقاعدہ مناتا تھا۔ جب کہ سب علماء شیوخ اور اہل علم دربار میں حاضر ہوتے تھے (اور قدیم رسم و روایات کی مشق کرتے تھے) بارہویں دن سلطان شریف مکہ کا رول ادا کرتا تھا اور ایسے موقع پر اس اجتماع میں ایک شاہی فرمان جاری

کیا جاتا تھا کہ تمام حاضرین کی شاہی دعوت میں خاطر داری کی جائے "اکبر" ہر سال ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو ایک مجلس عرس کا انعقاد کیا کرتا تھا اور ایک دعوت عامہ میں لوگوں کی خاطر داری کی جاتی تھی شاہجہاں کے عہد میں بارہویں ربیع الاول کی رات میں ایک مجلس میلاد منعقد کی جاتی تھی۔ علماء حفاظ قرآن (وہ لوگ جو سارے قرآن شریف کو حفظ کر لیتے ہیں) اپنا وقت تلاوت قرآن شریف اور پیغمبر صاحب کے اوصاف، اخلاق اور کارناموں کے بیان کرنے میں صرف کرتے تھے۔ شاہجہاں پیغمبر صاحب کے احترام و تعظیم کے باعث علماء کے ساتھ زمین پر بیٹھا کرتا تھا۔ مجلس میلاد شریف کے اختتام پر اجتماع میں حاضرین کو حسب مراتب خلعت فاخرہ عطا کیا جاتا تھا اور طشت بھر مٹھایاں سب میں تقسیم کی جاتی تھیں۔

نوروز:

مقبول عام ایرانی جشن بہاراں تمام بڑے شہروں اور صوبائی راجدھانیوں میں منایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب نے اپنے عہد کے آغاز میں ہی نمایاں طور پر اپنے مذہبی احساسات و جذبات کے باعث اس جشن بہاراں کو منسوخ کر دیا۔ اس نے اس کی جگہ ایک دوسرے شاہی جشن کا آغاز کیا جو رمضان شریف کے مہینے میں شروع ہوتا تھا اور عیدالفطر تک جاری رہتا تھا اور اس لحاظ سے اس کو نشاط افروز جشن کہا جاتا تھا۔ وہ جشن جو شاہی دعوت کی شان و شوکت کو ارفع و اعلیٰ کر دیتا ہے "جہانگیر" ایک اور ایرانی تیوہار منانے کا تذکرہ کرتا ہے "آب پاشاں یا گلابی پاشاں" جو تیرہویں ٹیر (Tir) کے موقع پر منایا جاتا ہے۔ یہ تیوہار اس تاریخ کی اس بارش کی یادگار میں منایا جاتا ہے جس نے ایک قحط کا خاتمہ کر دیا تھا لوگ ایک دوسرے پر گلاب چھڑک کر لطف اندوز ہوتے ہیں غالباً یہ ایک اضافی ہولی تھی جو مسرور و مستغنی شہنشاہ اور اس کے درباریوں کو لطف اندوز کرتی تھی۔ تقریباً ہر مہینے کے ظہور ہلال کا استقبال جشن عامہ سے کیا جاتا تھا۔ جب سارے کینہ و بغض و عداوت کو برطرف کر کے مورس (یعنی مسلم) ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں اور چاند کو

دیکھ کر خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ ہندو قیں چھڑا کر شہنائیاں بجا کر، دعوتیں کر کے نہایت پرہیز گارانہ اور مخلصانہ عبادت کر کے جشن مسرت مناتے ہیں۔ سورج گرہن یا چاند گرہن کو عظیم منور اجسام فلکی کے حق میں ساعت بحران تصور کیا جاتا تھا بہ آواز بلند گرہن کی آمد کا اعلان کیا جاتا تھا۔ مسلمان عام طور سے بذات خود عبادت اور روزہ میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ گرہن ختم[22] ہو جاتا تھا ایسے موقع پر ہندوؤں کے نہانے کے تیوہار کی تقلید میں غالباً ایک اختراع یا جدت تھی۔ تیوہار "خواجہ خضر" بھی منایا جاتا تھا۔[23] یہ تیوہار خضری کے نام سے بھی مقبول عام تھا۔ علاوہ ازیں کچھ شہرت یافتہ پیروں اور ولیوں کے سالانہ عرس کے باعث عظیم الشان اجتماع ہو جاتا تھا۔ جن کے بارے میں آگے چل کر اور زیادہ تذکرہ کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بادشاہوں کی تاجپوشی کی رسومات اور یوم ولادت منانے کے اوقات دیگر جشن کے مواقع ہوتے تھے۔[24]

رواج ورسومات:

دور زیر تبصرہ مسلم آبادی کے سب طبقات میں رواج ورسومات نہ تو یکساں تھے اور نہ لازمی تھے۔ مقامات اور مخصوص خاندانی خیالات ان کے مذہبی احساسات و جذبات اور معاشرتی مرتبت کے مطابق رواج ورسومات کی تفصیلات میں تنوع واختلاف ہوتا تھا۔ بہر حال ایک خاندان میں بچہ کی پیدائش نہایت اہم واقعہ ہوتا تھا۔ اگر پیدائش لڑکے کی ہوتی تھی تو خوشیوں کی حد[25] نہ ہوتی تھی۔ اگر کسی بڑے آدمی کے گھر میں لڑکا پیدا ہوتا تو جشن اور دعوتوں کا سلسلہ عرصہ طویل تک رہتا۔ موسیقی اور سازوں کی جھنکار بہت ہوتی تھی[26] اور نوزائیدہ بچہ کی پیدائش پر مبارک بادی دینے کے لیے رشتہ داروں کا اجتماع ہوتا تھا۔ جب مرزا محسن کے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی "بہارستان غیبی" کے مصنف نے لکھا "دوستوں اور شاہی حکام کے لیے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے خوش خبری کی شہنائی بجائی گئی۔ بڑی مسرتوں کا دور چلا لذیذ کھانے تیار کیے گئے اور تمام لوگوں کو کھانا کھلایا گیا۔ سب لوگوں پر زعفران بکھیر دیا گیا اور عطر گلاب چھڑکا گیا۔[27] نوزائیدہ بچہ کے کان میں اذان دی جاتی

تھی بعد، بچہ کا نام رکھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کا عام طور سے ایک ہی نام رکھا جاتا ہے۔ اگر ایک مخصوص مقام پر ایک نام کے کئی اشخاص ہوتے ہیں تو امتیاز کی غرض سے ان کے ناموں کے ساتھ ان کے والد کے نام یا دوسرے القاب کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ بچہ کی پیدائش کے چھ دن بعد آخری جشن ہوتا ہے۔ یہ رات بھر رہتا ہے۔ بڑا چراغاں ہوتا ہے۔ موسیقی اور رقص جاری رہتا ہے اور آتش بازی چھڑائی جاتی ہے۔ غسل ناپاکی کی رسم ادائیگی کے بعد عقیقہ یا قربانی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ رسم آغاز بسم اللہ خوانی، اللہ تعالیٰ کا نام لینا، جس کو مکتب بھی کہا جاتا ہے یا بچہ کی تعلیم کے آغاز کی رسم جب بچہ کی عمر چار سال چار مہینے چار دن ہو جاتی تھی تو مبارک بادی اور دعاؤں کی بوچھار میں رسم مکتب کی ادائیگی کی جاتی تھی۔ سات اور بارہ یا چودہ سال کی عمر میں ختنہ یا سنت کی رسم کی ادائیگی ہوتی ہے۔ لیکن پیدائش کے ساتویں دن اس رسم کی ادائیگی شرعی ہے۔ کبھی کبھی لڑکوں کے ختنہ بسم اللہ خوانی کی رسم سے پہلے ہی ہو جاتے تھے جیسا کہ مغل شہزادوں کے، ضمن میں ہوا۔ اکبر نے بارہ سال کی عمر سے پہلے ختنہ کی رسم کرنے پر ممانعت عائد کر دی تھی اس کے بعد لڑکے کو اختیار تھا "فرائر" کہتا ہے وہ لڑکے کی سنت کی آگے والی کھال نائی کے توسط سے کٹوا دیتے ہیں۔ آٹھ سال کی عمر میں یہ ختنہ کی رسم جشن کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ لڑکے کو بڑی دھوم دھام، موسیقی اور مسرت کے اظہار کے ساتھ لے جایا جاتا ہے دیگر رسومات بھی ہوا کرتی تھیں، جو مختلف نسلوں، طبقوں اور ذاتوں سے مخصوص ہوتی تھیں۔ شادی اگلی آخری تقریب کا موضوع ہوتا ہے شادی کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی تھی۔ اگرچہ عام طور سے مسلمان جلدی سے جلدی شادی کرنے کی موافقت کرتے تھے۔ کم عمر کی لڑکیوں کی شادی کافی عمر کے لوگوں کے ساتھ کر دی جاتی تھیں۔ شادی کرنا خاص طور سے ایک خاندانی معاملہ ہوتا تھا۔ شادی کے سلسلہ میں لڑکے یا لڑکی کو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی تھی۔ باضابطہ شرعی قاعدہ کے موافق شادی سے پہلے لڑکوں کو لڑکیاں دیکھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ شادی کی رسومات کی تفصیلات اس قدر مختلف اور مخلوط ہیں کہ بھرپور بیان ممکن نہیں ہے۔ اکبر کا شادیوں سے متعلق قانون معاشرہ میں جڑ پکڑتا ہوا معلوم نہیں

ہوتا۔اسی وجہ سے عام طور پر اس قانون کو نظر انداز کر دیا جاتا تھابطور خلاصہ خصوصی امور شادی کی گفت وشنید خاندان کے بزرگوں کے توسط سے فریقین کے مابین ہوتی تھیں۔یا دیگر لوگ اس فریضہ کوانجام دیدیا کرتے تھے (عموماًاس کام کو خواجہ سرایا قوال[51] انجام دیا کرتے تھے)رسم منگنی نتیجہ کے طور پر منائی جاتی تھی،جس کو سگائی (رسم نامزد) بھی کہتے تھے۔جب شہزادہ خرم (بعد کو شاہجہاں) کی منگنی آصف خاں کی دختر نیک اختر ارجمند بانو بیگم کے ساتھ قرار پائی تھی،تو جہانگیر نے خود اپنے ہاتھوں سے (اپنے بیٹے کی ہونے والی دلہن) ہونے والی بہو کو انگوٹھی پہنائی تھی اور اسی موقع کے رسومات کو بڑی ''دھوم دھام[52]'' کے ساتھ منایا گیا۔دلہن[53] کے اہل خاندان کی طرف سے شادی کی تجویز کو منظور کرنے کی نشانی کے طور پر عام طور سے پان تقسیم کئے جاتے تھے۔دولہا کی طرف سے شادی کا پہلا تحفہ مناسب رسومات کے ساتھ دلہن کے گھر بھیجا جاتا تھا۔عام طور پر موسیقی[54] بھی ہمراہ ہوتی تھی۔حنایا مہندی دیگر تحائف اور مروجہ چیزوں کے ساتھ دولہا کے پاس لائی جاتی تھیں اور حنابندی کی رسم منائی جاتی تھی اور پردہ نشین خواتین[55] دولہا کے ہاتھ اور پیروں کو حنا لگا کر لال کر دیا کرتی تھیں۔شادی کے دن عمدہ لباس پہنے ہوئے سر پر سہرا سہرا[56] باندھے ہوئے جو سینہ پر لٹکا رہتا تھا۔گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر دلہن کے گھر جاتا تھااس کے ہمراہ رشتہ دار اور دوست ہوتے تھے ہر ایک طرف رنگین کاغذ[57] کی چھڑیاں لیے ہوئے دونو کر لڑکے چلتے تھے۔اس کے آگے آتش بازی ہوتی تھی اور موسیقی جاری رہتی تھی۔اس طرح مقامی علاقہ کی خاص خاص سڑکوں پر سے گزرتی ہوئی بارات دلہن کے گھر پہنچ جاتی تھی وہاں جاکر قاضی یا ملا نکاح (عقد) پڑھاتا تھا۔ قاضی کے رجسٹر[58] میں شادی کا اندراج کیا جاتا تھا۔رائج الوقت دستور کے مطابق کافی حیرت کی بات تھی کہ نکاح[59] کے وقت دلہن کے والد صاحب موجود نہیں ہوتے تھے کیونکہ مسلم شادی لازمی طور پر فریقین کے مابین ایک معاہدہ ہے۔لہٰذا مہر کی ادائیگی پر رضامندی ہوتی تھی جس وقت بھی اس کی مانگ کی جائے یا منکوحہ بیوی کو طلاق دی جائے نکاح کی تکمیل سے پہلے دلہن کی رضامندی بھی ضروری امر ہوتا تھا۔دلہن کی نکاح کرنے کی رضامندی ایک دکیل

اور دو گواہوں[60] کے توسط سے حاصل کی جاتی تھی۔ دعوت طعام کے بعد مہمانوں کی تفریح و خاطر داری مغنی ور قاصہ فراہم کرتے تھے۔ جب نکاح کے بعد پہلی مرتبہ دلہن کا دولہا سے تعارف کرایا جاتا تھا تو بہت سی رسومات کی ادائیگی کی جاتی تھی۔ یار سومات کی ادائیگی رخصت کے وقت ہوتی تھیں جب دلہن اپنے والدین کے گھر سے جاتی تھی اور جب وہ اپنے نئے گھر پہنچتی تھی۔ شادی کے جشن اور رنگ، رلیاں بہت دنوں تک جاری رہتی تھیں اور فریقین کے گھر "جشن عید کا سماں" پیش کرتے تھے۔ اپنی ہی ذات اور قبیلے[61] میں شادی کرنے کی تمنا ہوتی تھی۔ قبضہ حقیقی کے لحاظ سے یا باطل قبضہ جتلا کر (راکشش قسم کی شادی) قدیم ہندوانہ دستور ابتدائی دور میں ابن بطوطہ کے ایام قیام تک رائج تھا۔ بدایوں کے سید کے ساتھ محمد تغلق کی بہن کی شادی کے دوران[62] ابن بطوطہ نے ایسا ہی دستور دیکھا تھا۔ متعہ کی شادی (عارضی انتظام) کے دستور صرف شیعہ حضرات میں ہی رائج تھا وہ لوگ ایسے معاہدہ سے پیدا شدہ بچوں سے ان بچوں کے بہ نسبت زیادہ محبت کرتے تھے جو نکاح[63] کی شادی کے توسط سے پیدا ہوتے تھے حالانکہ اسلام نے طلاق کی گنجائش رکھی ہے، پھر بھی ان کے مابین ایسے حالات کم اور شاذ و نادر[64] ہی پیش آتے ہیں۔ پیدائش اور شادی کے برخلاف "مسلمانوں کی موت" ہر جگہ کے معاشرتی انسان کی طرح اور تمام ازمنہ کی طرح یقینی طور پر ایک المناک[65] واقع ہوتا تھا۔ نعش کو غسل دیا جاتا تھا اور کفن میں لپیٹ دیا جاتا تھا اور مرحوم کی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد جنازہ کو کندھوں پر رکھ کر احباب ورشتہ دار[66] پیدل چل کر قبر تک لے جاتے تھے۔ راستہ بھر لوگ تکبیر اور درود[67] پڑھتے جاتے تھے۔ شاہی ماتمی جلوس یا اعلیٰ مراتب کے لوگوں کا ماتمی جلوس تمام شاہی امتیازی نشانیاں تزک و احتشام اور جاہ و جلال[68] کا حامل ہوتا تھا جس گھر میں میت ہوتی تھی[69] تین دن تک کوئی بھی کھانا نہیں پکایا جاتا تھا۔ مرنے کے بعد کے رسومات میں سوئم (تیسرے دن) کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اس کو رسم زیارت بھی کہتے تھے یعنی دفن[70] کرنے کے بعد تیسرے دن قبر پر جانا۔ اس دن قرآن شریف کی تلاوت ہوتی تھی اور مرحوم کے نام شربت، پان اور کھانے تقسیم کئے جاتے تھے۔ چالیسویں دن (چہلم) ان ہی رسومات کا اعادہ[71] کیا جاتا تھا۔ کچھ لوگ

پچہ ماہی اور برسی مناتے تھے سنی اور شیعہ حضرات کے طریقہ دفن کی تفصیل آج کل کی طرح پہلے بھی اختلافات تھے۔

معاشرتی آداب مجلس اور امور واجب:

طور طریقے، آداب مجالس قومی تہذیب کا اشاریہ ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے مسلم معاشرہ نہایت تیز گام اور پیش پیش تھا۔ لطیف اور فرحت بخش آداب مجلس کے اصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کی جاتی تھی اور شائستہ طور طریقہ کے عمدہ امتیازات کو احتیاط سے محفوظ رکھا جاتا تھا۔ غیر ملکی سیاحوں کی تصدیق کے مطابق مسلمان عام طور سے دوستوں اور اجنبی لوگوں کے ساتھ اپنے رویہ میں نہایت خلیق، شائستہ اور مہذب ہوتے تھے۔ ملاقات کرنے والوں کا استقبال دیوان خاص میں کیا جاتا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت سلام علیکم کہتے تھے (تم پر سلامتی ہو) سلام کرتے وقت جسم کو خم کر لیتے تھے۔ ادنیٰ لوگ سیدھے ہاتھ کو سر تک اٹھا کر اور سر کو جھکا کر سلام کرتے تھے۔ اورنگ زیب نے اس غیر اسلامی طریقہ کو ممنوع قرار دے دیا جو صرف زبانی سلام کہنے تک ہی محدود ہے بایں ہمہ راسخ العقیدہ شہنشاہ کا فرمان مسلمانوں کے ہونٹوں سے دوسری ملت کے ہمسر لوگوں سے پاسداری کے الفاظ "رام رام" کو ختم نہ کر سکا۔ اس فرمان کے جاری ہونے کے بہت عرصہ بعد "خیبر" کا ایک آفریدی سردار ہری سنگھ خانگر اوت راجہ رام سنگھ کچھواہا کے بیٹے بشن سنگھ کے اتالیق کو ایک خط لکھتا ہے اور راجپوت سردار کو معاشرتی آداب اس طرح پیش کرتا ہے "برادر من ازایں جانب رام رام" (میرے بھائی اس طرف سے رام رام) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندو دوست احباب کے ساتھ معاشرتی رویہ میں متوسط مسلم رواداری کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ تسلیمات پیش کرتے وقت وہ اپنے سروں کو برہنہ کبھی نہیں کرتے تھے اصولی طور پر عوام کے سامنے ننگے سر، ننگے پیر، غیر موزوں کپڑے پہن کر آنا احمقانہ، بدتمیزی و ناشائستگی تصور کیا جاتا تھا۔ وہ اپنی گفت و شنید میں منکسر اور محتاط ہوتے تھے۔ اپنے ہاتھ اور سر سے اشارہ نہیں کرتے تھے اور نہ زور سے بولتے تھے۔ ایک ہی بات پر

جنگ وجدال نہیں کرتے تھے۔ جب وہ کسی سے سرگوشی کرتے تھے تو اپنے منہ کو گلوبند یا رومال سے ڈھک لیتے تھے تاکہ ان کی سانس دوسرے[53] شخص کو ناگوار محسوس نہ ہو، ہمسر لوگ اپنے القاب میں محبت سے بھری اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ جیسے غریب نواز (غریبوں پر احسان کرنے والے) بھائی بابا[54] اپنے برتر لوگوں کے احترام کو ظاہر کرنے کے لیے وہ کہتے تھے "آپ ہی کا نان و نمک کھاتا ہوں" یعنی میں آپ کا خادم ہوں" آپ میری[55] زندگی کے سہارے ہیں دن بھر چار زانو بیٹھ کر تمباکو پینا یا پان چبانا مسلم کے لیے اعلیٰ ترین مسرت[56] ہوتی تھی۔ ایک شخص جاتے وقت اس کو پان کا بیڑا پیش کیا جاتا تھا، جو اس بات کا اشارہ کرتا تھا کہ اب اس کو چلا جانا[57] چاہیے۔ دستر خوان کے طریقے بہت سادہ ہوتے تھے۔ زمین پر دستر خوان بچھا دیا جاتا تھا وہ دست پاک کا استعمال نہیں کرتے تھے۔ کھانے میں الٹا ہاتھ استعمال کرنا یا کھاتے وقت انگلیاں چاٹنا بدتمیزی سمجھی جاتی تھی۔ جس کو کھانا ختم کرنے کے بعد ہی کرنا چاہیے۔[58]

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

چوتھا باب

(۱) یہ مسلمانوں کا خاص تیوہار ہے اور اس کو عیدالکبیر کہا جاتا ہے یعنی بڑا تیوہار۔ اس میں اور عیدالفطر میں امتیاز کرنے کے لیے عیدالفطر کو عیدالصغیر کہتے ہیں یعنی چھوٹی عید "فرہنگ اسلام" ایس وی از ملس۔ اس قربانی کی تصدیق قرآن مجید میں تاکید سے ہوتی ہے۔ پارہ XXII آیات ۳۴۔۳۸۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان سب کو جو اس جشن کو مناتے ہیں بڑی حسنات و برکات سے نوازا جاتا ہے اور یہ ایک سنت ہے جس کو حضرت عائشہؓ کی روایت سے وابستہ کیا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی زوجہ محترمہ تھیں۔ وہ روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "عیدالاضحیٰ کے دن خدا کی خوشنودی کے لیے قربانی کا خون گرانے سے بہتر کوئی دوسرا کام انسان نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ جس جانور کو قربان کیا جاتا ہے قیامت کے دن وہ مع اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے آجائے گا اور اس شخص کی نیکیوں کے پلڑے کو بھاری کردے گا۔ یقیناً اس کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے پاس قبولیت کے درجے کو پہنچ جاتا ہے لہٰذا اس امر میں راضی خوشی ہو (مشکوٰۃ شریف کتاب ۴ باب ۴۹، صفحہ ۲۔

(۲) رواداور فراز کا موازنہ کیجئے صفحہ ۳۰۶ "پیلمر ت" صفحہ ۴۷۔

(۳) عیدگاہ وہ مقام ہے جہاں عید کے تیوہار کی رسومات انجام دی جاتی ہیں عام طور پر فرش پر مشتمل ہوتی ہے۔ مغرب کی جانب ایک دیوار ہوتی ہے اس کا سامنا مشرق کی جانب

ہوتا ہے اس اصطلاح کا لغوی مفہوم مسرت ہے۔

(۴) "اکبر نامہ" از بیورج باب II صفحہ ۵۱ "بہارستان" باب II صفحہ ۲۴۷

(۵) "بادشاہ نامہ" (بی آئی) باب I صفحات ۲۲۶، ۲۳۰ حصہ II صفحات ۱۰۶، ۱۶۶، ۲۵۶، II ۹۵، ۱۹۱، ۲۸۳، ۳۲۲، ۴۸۰، ۶۲۴، ۶۲۵ (یعنی جانور کی قربانی) ہر شخص اپنے ہی گھر میں کرتا ہے یعنی جو جانور خریدنے کی اہلیت رکھتا ہے اور خون کو اپنے دروازوں کی طرف بہادیتے ہیں "رو" اور "فرائز" صفحہ ۳۰۶۔

(۶) منوسی باب II صفحات ۳۴۹، ۳۵۰۔

(۷) "بادشاہ نامہ" باب II ۲۲ صفحہ، رو اور فرائز صفحہ ۳۰۴ پیلسرٹ صفحہ ۷۳ جب ہلال عید ضیاء شمع کے وقت نمودار ہوتا تھا شاہی شہنائی بجائی جاتی تھی اور توپ خانہ کے تمام اسلح بارود یکے بعد دیگرے چھڑائے جاتے تھے۔ سرشام ہی سے آدھی رات تک توپیں متواتر چھوٹتی رہتی تھیں۔ رات کے آخری حصہ میں بندوقوں کا چھوٹنا رک جاتا تھا اور اس کی جگہ ایک بڑی توپ چھوٹتی تھی "بہارستان" باب I صفحہ ۱۱۰۔

(۸) کتاب مذکورہ باب I صفحہ ۱۷۰۔

(۹) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحات ۱۸، ۲۵، ۳۶۔

(۱۰) منوسی باب IV صفحہ ۴۳۵، "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحات ۶۱۴، ۶۱۵۔

(۱۱) آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے محرم کی دسویں یا عاشورہ کو روزہ رکھنے کی تاکید کی تھی جو بعد میں رمضان شریف میں متبدل کر دیا گیا، محرم دراصل ایک پکی فصل کا تیوہار معلوم ہوتا ہے (قاموس مذاہب واخلاقیات باب III صفحہ ۱۲۶ باب V صفحہ ۸۸۲) محرم کے مہینے کے قدیم تقدس کے سوال پر "سیل" نے بحث کی ہے (قرآن شریف ابتدائی گفت وشنید صفحہ ۸۱) پیغمبر اسلام نے احکامات دیئے تھے کہ محرم کے دسویں دن یعنی عاشورہ کو کچھ زائد رسومات منانا چاہیے، کچھ تاریخی اور روایتی تصانیف میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ محرم کی دسویں تاریخ کو بہت سے مذہبی واقعات ہوئے تھے۔ مزید تفصیلات کے لیے "جعفر شریف" کی "قانون اسلام" تالیف کردہ "کرک"

صفحات ۱۵۱، ۱۵۲ دیکھئے۔

(۱۲) حضرت حسینؓ ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم کی شہادت سے متعلق واقعات کی پوری تفصیل اور ہندستان میں محرم منانے کے طریقے کے بارے میں "میور" کی تصنیف کردہ ابتدائی خلفاء کے واقعات ابواب ۴۰، ۴۲، ۴۳، دیکھئے۔ جعفر شریف "قانون اسلام" تالیف کردہ کروک باب XIV صفحات ۱۵۱، ۱۵۸، "بیگم میر حسن علی" مسلمانوں پر مشاہدات تالیف کردہ کرک صفحات ۱۷، ۵۴

(۱۳) ٹیورنیر باب II صفحہ ۱۷۷

(۱۴) "بہارستان" باب I صفحہ ۱۹۰۔

(۱۵) یہ تیوہار بغیر خونریزی کے مشکل سے ہی منایا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے سنی ہوتے ہیں جو دوسروں پر ہنستے ہیں۔ شیعہ حضرات اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اکثر جنگ وجدال کرتے ہیں۔ تیوہار کا موزوں مظاہرہ ہوتا ہے اور اس وقت قتل انسان کی تفتیش تک نہیں ہوتی۔ کیونکہ مورسی کا عقیدہ ہے کہ ان دنوں ان لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے عقیدہ کی خاطر مرتے ہیں "تھیوناٹ" باب III صفحہ ۱۰۶ "تھیوناٹ" نے شیعہ سنی جھگڑے کا محرم کے دنوں سے متعلق تذکرہ کیا ہے بیگ نگر (گولکنڈہ میں) کے اندر اس نے محرم کے دنوں میں شیعہ سنی جھگڑا اپنے سامنے ہوتے دیکھا تھا مذکورہ کتاب صفحہ ۱۰۶ دیکھئے

(۱۶) "پیٹر منڈے" باب II صفحہ ۲۱۹ اور یہ رسم وہ (مسلمان) اس قدر غیظ وغضب کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر اس وقت کوئی کافر (یعنی ہندو) سڑکوں پر آجائے تو ان کی جان خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آجاتا ہے گویا ان رسومات کے دوران (محرم سے متعلق) وہ (ہندو) اپنے گھروں سے جنبش نہیں کرتے۔ "منڈیلسلو" صفحہ ۴۲۔

(۱۷) بحوالہ "فاروقی" اورنگ زیب اور اس کا زمانہ صفحہ ۵۳۵

(۱۸) مانسریٹ صفحہ ۲۲

(۱۹) "مانڈیلسلو" صفحہ ۴۲، ہمارے زمانہ میں محرم منانے کی مزید تفصیل کے لیے

"پیلگریٹ" ملاحظہ کیجئے۔ صفحہ ۷۵، رواور فرائز صفحات ۳۰۶، ۳۰۷ پیز منڈی باب II صفحہ
۲۱۹ "تھیونات" باب III صفحات ۱۰۶، ۱۰۷۔

(۲۰) شب برات کا تیوہار دوسرے مذہبی تیوہار "لیلۃ القدر" یا شب قدر سے بہت
مختلف ہے "شب قدر" شب رمضان ہے جو رمضان کے مہینے میں آتی ہے جس کی اصلی تاریخ
پیغمبر صاحب کے علم میں ہے۔ ان کے چند اصحاب کرام کو معلوم ہے جعفر شریف کی
تصنیف "قانون اسلام" تالیف کردہ "کرک" صفحہ ۲۰۳ دیکھئے۔

(۲۱) کچھ لوگ کہتے ہیں اس رات کا حوالہ قرآن شریف XLIV ۲ میں دیا ہے (ایسی
رات جس میں تمام امور فرزانہ طور سے طے کردیئے جاتے ہیں)

(۲۲) تزک باب II صفحات ۲۲، ۹۴ "بادشاہ نامہ" باب I حصہ II صفحہ ۵، باب II
صفحات ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۱۶۔ امیر خسرو کے بیان سے بھی موازنہ کیجئے جنہوں نے دہلی کے
نوجوانوں اور خواجہ سراؤں کو آتش بازی چھڑاتے اور "داستان" ابراہیم کے نقلی آتش کدے
کو تیار کرتے ہوئے پایا ہے۔ وہ آگے بیان کرتا ہے کہ ہر شخص مقامی مسجد کو روشن کرنے کے
لیے چراغ بتی بھیجا کرتا تھا۔ بحوالہ "اعجاز خسرو" اشاعت کردہ لکھنؤ باب IV صفحہ ۳۲۴
ہمارے زمانے میں رسوم "شب برات" کی اور زیادہ تفصیلات کے لیے "تھیونات" باب
III صفحہ ۱۳۱ دیکھئے۔

(۲۳) تفصیلات کے لیے "افیف" کی تصنیف تاریخ فیروز شاہی (BI) صفحات ۳۶۵،
۳۶۷ سے موازنہ کیجئے۔

(۲۴) بحوالہ "ڈورن" افغانستانیوں کی تاریخ۔

(۲۵) "تزک" I صفحہ ۳۸۵ دیکھئے۔

(۲۶) "بادشاہ نامہ" باب I صفحہ ۳۶۴

(۲۷) مراۃ سکندری انگریزی ترجمہ صفحہ ۲۴۴ پیغمبر صاحب کی سالانہ تقریب وفات
کو اب بارہ وفات کہا جاتا ہے (بارہ سے مراد بارہویں تاریخ ہے اور وفات سے معبود حقیقی سے
واصل ہو جانا مراد ہے) اس جشن کو منانے کی تفصیلات کے سلسلے میں "قانون اسلام"

صفحات ۱۸۸ اور ۱۹۰ دیکھئے۔ پیغمبر صاحب کے وفات کی سالانہ رسومات کے منانے کے سلسلے میں بنگال میں چراغاں کے ضمن میں "ریاض السلاطین" صفحہ ۲۸۰ سے موازنہ کیجئے۔ بدایونی (لوWe) باب II صفحہ ۳۸۰ دیکھئے۔

(۲۸) "مرأۃ اسکندری" ترجمہ ۱۲۱ "مرأۃ احمدی" انگریزی میں ترجمہ صفحہ ۲۶۹ کتاب مذکورہ صفحات ۲۶۹ "گجرات کے سلطان محمود" III کے عہد میں بھی یہی سلسلہ رہا" مرأۃ اسکندری" ترجمہ صفحات ۲۴۳، ۲۴۴۔

(۲۹) "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۵۲۰

(۳۰) "بادشاہ نامہ" باب I صفحہ ۵۳۹ حصہ II صفحات ۸، ۴۷، ۴، باب II صفحات ۱۰۲، ۱۵۱، ۱۹۹، ۳۰۳، ۳۳۵، ۴۲۰۔

(۳۱) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۱۴، ہمارے زمانہ نوروز کے جشن منانے کے متعلق "تزک" ملاحظہ کیجئے باب I صفحات ۴۸، ۴۹، ۲۰۶ "مانڈیلسلو" صفحات ۴۱، ۴۲، "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۹ "سرطامس رو" صفحہ ۱۴۴، "ولیم ہاکنس" (پرچیز نگ پلگرمس) باب III صفحہ ۲۱۰، اقبال نامہ صفحہ ۸، "ایلفنسٹن" کہتا ہے ان ممالک میں "جشن نوروز" ہمیشہ بڑی مسرت کا زمانہ ہوتا ہے۔ ایرانیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کے بارے میں ایک داستان پیدا کردی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ ان کے مذہبی فرقہ کے محسن اور مربی تھے اس قدیم تیوہار پر بڑی خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مخالف عقائد کے مسلمانوں میں یہ تیوہار بدنام ہے (کابل کے حالات باب I صفحہ ۱۸۳)

(۳۲) "تزک" باب I صفحات ۲۶۵، ۲۹۶ اور نوٹ صفحہ ۳۷۹

(۳۳) "رواور فرائر" صفحہ ۳۰۴ اس رسم کے منانے کی تفصیل کے لیے (جس کو ہلال کہتے ہیں) بیگم میر حسن علی کی تصنیف "مشاہدات" وغیرہ صفحات ۱۵۶، ۱۵۷ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۴) رو اور فرائر صفحہ ۳۰۸ تفصیلات کے لیے بیگم میر حسن علی کی تصنیف "مشاہدات" وغیرہ سے موازنہ کیجئے صفحات ۱۵۸، ۱۵۹ دیکھئے۔

(۳۵) تزک باب I صفحہ ۳۵۱ دیکھئے جشن کو رواجی حضرت خواجہ خضر (ہری اشی)

"روح آب" ولشیا پیغمبر سے مشابہ کی تعظیم میں منایا جاتا ہے (تفسیر قرآن شریف از سیل XVII صفحات ۶۳ کچھ لوگ سال میں ہر جمعرات کو ایک دونہ میں چند پھول اور کچھ شکر رکھ کر حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے نام پر پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ تیوہار "بیڑا" اسلامی سال کی آخری جمعرات کو منایا جاتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے تیرانے کا مفہوم ایک قسم کے جادو سے ہے یہ کام اس نیت سے کیا جاتا ہے کہ تمام شر انگیزیاں ختم ہو جائیں جس سے ملت کو خطرہ ہو۔ یہ بھی مقصد ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے کافی بارش ہو۔ بنگال اور دیگر مقامات میں ہندو بھی ایسی رسم مناتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے "قانون اسلام" صفحات ۱۳۶،۷، ۱۳ دیکھئے۔

(۳۶) بیگم میر حسن علی کی تصنیف "مشاہدات وغیرہ" صفحات ۱۵۴، ۱۵۶ دیکھئے۔

(۳۷) شاہجہاں کے یوم پیدائش کی رسومات کے دلچسپ بیان کے لیے "مانڈیلسلو" صفحہ ۳۴ دیکھئے۔

(۳۸) "بہارستان" بابI صفحہ ۱۶۸ موازنہ کیجئے منوسی باب III صفحہ ۱۵۰ دیکھئے۔

(۳۹) "بہارستان" باب II صفحہ ۶۸۲ دیکھئے۔

(۴۰) "مراۃ اسکندری" ترجمہ صفحہ ۱۳۱ موازنہ کیجئے "اذان" یا "بانگ" (نماز کے لیے پکارنا۔ نوزائیدہ بچہ کے سیدھے کان میں دی جاتی ہے۔ اور کلمہ الٹے کان میں پڑھ دیا جاتا ہے عموماً بچہ کے مرد رشتہ داروں میں جو سب سے بزرگ و صاحب تعظیم ہو وہی اس رسم کی ادائیگی کرتا ہے۔ اس کام کو خطیب بھی کر دیتا ہے یا لڑکا بھی اس کام کو انجام دے دیتا ہے جس کو اذان کہنے کہنے کا انعام ملتا ہے" قانون اسلام" صفحہ ۲۴ دیکھئے۔

(۴۱) مورسی یا مسلمان کے خاندان میں ایک ہی نام رکھا جاتا ہے جو پیدائش کے دوسرے دن رکھ دیا جاتا ہے جیسا ذیل کی مثال سے ظاہر ہے۔

نوزائیدہ بچہ کے والد یا قریب ترین رشتہ دار مولوی صاحب کو بلواتے ہیں جو ایک کتاب کو بند کرنے کے بعد کھولتا ہے اور اس ورق کا پہلا حرف اور اسی کا مفہوم لے کر بچہ کا نام لیتا ہے (جو ہن مارشل ہندستان میں) تالیف کردہ ایس۔اے خاں صفحہ ۱۴۰۵ اکثر بچوں کا نام

صفحات ۱۵۱، ۱۵۲ دیکھئے۔

(۱۲) حضرت حسینؓ ابن حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ چہارم کی شہادت سے متعلق واقعات کی پوری تفصیل اور ہندستان میں محرم منانے کے طریقے کے بارے میں "میور" کی تصنیف کردہ ابتدائی خلفاء کے واقعات ابواب ۴۰، ۴۲، ۴۳، دیکھئے۔ جعفر شریف "قانون اسلام" تالیف کردہ کروک باب XIV صفحات ۱۵۱، ۱۵۸، "بیگم میر حسن علی" مسلمانوں پر مشاہدات تالیف کردہ کرک صفحات ۱۷، ۵۴

(۱۳) ٹیورنیر باب II صفحہ ۱۷۷

(۱۴) "بہارستان" باب I صفحہ ۱۹۰۔

(۱۵) یہ تیوہار بغیر خونریزی کے مشکل سے ہی منایا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے ایسے سنی ہوتے ہیں جو دوسروں پر ہنستے ہیں۔ شیعہ حضرات اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ اکثر جنگ وجدال کرتے ہیں۔ تیوہار کا موزوں مظاہرہ ہوتا ہے اور اس وقت قتل انسان کی تفتیش تک نہیں ہوتی۔ کیونکہ مورس کا عقیدہ ہے کہ ان دنوں ان لوگوں کے لیے جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور یہ لوگ مسلمانوں کے عقیدہ کی خاطر مرتے ہیں "تھیوناٹ" باب III صفحہ ۱۰۶ "تھیوناٹ" نے شیعہ سنی جھگڑے کا محرم کے دنوں سے متعلق تذکرہ کیا ہے بیگ نگر (گولکنڈہ میں) کے اندر اس نے محرم کے دنوں میں شیعہ سنی جھگڑا اپنے سامنے ہوتے دیکھا تھا مذکورہ کتاب صفحہ ۱۰۶ دیکھئے۔

(۱۶) "پیٹر منڈے" باب II صفحہ ۲۱۹ اور یہ رسم وہ (مسلمان) اس قدر غیظ وغضب کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر اس وقت کوئی کافر (یعنی ہندو) سڑکوں پر آجائے تو ان کی جان خطرہ میں پڑجاتی ہے۔ جب یہ واقعہ پیش آجاتا ہے گویا ان رسومات کے دوران (محرم سے متعلق) وہ (ہندو) اپنے گھروں سے جنبش نہیں کرتے۔ "منڈیلسلو" صفحہ ۴۲۔

(۱۷) بحوالہ "فاروقی" اورنگ زیب اور اس کا زمانہ صفحہ ۵۳۵

(۱۸) مانسریٹ صفحہ ۲۲

(۱۹) "مانڈیلسلو" صفحہ ۴۲، ہمارے زمانہ میں محرم منانے کی مزید تفصیل کے لیے

"پیلسر بٹ" ملاحظہ کیجئے۔ صفحہ ۷۵، رو اور فرائز صفحات ۳۰۶، ۳۰۷ پیڑ منڈی باب II صفحہ ۲۱۹ "تھیونات" باب III صفحات ۱۰۶، ۱۰۷۔

(۲۰) شب برات کا تیوہار دوسرے مذہبی تیوہار "لیلۃ القدر" یا شب قدر سے بہت مختلف ہے "شب قدر" "شب رمعی ہے جو رمضان کے مہینے میں آتی ہے جس کی اصلی تاریخ پیغمبر صاحب کے علم میں ہے۔ ان کے چند اصحاب کرام کو معلوم ہے جعفر شریف کی تصنیف "قانون اسلام" تالیف کردہ "کرک" صفحہ ۲۰۳ دیکھئے۔

(۲۱) کچھ لوگ کہتے ہیں اس رات کا حوالہ قرآن شریف XLIV ۲ میں دیا ہے (ایسی رات جس میں تمام امور فرزانہ طور سے طے کردیے جاتے ہیں)

(۲۲) تزک باب II صفحات ۲۲، ۹۴ "بادشاہ نامہ" باب I حصہ II صفحہ ۵، باب II صفحات ۱۶۷، ۱۶۸، ۲۱۶۔ امیر خسرو کے بیان سے بھی موازنہ کیجئے جنہوں نے دہلی کے نوجوانوں اور خواجہ سراؤں کو آتش بازی چھڑاتے اور "داستان" ابراہیم کے نقلی آتش کدے کو تیار کرتے ہوئے پایا ہے۔ وہ آگے بیان کرتا ہے کہ ہر شخص مقامی مسجد کو روشن کرنے کے لیے چراغ بتی بھیجا کرتا تھا۔ بحوالہ "اعجاز خسرو" اشاعت کردہ لکھنؤ باب IV صفحہ ۳۲۴ ہمارے زمانے میں رسوم "شب برات" کی اور زیادہ تفصیلات کے لیے "تھیونات" باب III صفحہ ۱۳ دیکھئے۔

(۲۳) تفصیلات کے لیے "عفیف" کی تصنیف تاریخ فیروز شاہی (B1) صفحات ۳۶۵، ۳۶۷ سے موازنہ کیجئے۔

(۲۴) بحوالہ "ڈورن" "افغانستانیوں کی تاریخ"۔

(۲۵) "تزک" I صفحہ ۳۸۵ دیکھئے۔

(۲۶) "بادشاہ نامہ" باب I صفحہ ۳۶۴

(۲۷) مراۃ سکندری انگریزی ترجمہ صفحہ ۲۴۴ پیغمبر صاحب کی سالانہ تقریب وفات کو اب بارہ وفات کہا جاتا ہے (بارہ سے مراد بارھویں تاریخ ہے اور وفات سے معبود حقیقی سے واصل ہو جانا مراد ہے) اس جشن کو منانے کی تفصیلات کے سلسلے میں "قانون اسلام"

پیدائش کے دن یا اسی ہفتہ میں رکھ دیا جاتا ہے۔ مسلم نام رکھنے اور اس کے طریقہ کے لیے "قانون اسلام" دیکھئے صفحات ۲۶، ۲۹، ۳۲، ۳۴۔

(۴۲) منوسی باب III صفحہ ۱۵۰ پیدائش سے لے کر چھٹویں یا ساتویں دن تک خاندان کی حیثیت کے موافق جشن جاری رہتا ہے۔ اس جشن کو "چھٹی" کہتے ہیں یا چھٹویں دن کی رسم جشن ولادت "قانون اسلام" صفحات ۳۵، ۳۷ بیگم میر حسن علی کی تصنیف "مشاہدات وغیرہ" بھی دیکھئے صفحہ ۲۱۲۔

(۴۳) عقیقہ کا موزوں مفہوم نوزائیدہ بچہ کے سر کے بالوں سے ہے۔ اصطلاحی مراد سر پر استرے سے بال بالکل صاف کرنے سے ہے۔ جس کو مونڈن بھی کہا جاتا ہے (مذاہب اور اخلاقیات کی قاموس باب VI صفحہ ۵۳۸۔ روایات دوستوں کے مطابق پیدائش سے متعلق قربانی کو بچہ کے سر کے بالوں کو پہلی بار مونڈنے کی رسم کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔ یہ رسم عقیقہ پر مشکوٰۃ شریف کا انگریزی ترجمہ از اے این میتھو دیکھئے۔ باب II صفحہ ۵۱۵ قاموس اسلام" باب I صفحہ ۲۳۹ ملاحظہ کیجئے۔ فرہنگ از روز باب III صفحات ۲۲۶، ۲۲۷ "قانون اسلام" صفحات ۳۸، ۴۰

(۴۴) "طبقات اکبری" انگریزی میں ترجمہ باب II صفحہ ۲۲۴ "اکبرنامہ" از بیورج باب I صفحہ ۵۱۹ "اعمال صالح" متن باب I صفحہ ۱۳۱، ایلفنسٹن کہتا ہے بچہ کی بسم اللہ یا رسم مکتب کے بعد اس کی تعلیم ملتوی کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک اس کی عمر چھ یا سات سال کی ہو جاتی ہے "کابل کے حالات" باب I صفحہ ۲۴۹۔

(۴۵) "اکبرنامہ" از بیورج عرب III صفحہ ۱۰۲ اس موقع کی تقریبات کے سلسلہ میں موازنہ کیجئے۔

(۴۶) "آئین اکبری" از بلوچمن باب I صفحہ ۲۰۷

(۴۷) "زوداور فرائز" صفحہ ۲۸۱

(۴۸) بطور مثال ابوالفضل کی بیان کردہ رسم سے ملاحظہ کیجئے جو مغلوں سے مخصوص تھی، جب بچہ پیروں پر کھڑا ہونے لگتا تھا تو اس کے والد یا سب سے بزرگ فرد سرپرست

سے کہا جاتا تھا کہ بچہ کو اپنی پگڑی سے ضرب لگائے تاکہ بچہ نیچے گرے "اکبر نامہ" از بیورج باب I صفحات ۳۹۶، ۳۹۷

(۴۹) اسلام میں مجرد رہنا یا کتخدائی کی گنجائش قطعاً نہیں ہے۔ پیغمبر صاحب نے اس کی اکثر مذمت کی ہے۔ جب مسلمان شادی کرتا ہے تو وہ مذہب کی نصف تکمیل کرلیتا ہے (ہفس فرہنگ اسلام) مجرد رہنا اور شادی موازنہ کیجئے۔ بدایونی (بیگ) باب III صفحہ ۹۷ جہاں ایک بوڑھی عورت کو شادی کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا تاکہ وہ روحانی علم حاصل کرنے کے لائق ہو جائے "فرشتہ" از برگس بھی دیکھئے باب III صفحہ ۱۵۸ "ٹیورنیر" باب II صفحہ ۱۸۰۔

(۵۰) "کریری" باب III صفحہ ۲۵۲۔

(۵۱) "پیڑ منڈی" باب II صفحہ ۱۸۰ بہر حال غیر ملکی سیاحوں کی تصدیق کو احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔ مسلمانوں میں کم عمر کی شادی میں کوئی عام اصول بنالینا غلط ہوگا۔ عام طور سے مسلمان سن بلوغ سے پہلے اپنی لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے۔ غالباً یہ نابالغ لڑکی کی شادی کی بری رسم مسلمانوں میں ہندوں کی تقلید کے طور پر پیدا ہوئیں "اکبر" کے قانون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم سنی کی شادی کا دستور دونوں قوموں میں رائج تھا۔ خاص طور سے شہری علاقوں میں۔ اگر پہلے نہیں تو اکبر کے ایام سلطنت میں کم سنی کی شادی کی رسم تھی۔

(۵۲) "منوسی" موازنہ کیجئے باب III صفحہ ۱۵۲ ہندستان میں "جوہن" مارشل تالیف کردہ ایس۔ اے۔ خاں صفحہ ۴۰۴ دیکھئے۔

(۵۳) "بدایونی" موازنہ کیجئے (لو) باب II صفحہ ۵۹

(۵۴) "اعمال صالحہ" باب I صفحہ ۴۴ رسم کو منگنی بھی کہا جاتا ہے یا لڑکی کا مانگنا "قانون اسلام" صفحہ ۶۲ موازنہ کیجئے۔

(۵۵) "بہارستان" باب I صفحہ ۱۴۰ موازنہ کیجئے

(۵۶) "تزک" باب I صفحہ ۱۵۹ موازنہ کیجئے باب II صفحات ۱۸۷، ۱۸۸ "بادشاہ نامہ" باب I ۵۳۴ حصہ II صفحات ۲۶۶، ۲۶۷ باب II صفحات ۷، ۱۳، ۳۰۵ موازنہ کیجئے۔

(۵۷) "تزک" باب II صفحہ ۲۰۲ "بادشاہ نامہ" باب II حصہ II صفحات ۲۶۷، ۲۶۸

باب II صفحہ ۳۰۵

(۵۸) "منوسی" باب III صفحات ۱۵۰، ۱۵۱

(۵۹) "مانڈیلسلو" صفحہ ۶۲

(۶۰) "پیلسرٹ" صفحہ ۸۳

(۶۱) "بادشاہنامہ" باب ا حصہ II صفحہ ۲۷۰

(۶۲) "جو ہن مارشل ہندستان میں" تالیف کردہ ایس اے خاں صفحہ ۴۰۴

(۶۳) "رواور فرائز" صفحہ ۲۷۹ "برنیر" صفحہ ۲۵۹

(۶۴) منوسی باب III صفحہ ۱۵۱ (ہمارے زمانہ کے اس دستور کے لیے) موازنہ کیجئے۔

(۶۵) بدایونی (لو) باب II صفحہ ۲۱۱، اس طرح کی شادیوں کو سگاہ بھی کہتے ہیں یا نکاح موکدہ۔ مذہبی سند کے لیے قرآن شریف سے موازنہ کیجئے، IV ۲۸ مشکوٰۃ II ۸۸، ۹۰ "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۱۷۴ احتہ کے لغوی معنی لطف؛ روزی کے ہیں ہمفس فرہنگ اسلام صفحہ ۴۲۴

(۶۶) مزید تفصیلات کے لیے تھیوناٹ باب III صفحہ ۲۲ دیکھیے۔ "رولور فرائز" صفحہ ۲۸۱ دیکھیے۔ پی ڈیلاویل باب II صفحہ ۳۱ "ٹیری" صفحہ ۲۸۵ "پیلسرٹ" صفحات ۸۱، ۸۴ "ہلفسٹن" کابل کے حالات باب I صفحات ۷ ۲۳، ۳۹ بیگم میر حسن علی "مشاہدات وغیرہ" صفحہ ۱۷۹۔

(۶۷) ایڈیشن VI صفحہ ۲۷ الو تگکن صفحہ ۲۴۵ "اعمال صالحہ" باب I صفحہ ۱۶۳

(۶۸) "بہارستان باب I صفحہ ۲۵۷ "منوسی" باب III صفحہ ۱۵۳، مسلمان کا دفن کرنا ایک سنجیدہ اور سادہ معاملہ ہے لہٰذا اورنگ زیب نے اپنے وصیت نامہ میں ان بدعتوں کو ممنوع قرار دیا تھا (سرکار اورنگ زیب V صفحہ ۲۶۴)

(۶۹) "مانڈیلسلو" صفحہ ۶۳ پر موت کی رسموں کا مشرح بیان دیکھیے جو ہن "ہندستان میں" تالیف کردہ ایس اے خاں صفحہ ۴۰۴، ۴۰۵ "رو اور فرائز" صفحہ ۲۸۲ ٹیری صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸

(۷۰) "برنیر" بلبن اوصاف کی مفصل مکمل تحسین آفریں تحریر میں کہتا ہے کہ وہ بذات خود یوم زیارت یامرنے کے بعد تیسرے دن(سویم)مرحوم شیوخ اور سادات کے گھروں پر جایا کرتا تھا۔ متن صفحہ ۴۷

(۷۱) "بدایونی"متنI صفحہ ۲۴۸"معاصر عالمگیری"ترجمہ صفحہ ۲۴۹

(۷۲) "بدایونی"(لو)بابII صفحہ ۵۰

(۷۳)"بہارستان"بابI صفحہ ۲۱۳،او تگٹن صفحہ ۲۴۵

(۷۴)"فرشتہ از برگس" باب IV صفحہ ۵۲۵ بدایونی (لو) باب II صفحات ۷۶۔۷۷،۳ ۳موت کی رسومات کی تفصیل کے لیے "قانون اسلام"صفحات۸۹،۸۰اد یکھئے مردہ کو دفن کرنے کادستور اسلام میں آفاقیت کاحامل ہے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ خداوند کریم نے بنی نوع انسان کو مردہ کا دفن کرنا سکھلایا تھا۔ جب خدا نے ایک کوا بھیجا تاکہ زمین کو کھودے اور قابیل (برادرکش) کواپنے بھائی کے مردہ جسم کو چھپانا سکھائے قرآنV صفحہ ۴۰۴،مردہ جلانے کی اسلام میں سخت ممانعت ہے کیونکہ قدیم روایتی تعلیم کے موافق مردہ جسم بھی تکلیف سے اتنا ہی آگاہ رہتا ہے جتنا زندہ جسم کسی نعش کی ہڈیوں کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسا یہ فعل زندگی میں کیاجائے مشکوٰۃ شریف V بابVI حصہ II۔

(۷۵) ڈی،لیث صفحہ ۹۱

(۷۶) ٹیری صفحہ ۲۰۱،ایک شخص کو کہنا چاہیے "السلام علیکم"(تم پر سلامتی ہو)اور دوسرے کو جواب دینا چاہیے "وعلیکم السلام"(اور تم پر بھی سلامتی ہو)جو شخص پہلے آتا ہے یا پہلے دوسرے شخص کو دیکھتا ہے اسی کو پہلے سلام کرنا چاہیے جو نہایت قابل تحسین ہے اس میں اعلیٰ اور ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اگرچہ ادنیٰ لوگوں سے پہل کرنے کی توقع کی جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ہلس کی "فرہنگ اسلام" فن تسلیمات دیکھئے۔

(۷۷) ڈی لیث صفحہ ۸۱

(۷۸) معاصر عالمگیری ترجمہ صفحہ ۶۲،اس کے بارے میں مسلمان بزرگان دین،اولیاء، صوفی کرام نے سلاطین سے جنگ و جدال کی ہے۔ اول الذکر حضرات نے حکمراں کے سامنے

تعظیمی سجدہ کرنے یا سر جھکانے سے انکار کیا ہے اور آخر الذکر لوگوں کو مشتعل برانگیختہ کیا ہے "بہارستان" باب I صفحہ ۱۳۸ "بدایونی" متن باب I صفحات ۳۹۹، ۴۰۴ ملاحظہ کیجئے۔

(۷۹) مخطوط دریا خاں آفریدی، اخبارات جے پور، آرچیوس ڈگس۔

(۸۰) ٹیری صفحہ ۱۹۹

(۸۱) سیر ترجمہ باب I صفحات ۳۴، ۴۳۶۔

(۸۲) "مکریری" باب III صفحہ ۲۵۲

(۸۳) مانڈیلسلو صفحہ ۶۴

(۸۴) "ٹیری" صفحات ۱۹۹، ۱۸۰، ۱۸۱،

(۸۵) بیان مذکورہ صفحہ ۲۰۰

(۸۶) "رواور فرائز" صفحات تھیوناٹ باب III صفحہ ۱۰۳ "پیٹر منڈائی" باب II صفحہ ۹۶

(۸۷) "فرشتہ از برگس" باب III صفحہ ۳۹ باب IV ۲۵۷ سیر ترجمہ باب I صفحہ ۳۴ پیٹر منڈائی باب II صفحہ ۹۷، پی لیلاویل صفحہ ۲۲۶۔

(۸۸) "ڈی لیٹ" صفحہ ۹۲ "ٹیری" صفحہ ۱۹۶ کھانا کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا سنت ہے۔ آج کل بھی سخت گیر جدت پسند ملا کو چمچہ اور کانٹے سے کھانا کھانے کے بعد اپنی صاف انگلیاں چاٹتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ عمل صرف اس عادت کی بدولت ہوتا ہے جو اضافی تقویٰ کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ جب رسول خدا کی تقلید کی جاتی ہے جو اپنی انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔

☆☆☆

پانچواں باب

کچھ اہم فرقے

ہندستان کی سرزمین فرقہ بندی اور مذہبی فرقوں کے فروغ کے لیے بہت نم ہے۔ اسلام جس میں روایتی طور سے پہلے ہی سے تہتر (۷۳) فرقے ہو چکے تھے، ہندستان میں اسلام اور زیادہ منتشر ہو گیا۔ جب سے یہ اس ملک میں داخل ہوا۔ بلاشبہ مسلم ملت کی اکثریت سنی تھی۔ لیکن جن لوگوں نے اسلام کو قبول کیا تھا فی الفور تبدیل نہیں ہوئے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے اپنی بدعت رسومات کو قائم رکھا۔ ہندستانی مسلمانوں میں کچھ فرقے اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہندستان سے ہی مخصوص ہیں۔ کسی اور جگہ نہیں پائے جاتے۔ علاء الدین کے زمانہ سے ہی ہمیں فرقوں کی موجودگی ملتی ہے جو نہایت مکروہ[1] و مذموم اور نفرت انگیز رسومات کے مقلد ہیں۔ سلطان فیروز تغلق نے برائیوں کی بیخ کنی کی رایگاں[2] کوشش کی "دبستان مذاہب" یا مذہبی[3] فرقوں کے کتب کا مصنف سترہویں صدی کے وسطی کے حالات تحریر کرتے ہوئے متعدد مذہبی فرقوں ان کے عقائد اور رسومات کا تذکرہ کرتا ہے۔ جن میں بیشتر بے انتہا نفرت انگیز ہیں معاملات کی تاسف انگیز اور شرمناک کیفیت سخت گیری کے نظریہ سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ ملت اسلام میں اخلاقی تنزل تھا۔ اور زیر مطالعہ[4] دور میں اسلام کی مذہبی حیثیت میں انحطاط سرایت کر گیا تھا۔ پیغمبر خدا نے پیشین گوئی کر دی ہے، میری امت تہتر[5] فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور سوائے ایک فرقہ کے ان میں سے ہر ایک جہنم میں جائے گا۔ جب دریافت کیا گیا وہ کون سا فرقہ ہے، جس پر آفتاب نجات روشن ہو گا؟ آنحضرت رسول خدا نے ارشاد فرمایا: "اہل سنت والجماعت" پھر سوال کیا گیا "وہ کون ہیں؟

حضور پرنورؐ نے جواب دیا "وہ لوگ جو میرے اختیار کردہ راستہ پر چلیں گے اور میرے بعد میرے صحابہ کرامؓ اس پر پیش قدمی کریں گے"۔

متذکرہ بالا حدیث میں آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کے تحت سنی لوگ حق جتلا سکتے ہیں اور جتلاتے ہیں کہ وہ راسخ العقیدہ فرقہ ہے۔ سنی وہ شخص ہے جو سنت رسول خدا کی تقلید کرتا ہے یا پیغمبر صاحب کے اعمال وافعال حسنہ کی تقلید کرتا ہے بطور اختصار کہا جاسکتا ہے کہ وہ (سنی) ابتدائی چار خلفاءؓ کو پیغمبر صاحب کے صحیح جانشین تسلیم کرتا ہے اور احادیث کی چھ کتابوں؎ کو قبول کرتا ہے اور چار ائمہ کے مکاتب راسخ العقیدہ فقہ میں سے ایک سے اپنی ذات کو وابستہ کرتا ہے۔ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ان چار ائمہ؎ عظام کے اجماع کو اپنی ذات پر لازم تصور کرتا ہے۔ جز فقرہ "راسخ العقیدہ" سے سنیوں کا مفہوم لیا جاتا ہے اور وہ تعداد کے لحاظ سے دیگر فرقوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔ زمانہ حال میں بجز "ایران" تمام اسلامی ممالک میں ان کا غلبہ ہے۔ ہندستان میں ہمارے زمانہ میں مکتب حنفی کے سنی لوگ غالب؎ تھے۔

مسلم مصلح تقریباً سب ہی سنی تھے۔ اصلاح کا مفہوم لوگوں کو تقویٰ اور نیکی کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جیسا کہ پیغمبر صاحب نے اپنی تعلیم سے واضح کیا ہے اور جس پر آنحضرت رسول اکرم نے بذات خود عمل کیا ہے۔ اسلام میں فرقہ بندی، جانشینی کے سوال پر مرکوز ہے کہ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سنی تبلیغ کے فرائض کو کون انجام دے اور ملت اسلامیہ کا دنیاوی افسر اعلیٰ کون ہو۔ یہ ہی وہ چٹان ہے، جس پر اسلام دو فرقوں میں منقسم ہو گیا۔ شیعہ اور سنی اور بعدہ فرقہ بندی کی تعداد میں اضافہ ہی؎ ہوتا گیا۔ خوارجی کی اصل ونسل سے حقیقت کی تشریح ہوتی ہے، جس کے لغوی معنی منقطع ہونے کے ہیں۔ یہ قدیم ترین؎ مذہبی فرقہ ہے۔ تعداد اور اہمیت کے لحاظ سے شیعہ حضرات دوسرے نمبر پر آتے ہیں۔ "دبستان کا مصنف تذکرہ کرتا ہے" شیعہ فرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے ورثاء کی خلافت اور امامت سے خصوصی وابستگی رکھتا ہے اور ان کا خیال ہے کہ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے عیال سے آگے نہیں جاتی ہے وہ کہتے ہیں کہ امامت

خصوصی اختیاری معاملہ کا سوال نہیں ہے جو لوگوں کے اعلیٰ صاحب اقتدار کے ارد گرد مرکوز ہو اور عوام ہی کو امام کا انتخاب کرنا چاہیے بلکہ حقیقی فیصلہ وہ ہے جو اپنی اصلیت اور تقویت کو عقیدہ کے ستونوں سے اخذ کرے[13] شیعہ حضرات پرزور طریقہ سے انکار کرتے ہیں کہ جانشینی انتخاب کے ذریعہ سے طے ہو نتیجہ کے طور پر وہ لوگ ابتدائی تین خلفاء کے منکر ہیں (اکثر تحقیر کرتے ہیں) ان کو غاصب تصور کرتے ہیں۔ جانشینی کے اس سوال پر ان کے خصوصی نظریات نے عجیب و غریب مذہبی بنیادی اصولوں کی تشکیل کی جن کے باعث ان کے اور راسخ العقیدہ لوگوں کے درمیان خلیج کو اور بھی زیادہ چوڑا کر دیا[14] لیکن معاملہ وہیں پر ختم نہیں ہوا خود شیعہ حضرات کے عہدہ امام کے باہمی تنازعات موجب فرقہ بندی ثابت ہوئے اور شیعہ ملت کو متعدد ادنیٰ فرقوں میں منقسم کر دیا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تعداد کے لحاظ سے تقریباً ان کے ستر فرقے ہیں ہر ایک فرقہ دوسروں سے عداوت[15] رکھتا ہے۔

"اسماعیلیہ" ایک اور منکر فرقہ ہے اور شیعہ حضرات کا ایک ممتاز چھوٹا فرقہ ہے۔ اس مذہبی فرقہ کے بارے میں مصنف "دبستان" نے حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔ "اسماعیلی" شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو (چھٹویں امام) حضرت امام جعفر صادق کے بیٹے حضرت اسماعیل صاحب کے مطیع و مقلد ہیں۔ وہ حضرت اسماعیل کو اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے قول کے مطابق حضرت امام جعفر نے ان کو امامت سپرد کی تھی۔ وہ شریعت کے مطابق عمل نہیں کرتے ہیں وہ خدا کے وجود یا عدم وجود کے بارے میں کچھ نہیں کہتے ہیں۔ کائنات کے وجود یا عدم وجود کے متعلق بھی تذکرہ نہیں کرتے ہیں۔ خدا قادر مطلق ہے یا نہیں اس بارے میں بھی کچھ نہیں کہتے۔ خدا کی[17] دیگر صفات کے بارے میں بھی اسی طرح کی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ اسماعیلیہ لوگ اپنی مذہبی کتاب کی رو سے اس عقیدہ کے قائل ہیں کہ اسلامی شریعت اور اخلاقی اصولوں پر عمل کرنے سے ان کی غیبی کتاب نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کو بدنام کرنے والوں کا یقین ہے کہ ان کو ہر قسم کی بدی، بدچلنی اور اخلاقی قانون کا انکار کرنے کا حق حاصل ہے۔ ممنوع قسم کی شادیاں کرنے اور خلوت[18] میں محرمات کے ساتھ مباشرت کرنے کے الزام میں وہ ملوث قرار دیے جاتے ہیں۔ خوجہ[19] اور بوھرا[20] بھی اسماعیلیہ

فرقہ کے دیگر چھوٹے فرقے ہیں۔ "کاٹھیاوار اور گجرات" میں خوجہ لوگ ان ہندوؤں پر مشتمل ہیں جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام قبول کر لیا تھا "سید امام الدین" درویش نے ان کو مشرف بہ اسلام کیا تھا جن کا مقبرہ "کرماتاہ" میں تھا جو (احمد آباد سے ۹ میل باہر تھا) یہی ان لوگوں کی خاص زیارت گاہ تھا۔ وہ اپنے روحانی رہبر کا پرستانہ طور سے احترام و تعظیم کرتے تھے۔ اس کے پیروں کی انگلیوں کو چومتے تھے اور اس کے پیروں پر سونے اور چاندی کے ڈھیر لگاتے تھے اور روحانی پیشوا پس پردہ شاہانہ شان و شوکت سے بیٹھتا تھا۔ ہندستان کے مغربی حصہ میں "بوہرا" لوگ ریٹیل تجار کی حیثیت رکھتے تھے اور ماورائے بحر بہترین تجار کی فراہمی "بوہرا" ہی کی بدولت تھی۔ بہت سال گزرے ایک مشہور مسلم درویش نے ان "بوہروں" کو تبدیل مذہب کر کے شیعیت سے وابستہ کر دیا۔ گجرات کے ایک مطلق العنان سلطان نے ان میں سے بہت سوں کو سنی بنادیا اور اس طرح نزاع پیدا کر کے پھوٹ کے عنصر کی ابتدا کر دی۔ جب ہی سے "بوہرا" لوگ دو فرقوں میں منقسم ہو گئے اور اپنے مذہبی اختلافات کی وجہ سے بڑی شدت کے ساتھ جنگ و جدال کرتے رہتے ہیں "بوہرا" لوگوں کے شادی، طلاق اور وراثت وغیرہ کے قوانین کئی نکات کے لحاظ سے سنیوں کے قوانین سے مختلف ہیں۔ انہوں نے پانچ وقت کی نماز جو سنیوں پر لازم ہے، کم کر کے عملاً تین وقت کی نماز کر دی وہ بھی شیعوں کی طرح ہاتھوں کو سیدھا دونوں طرف چھوڑ کر نماز ادا کرتے ہیں جب کہ سنی لوگ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔

"روشنیا" ایک صوفی فرقہ ہے، جس کی داغ بیل ایک افغانی صوفی میاں "بایزید انصاری" نے ڈالی تھی جن کا لقب "پیر روشن" تھا۔ "اخند درویش" ایک معزز افغان درویش نے تمسخر کے طور پر ان کو "پیر تاریک" کا خطاب دیا اور اس فرقہ کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کو اصحاب تاریک کا نام دیا گیا۔ بایزید انصاری پنجاب میں پیدا ہوئے تھے اور سولہویں صدی کے وسط میں ان کا اقبال تھا۔ شروع میں وہ پارسا دین دار مسلمان تھے۔ بعد میں انہوں نے اسلام کی خارجی رسومات کو ترک کر دیا اور غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ان کے اقوال میں سے بہت سے "دبستان" میں مذکور ہیں۔ ان اقوال سے محکم دلیل، خالص

اخلاقیات اور پر جوش تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی قوم اپنے زمانہ اور ذاتی تحفظ کے جوش
وخروش میں آکر وہ مغلوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوئے۔ ان کی اور ان کے بیٹوں کی تاریخ
سترہویں صدی کے وسط تک چلی آتی ہے۔ یہ تذکرہ دلچسپ ہے کہ انہوں نے چار زبانوں
میں تصانیف کی ہیں۔ عربی، فارسی، پشتو اور ہندی (یعنی سنسکرت) اور اس فرقہ کی مذہبی
کتاب "خیر البیان" بھی چاروں زبانوں میں ملتی ہے۔[27]

اکبر کے دین الٰہی کو "توحید الٰہی" بھی کہا جاتا ہے "دبستان" میں اس کا تذکرہ بھی اسلام
کے ایک فرقہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور اس کے چار موضوعات قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا
خلافت اللہ کا نمودار ہونا دوسرا مذاہب پر مباحثہ، تیسرا ستاروں کے اوصاف، چوتھا اور آخری
اس فرقہ کی شریعت کا مخزن یا عرش آشیانی[28] جلال الدین محمد اکبر کے اقوال، صوفیوں کے
فرقہ کے متعلق کافی تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ "دین الٰہی" اک دم
ناپید نہیں ہوگیا۔ یہ فرقہ اکبر کے ساتھ معدوم نہیں ہوگیا۔ جہانگیر نے اپنے والد کی
روایات کو جاری رکھا اور چیلوں کی بھرتی کی[29] شاہجہاں نے عادل خاں کو آخر الذکر کی استدعا[30]
پر شبیہ اور عہد نامہ مع نشانی پنجہ عطا کیا تھا۔ اورنگ زیب کے ایام حکومت میں بھی ایک آدمی
بنگال سے پیدل سفر کر کے اورنگ زیب کے دربار میں اس کا چیلا[31] ہونے کی غرض سے آیا
تھا۔ ہمارے زمانہ میں بھی اس فرقہ کے عقائد کا وجود ہے حالانکہ نام باقی نہیں رہا۔[32]

"دبستان" کا مصنف ہندؤں میں ایک فرقہ کا تذکرہ کرتا ہے، جنہوں نے مسلم صوفیوں
کا طرز اختیار کر لیا تھا۔ ظاہرہ طور پر وہ ایسے ہندو تھے جو نو مسلم ہوگئے تھے اور حلقہ اسلام میں
داخل تو ہوگئے تھے، لیکن انہوں نے اپنے قدیم عقیدہ کی متعدد خصوصیات کو برقرار رکھا تھا
صوفیوں کے بہت سے اصول اور نظریات ان میں مشترکہ تھے وہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کے
چودہ فرقے ہیں۔ وہ حجت کرتے تھے کہ انہوں نے تعلیمات پیغمبر صاحب سے کوئی چیز بھی
لے کر بار احسان نہیں اٹھایا یا برخلاف اس کے پیغمبر صاحب نے بہت سی عمدہ باتیں ان سے
اخذ کر لیں۔[33]

زیر مطالعہ دور میں مسلم صوفیوں کا فرقہ ہندستان کے اندر متعدد صورتوں میں تھا۔ ان

میں مشہور ترین صف اول کے صوفیاء کرام مداری تھے مداری حضرات سنیاسیوں کی طرح اپنے جسم پر بھسم ملتے تھے۔ بھنگ کا استعمال حد سے زیادہ کرتے تھے اور ہمیشہ آگ کے سامنے بیٹھتے تھے اپنی گردنوں کے چاروں طرف بیڑیاں ڈالتے تھے کالے جھنڈے لیے رہتے تھے اور کالی پگڑیاں پہنتے تھے۔ اسلام کے عائد کردہ روزہ نماز کی ادائیگی نہیں کرتے تھے۔ ان کے قول کے مطابق جب رسول مقبول کو معراج (الف) سے نوازا گیا اور جب آنحضرت عرش پر پہنچے تو عرش کا دروازہ سوئی کے ناکے کی طرح تنگ معلوم ہوا۔ تب جبریل (ب) فرشتہ نے پیغمبر صاحب سے "مدار" کی مدد لینے کی التجا کرنے اور "دم (ج) مدار" کہنے کے لیے کہا۔ پیغمبر صاحب نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ دروازہ چوڑا ہو گیا اور آنحضرت عرش میں داخل (د) ہو گئے۔ مداری حضرت شیخ بدیع الدین عرف شاہ مدار کے مقلد ہیں۔ اور خود کو سنی سمجھتے ہیں سال میں ایک مرتبہ ملک کے تمام حصوں سے مسلمان لوگوں کا "مکن پور" (یوپی) میں اجتماع ہوتا ہے اسی جگہ مدار شاہ کا مزار شریف ہے عورتیں جو مزار شریف میں داخل ہو جائیں ایسی تکلیف محسوس کرتی ہیں گویا ان کو زندہ جلایا جا رہا ہو

"جلالیان" سید جلال الدین بخاریؒ کے مقلد ہیں (۱۳۰۷ء ..... ۱۳۷۴ء) سید جلال الدین بخاری۔ بہاؤ الحق کے مرید تھے جو "ملتان" کے سہروردی درویش تھے جن کا مزار شریف "بھاول پور" ریاست میں اُچ کے مقام پر ہے یہ لوگ شیعہ مذہب کے ماننے والے ہیں۔ چونکہ مداری لوگ سنی تھے اسی بنا پر ان دونوں فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گالی گلوچ اور بدزبانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس فرقہ کے افراد نہ تو روزہ رکھتے تھے اور نہ نماز پڑھتے تھے اور صوفیا کرام کی تجویز کردہ ہدایات تقویٰ پر عمل کرنے کی ان کو فکر نہیں ہوتی تھی یہ لوگ بھنگ کھاتے تھے۔ ان کو سانپ، بچھوؤں کا کھانے والا بھی بتلایا گیا ہے۔ ان لوگوں میں سے جب ماہرین کو سانپ دیکھنے کا اتفاق ہوتا تھا تو وہ سارا سانپ اپنے منہ پر رکھتے تھے اور نگل جاتے تھے اور یہ کہہ دیتے تھے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مچھلی تھی بچھو کھانے میں وہ کہتے تھے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جھینگا مچھلی تھی۔ اور چھوٹے کیڑوں کو اس مقدس شخصیت کے کیکڑوں سے تعبیر کرتے تھے۔ مداری حضرات کی طرح

"جلالیان" شدید ترین ٹھنڈ میں بھی تقریباً ننگے ہی چلتے پھرتے تھے مداری لوگوں کی مانند یہ بھی آگ کے سامنے بیٹھتے تھے۔ یہ لوگ گیسو نہیں رکھتے تھے۔ اپنے جسم کے چار حصوں کے بال مونڈھتے تھے اور سیر و گشت کی زندگی بسر کرتے تھے۔[21] مصنف "دبستان" تذکرہ کرتا ہے ان کا پیر روزانہ ایک عورت کے ساتھ نئے تعلقات پیدا کرنے کا تجسس کرتا ہے۔ جب کبھی اس کو اپنے مریدوں میں کسی عمدہ لڑکی کا علم ہوتا ہے تو وہ شہنائیاں بجانے کے احکامات جاری کرتا ہے۔ گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر ان کے گھر جاتا ہے، لڑکی کے ساتھ اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کرتا ہے، جس کو وہ کبھی کبھی اپنے گھر بھی لے جایا کرتا ہے لیکن شادی[22] کبھی نہیں کرتا ہے"۔

لوگوں کا ایک اور فرقہ تھا جو اپنے کو بے قائد اور بے نوا کہتے تھے۔ وہ کسی سے بجز ضروری کھانے پینے کی اشیا کے کچھ نہیں لیتے تھے۔ اور بطور لازمی لباس کے وہ لوگ خرقہ (پیوند دار کرتا) پہنتے تھے سڑکوں پر سے جمع کردہ دھجیوں سے خرقہ سیا جاتا تھا۔ جب وہ کسی سے کچھ مانگتے تھے تو بدزبانی کرتے تھے اور اس کو گالیاں دیا کرتے تھے "دبستان" کا مصنف ذکر کرتا ہے، ان کا نظریہ ہے کہ خدا ایک روح ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جسم ہیں آنحضرت رسول اکرم کے چار صحابہ دو ہاتھ اور دو پیر ہیں اور دم مدار یعنی مدار خدا کی روح ہے"۔ وہ لوگ مختلف قسم کی نشہ آور اشیاء کھاتے تھے اور وہ وحدت الوجود خداوندی کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ زہد و تقویٰ میں مصروف رہتے تھے۔[23] کشمیر کے "کسکائی لوگ ابراہیم کسکاک کے پیرو تھے" جو جہانگیر کے ہمعصر کہے جاتے ہیں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ "ابراہیم کسکاک" ایک شخص کو اس پر نظر ڈالنے سے ہی بے ہوش کر دیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے پیچھے پیچھے چلا جاتا تھا۔ ان کے مرید بھی اس فن میں شہرت کے حامل تھے۔ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں سے اپنے متعدد مرید بنا لیے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے مریدوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے کی کبھی ترغیب نہیں دی۔ انہوں نے نہ مسلمانوں کی تعریف کی اور نہ ہندوؤں کی مذمت کی۔ انہوں نے اسلامی پیغمبروں اور ہندو اوتاروں کا کبھی نام تک نہیں لیا۔ بجز رام اور اللہ۔ رات کو نہ تو وہ سوتے تھے اور نہ ان کے

فرقہ کے دیگر چھوٹے فرقے ہیں۔ "کاٹھیاوار اور گجرات" میں خوجہ لوگ ان ہندوؤں پر مشتمل ہیں جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کر کے اسلام قبول کر لیا تھا "سید امام الدین" درویش نے ان کو مشرف بہ اسلام کیا تھا جن کا مقبرہ "کرماتاہ" میں تھا جو (احمد آباد سے ۹ میل باہر تھا) یہی ان لوگوں کی خاص زیارت گاہ تھا۔ وہ اپنے روحانی رہبر کا پرستانہ طور سے احترام و تعظیم کرتے تھے۔ اس کے پیروں کی انگلیوں کو چومتے تھے اور اس کے پیروں پر سونے اور چاندی کے ڈھیر لگاتے تھے اور روحانی پیشوا پس پردہ شاہانہ شان و شوکت سے بیٹھتا تھا۔ ہندستان کے مغربی حصہ میں "بوہرا" لوگ رذیل تجار کی حیثیت رکھتے تھے اور ماورائے بحر بہترین تجار کی فراہمی "بوہرا" ہی کی بدولت تھی۔ بہت سال گزرے ایک مشہور مسلم درویش نے ان "بوہروں" کو تبدیل مذہب کر کے شیعیت سے وابستہ کر دیا۔ گجرات کے ایک مطلق العنان سلطان نے ان میں سے بہت سوں کو سنی بنا دیا اور اس طرح نزاع پیدا کر کے پھوٹ کے عنصر کی ابتدا کر دی۔ جب ہی سے "بوہرا" لوگ دو فرقوں میں منقسم ہو گئے اور اپنے مذہبی اختلافات کی وجہ سے بڑی شدت کے ساتھ جنگ و جدال کرتے رہتے ہیں "بوہرا" لوگوں کے شادی، طلاق اور وراثت وغیرہ کے قوانین کئی نکات کے لحاظ سے سنیوں کے قوانین سے مختلف ہیں۔ انہوں نے پانچ وقت کی نماز جو سنیوں پر لازم ہے، کم کر کے عملاً تین وقت کی نماز کر دی وہ بھی شیعوں کی طرح ہاتھوں کو سیدھا دونوں طرف چھوڑ کر نماز ادا کرتے ہیں جب کہ سنی لوگ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔

"روشنیا" ایک صوفی فرقہ ہے، جس کی داغ بیل ایک افغانی صوفی میاں "بایزید انصاری" نے ڈالی تھی جن کا لقب "پیر روشن" تھا۔ "اخند درویش" ایک معزز افغان درویش نے تمسخر کے طور پر ان کو "پیر تاریک" کا خطاب دیا اور اس فرقہ کے ساتھ وابستگی رکھنے والوں کو اصحاب تاریک کا نام دیا گیا۔ بایزید انصاری پنجاب میں پیدا ہوئے تھے اور سولہویں صدی کے وسط میں ان کا اقبال تھا۔ شروع میں وہ پارسا دین دار مسلمان تھے۔ بعد میں انہوں نے اسلام کی خارجی رسومات کو ترک کر دیا اور غور و فکر میں مصروف ہو گئے۔ ان کے اقوال میں سے بہت سے "دبستان" میں مذکور ہیں۔ ان اقوال سے محکم دلیل، خالص

اخلاقیات اور پر جوش تقویٰ ظاہر ہوتا ہے۔ اپنی قوم اپنے زمانہ اور ذاتی تحفظ کے جوش و خروش میں آکر وہ مغلوں کے خلاف جنگ پر آمادہ ہوئے۔ ان کی اور ان کے بیٹوں کی تاریخ سترہویں صدی کے وسط تک چلی آتی ہے۔ یہ تذکرہ دلچسپ ہے کہ انہوں نے چار زبانوں میں تصانیف کی ہیں۔ عربی، فارسی، پشتو اور ہندی (یعنی سنسکرت) اور اس فرقہ کی مذہبی کتاب "خیر البیان" بھی چاروں زبانوں میں ملتی ہے۔[22]

اکبر کے دین الٰہی کو "توحید الٰہی" بھی کہا جاتا ہے "دبستان" میں اس کا تذکرہ بھی اسلام کے ایک فرقہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور اس کے چار موضوعات قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا خلافت اللہ کا نمودار ہونا دوسرا مذاہب پر مباحثہ، تیسرا ستاروں کے اوصاف، چوتھا اور آخری اس فرقہ کی شریعت کا مخزن یا عرش آشیانی[23] جلال الدین محمد اکبر کے اقوال، صوفیوں کے فرقہ کے متعلق کافی تذکرہ ہوتا چلا آیا ہے، لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ "دین الٰہی" اک دم ناپید نہیں ہو گیا۔ یہ فرقہ اکبر کے ساتھ معدوم نہیں ہو گیا۔ جہانگیر نے اپنے والد کی روایات کو جاری رکھا اور چیلوں کی بھرتی کی[24] شاہجہاں نے عادل خاں کو آخر الذکر کی استدعا[25] پر شبیہ اور عہد نامہ مع نشانی پنجہ عطا کیا تھا۔ اورنگ زیب کے ایام حکومت میں بھی ایک آدمی بنگال سے پیدل سفر کر کے اورنگ زیب کے دربار میں اس کا چیلا[26] ہونے کی غرض سے آیا تھا۔ ہمارے زمانہ میں بھی اس فرقہ کے عقائد کا وجود ہے حالانکہ نام باقی نہیں رہا۔[27]

"دبستان" کا مصنف ہندوؤں میں ایک فرقہ کا تذکرہ کرتا ہے، جنہوں نے مسلم صوفیوں کا طرز اختیار کر لیا تھا۔ ظاہرہ طور پر وہ ایسے ہندو تھے جو نو مسلم ہو گئے تھے اور حلقہ اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے، لیکن انہوں نے اپنے قدیم عقیدہ کی متعدد خصوصیات کو برقرار رکھا تھا صوفیوں کے بہت سے اصول اور نظریات ان میں مشترکہ تھے وہ ظاہر کرتے تھے کہ ان کے چودہ فرقے ہیں۔ وہ حجت کرتے تھے کہ انہوں نے تعلیمات پیغمبر صاحب سے کوئی چیز بھی لے کر بار احسان نہیں اٹھایا بر خلاف اس کے پیغمبر صاحب نے بہت سی عمدہ باتیں ان سے اخذ کر لیں[28]

زیر مطالعہ دور میں مسلم صوفیوں کا فرقہ ہندستان کے اندر متعدد صورتوں میں تھا۔ ان

مرید رات کو سوتے تھے۔ صبح تک پیٹھ سے پیٹھ لگا کر بیٹھے رہتے تھے وہ عام طور سے کنوارے پن کا اصول مانتے تھے اور خداوند کریم کے وحدت الوجود میں عقیدہ رکھتے تھے اور بھنگ کا استعمال حد سے زیادہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے ابراہیم کسکاک سے بھنگ نہ پینے کو کہا کیونکہ "بھنگ پینے والے پل صراط پر سے نہیں گزریں گے[24]" کسکاک نے جواب دیا بھنگ پینے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے آؤ ہم پل کے اس طرف ایک شہر کی تعمیر کر لیں۔ اور اس کو "بھنگ پور" کہیں۔ اور پل[25] صراط پر سے گزرنے کا خیال تک نہ لائیں" پیارے چشتی[26] لوگ بابا پیارے سے وابستہ[27] تھے۔ جب بھیک کے واسطے باہر جاتے تھے، وہ ایک گھریا دکان کے سامنے کھڑے ہو جاتے تھے نہ کسی چیز کو دیکھتے تھے نہ کچھ کہتے تھے اور کوئی چیز کبھی نہیں مانگتے تھے۔ جو کچھ ان کو دیا جاتا تھا قبول کر لیا کرتے تھے اور جب ان کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا وہ چلے جایا کرتے تھے[28] وہ اسلامی طرز رکھتے تھے[29] لیکن مسلمانوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے تھے۔

یہ تذکرہ کرنا دلچسپ ہے کہ ان تمام فرقوں کے ماننے والے فرقہ پرستی سے بالاتر نہیں تھے۔ مصنف "دبستان" ذکر کرتا ہے کہ ایک مرتبہ ننگے مداری اور جلالی فرقوں کی ایک فوج ہندوؤں کے ایک تیرتھ گاہ پر آئی جہاں سنیاسیوں کا ایک بڑا اجتماع تھا۔ مسلم فرقہ کے افراد ایک گائے لائے اور اس کو ذبح کرنا چاہا۔ سنیاسیوں نے ان سے گائے کو خرید لیا دوسری مرتبہ پھر وہ گائے کے ساتھ آئے سنیاسیوں نے پھر اس کو خرید لیا وہ برانگیختہ ہو گئے اور اپنی تعداد کا شمار کر کے تیسری گائے لائے اور اس کو ذبح کر دیا۔ اس پر سنیاسیوں کو طیش آ گیا۔ ان پر حملہ کر دیا۔ ایک جنگ شروع ہو گئی۔ جس میں سنیاسیوں کا غلبہ رہا اور کئی سو جلالی اور مداری مار دیئے۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

پانچواں باب

(۱)　حضرت امیر خسرو نے علاء الدین کے زمانہ کے اصحاب اباحت کے بارے میں تحریر کیا ہے "یہ انکشاف ہوا کہ ان بدبخت بے شرم لوگوں میں ماؤں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اور خالاؤں نے اپنے بھانجوں کے ساتھ زن و شوہر کے تعلقات پیدا کر لیے تھے اور باپ اپنی بیٹی کو اپنی دلہن بنالیا کرتا تھا بھائیوں اور بہنوں میں مباشرت ہوتی تھی" (خزائن الفتوح متن صفحہ ۲۱، ترجمہ صفحہ ۱۲) رچرڈسن کے مطابق اباحت کے معنی باضابطہ اجازت کے ہیں۔ اور شہوت پرست شہوت پرستی کو باضابطہ سمجھتے تھے۔ "سٹس" نے "اباحیہ" کے معنی منکر اخلاق عیاش پرستوں کا ایک فرقہ ہے جو تمام چیزوں کو قانون سمجھتے ہیں (فرہنگ اسلام صفحہ ۱۸۸)۔

(۲)　فتوحات فیروز شاہی ایڈیشن III صفحات ۷۸، ۳، ۸۰، ۳۔

(۳)　"دبستان" "ترجمہ از "ڈیوڈشی" اور اے ٹروائر (کتاب کا نام دبستان یا مکتب اطوار دیا ہے "فرانسس" گلیڈون کے احترام کے طور پر عنوان کو محفوظ رکھا گیا، جس نے اس تصنیف کے ایک حصہ کا ترجمہ اسی عنوان کے تحت کیا تھا۔ یہ نظریہ گمراہ کن اور مبہم ہے۔

(۴)　"سر طامس رو" کے تذکرہ کا موازنہ کیجئے وہ کہتا ہے مغلوں میں بہت سے راسخ العقیدہ مسلمان ہیں بہت سے ایسے ہیں، جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقلد ہیں جو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ نئے نئے پیغمبر پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کے اپنے

مبلغ، ملا، مولوی، مساجد، مذہبی، جاں نثار پیرو، طہارت عبادت اور لامحدود رسومات، توبہ وعقوبت، نفس، دنیا میں بدعت کی ایسی عجیب وغریب مثالیں نہیں ہیں۔ رضاکارانہ غریبی، سزائیں صعوبت، عقوبت، عذاب اور مصائب کی بیخ کوئی اور نہیں نکھار سکتا ہے۔ بہت سے مقدس لوگ ہیں، معتزلوگ ہیں۔ لیکن امتزاجی مذہب ہے۔ اپنے پیغمبر اعظم کے صراط المستقیم پر نہیں ہیں" صفحہ ۲۷۳ دیکھئے۔

(۵) تہتر کی تعداد مبہم ثابت ہوئی، وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ فرقوں کی تعداد اس سے آگے نکل گئی۔ ابتدائی مسلم محقق بدعت عبدالقاہر بغدادی اور "شاہ رستانی" (دیگر قابل تذکرہ نہیں) نے بڑی کاوش کے بعد اہل بدعت فرقوں کی تعداد کی تحقیق کی ہے کہ روایتی اسلامی تہتر فرقوں میں سے متعدد فرقے پیدا ہوگئے۔ شاہ رستانی کے قول کے مطابق مغین ستر فرقوں میں منقسم تھے یہودیوں کے اکہتر فرقے ہوگئے عیسائی لوگ بہتر فرقوں میں منقسم ہوگئے اور مسلمانوں کے تہتر فرقے ہوگئے۔ فرقوں میں صرف ایک ہی فرقہ نجات پانے والا ہوتا تھا (بحوالہ دبستان از شی اور فروائر) باب I ۳۲۳ نوٹ

(۶) مشکوٰۃ کتاب I باب VI، ۲، دبستان صفحہ ۲۵۸ یہ تذکرہ کرنا دلچسپ ہے کہ شیعہ حضرات اس حدیث کو رد کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ لوگ دوسری حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ میری امت میں اختلاف ایک برکت ہوگی" اس طرح شیعہ حضرات سنیوں سے حاکمانہ اسلام کے پیروہونے کا حق چھین لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۷) خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ ہیں۔

(۱) پہلا شخص جس نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا حضرت عبداللہ تھے جن کو "حضرت ابو بکر صدیق" کے نام سے معروف کیا جاتا ہے۔ یعنی "کنواری کے والد" کیونکہ آپ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ ہی آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد کنواری زوجہ محترمہ تھیں۔ جن کی پہلے کسی اور شخص سے شادی نہیں ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کو صدیق کے لقب سے بھی نوازا گیا ہے۔ جس کا مفہوم ہے "وفاشعار گواہ" یہ لقب اس وجہ سے دیا گیا کہ یہ

پہلے صحابی تھے، جنہوں نے پیغمبر صاحب کی تبلیغ کے بعد آنحضرت پیغمبر اسلام کے معجزہ سفر معراج یعنی عرش پر پہنچنے کی تصدیق کی تھی۔ ان ہی کی شخصیت تھی جس نے الگ الگ صفحات پر تحریر کردہ آیات قرآن شریف کو اکٹھا کر کے ایک جلد کی شکل دی تھی۔ "المصحف" جس کی حقیقی متن حضرت حفصہ کے پاس جمع کر دی گئی تھی، جو حضرت عمرؓ کی بیٹی تھیں۔ اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں۔ دو سال اور تین مہینے حکومت کرنے کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں انتقال ہو گیا۔

(۲) حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت فاروقؓ کے لقب سے خلیفہ ہوئے۔ فاروق کا مفہوم الگ کرنے والے ہے۔ رسول اکرمؐ نے ان کو فاروق کہا کیونکہ حضرت عمر نے ایک مسلمان کا سر اس کے جسم سے الگ کر دیا تھا۔ اس شخص نے ایک مقدمہ میں پیغمبر صاحب کے فیصلہ سے غیر مطمئن ہو کر مقدمہ کو نظر ثانی کی غرض سے حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا تھا، حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کے بعد خلیفہ ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت عمرؓ میر عادل یا منصف اعلیٰ تھے۔ خلیفہ کی حیثیت سے آپ پہلے شخص تھے، جنہوں نے امیر المومنین کا لقب اختیار کیا تھا۔ یہ ایسا لقب تھا جو ان کے بعد سب ہی جانشینوں سے وابستہ رہا۔ دس سال خلافت کرنے کے بعد ایک ایرانی غلام کے ہاتھوں ان کا قتل ہوا۔ جس کو اپنے آقا کے تشدد کی شکایت کا حسب امید فیصلہ نہیں ملا تھا۔ حضرت عمرؓ سخت منصف مزاج تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا۔ بلکہ خلافت کو انتخابیہ بنانے کی خواہش کی وجہ سے چھ اشخاص نامزد کیے۔ جن کو "اہل شوریٰ" کہا جاتا تھا۔ جو آپس میں ایک شخص کو خلیفہ منتخب کرتے تھے۔

(۳) حضرت عثمان بن عفانؓ کو ان کے ساتھی ذوالنورین کہتے تھے۔ دو روشنیوں کے مالک۔ کیونکہ آپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ شادی کی تھی۔ حضرت رقیہ اور حضرت کلثوم۔ حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف کے اصل متن کی اشاعت کی "المصحف" اور اس سے مختلف نسخوں کو کالعدم کر دیا۔ آپ کی خلافت کے گیارہ سال کے بعد آپ کی شہادت کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ آپ کے خلاف مصر میں سازش ہوئی

تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت کے رشتہ کے بھائی اور داماد تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحب زادی حضرت بی بی فاطمہ خاتون جنت کے شوہر تھے اور ہاشمی خاندان کے اعلیٰ فرد تھے۔ جن کو اہل بیت رسول کے نام سے امتیازی رتبہ حاصل ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا لقب اسد اللہ الغالب یعنی "شیر خدا" یا "فاتح" تھا۔ آپ علم کے مخزن تھے۔ نثری اور شعری بہت سی تصانیف آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ کو ۴۰ھ یعنی ۶۶۰ء میں بمقام کوفہ شہید کر دیا گیا۔ "قاموس اسلام" ملاحظہ کیجئے۔

(۸) یہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ خواہ سنی ہوں یا شیعہ کہ قرآن شریف میں دی ہوئی آیات کے علاوہ پیغمبر صاحب پر وحی غیر مطلع نازل ہوئی، جس کے ذریعہ آپ نے مذہبی سوالات پر فیصلے صادر کئے۔ جو یا تو اخلاقی مسائل ہوتے تھے یا رسومات یا بنیادی اصول ہوتے تھے۔ ان روایات کے لیے عربی الفاظ حدیث استعمال کرتے ہیں۔ جس کی جمع احادیث ہے، جس کے معنی کہاوت کے ہیں اور سنت جس کی جمع سنن ہے یعنی دستور و رواج۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال حسنہ کی تحریر کو احادیث کہتے ہیں جن کی قسمیں سنت الفعل رسول کا کیا ہوا عمل اور سنت القول جس کے احکام جاری کر کے مسلمانوں پر عائد کیا گیا اور سنت التقریر جس کو آنحضرت رسول اکرم کی موجودگی میں کیا گیا اور آپ نے ممنوع قرار نہیں دیا، ان میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے اقوال اور افعال بھی شامل ہیں۔ حسب ذیل صحاح الستہ ہیں جو سنی مسلمانوں کو عطا کی گئیں ہیں۔ (۱) محمد اسماعیل البخاری ۲۵۶ھ (۲) مسلم ابن الحجاج ۲۶۱ھ (۳) ابو عیسیٰ محمد الترمذی ۲۷۹ھ (۴) ابو داؤد السجستانی ۲۷۵ھ (۵) ابو عبدالرحمٰن النسائی ۳۰۳ھ (۶) ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ ۲۷۳ھ "فرہنگ اسلام" از ہفس صفحات ۶۳۹، ۶۴۳۔

(۹) دبستان "از شی" اور ٹراویئر باب II صفحہ ۳۲۲ موازنہ کیجئے۔

اجماع کے لغوی معنی اکٹھا کرنے کے ہیں۔ مسلم علم الوہیت میں مجتہدین کا اتفاق رائے ہے۔ "فرہنگ اسلام" از ہفس صفحہ ۱۹۷ سنیوں کے چار امام حسب ذیل ہیں (۱) النعمان ابن

سبط الکوفی (۸۰ھ-۱۵۰ھ-۶۹۹ء-۷۶۷ء) جو عام طور سے حضرت امام ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہیں (۲) مالک ابن انس (۹۵ھ-۱۷۹ھ-۷۱۳ء-۷۹۵ء) (۳) محمد ابن ادریس الشافعی (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ ابو عبداللہ احمد الشیبانی المروزی ابن حنبل ۱۶۴ھ، ۲۴۱ھ-۷۸۰ء-۸۵۵ء) تفصیلات کے لیے قاموس اسلام ملاحظہ کیجئے۔

(۱۰) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۳۱۴ "برگس، فرشتہ" باب IV صفحات ۴۴۹، ۴۵۰۔

(۱۱) مسلمانوں میں عقیدہ کے متنازعہ نکات کو تخفیف کر کے چار موضوعات عامہ کئے گئے ہیں، جن کو چار بنیادی یا دفعات اساسی کہتے ہیں۔ پہلے کا تعلق صفات اللہ سے ہے اور اس کی وحدانیت والوہیت اسی سے وابستہ ہے۔ دوسرا عقیدہ تقدیر اور عدل متعلقہ تیسرے عقیدہ کا تعلق بشارت ثواب اور خوف عذاب سے ہے۔ چوتھا موضوع تاریخ، دلیل، (فقہ) رسل کی رسالت اور مرتبت امام کے بارے میں ہیں۔ ان پیچیدہ تنازعات کے بارے میں مسلمان مختلف فرقوں میں منقسم ہوگئے ہیں۔ جن کو دو خاص فرقوں میں منقسم کیا جاسکتا ہے۔ راسخ العقیدہ اور بدعتی۔ اول الذکر کو سنی کہتے ہیں اور آخر الذکر کو شیعہ کہا جاتا ہے (دبستان از شی اور ٹراویئر باب I صفحہ ۱۰۱ نوٹ باب II، ۳۲۴ نوٹ۔

(۱۲) "خارجہ" کے معنی باہر چلے جانے کے ہیں۔ مفہوم بغاوت کرنے سے لیا جاتا ہے۔ بعدہٗ اس سے مراد ایک مخصوص معرکہ باغی دین ہوئے خوارجی مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے جن کا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی شخص متقی عورت بھی خلیفہ کے رتبہ پر سرفراز ہو سکتی ہے۔ اگرچہ وہ قریش قبیلہ سے نہ بھی ہو (جس سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وابستہ تھے) صرف شرط یہ ہے کہ اس کو مسلم قوم منتخب کرے۔ وہ صرف حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو سچے خلفاء کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی خلافت کے منکر ہیں (تفصیلات کے لیے "فرہنگ اسلام" از ہفس صفحہ ۲۷۰ دیکھئے) گب "ابن بطوطہ" صفحہ ۳۰۷ "قاموس اسلام" ایس دی بروکلمن "اسلامی اقوام کی تاریخ" صفحہ ۷۰، اے۔ ایس ٹریٹن مسلم دینیات صفحات ۱۸، ۳۵، ۳۸

(۱۳) "دبستان متن" صفحہ ۲۷۰
(۱۴) شیعہ فرقہ کے عقائد واحوال کے لیے متعلقہ تذکرہ از شی اور ٹرائیر باب II صفحہ ۳۶۲

(۱۵) "تذکرہ مذہب ہفتاد وسہ گاں" میں یہ مذکور ہے کہ شیعہ بائیس فرقوں میں منقسم ہیں ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ مصنف دبستان یہ بھی "تذکرہ کرتا ہے کہ "شیعہ حضرات کے مابین امامت کی اولیت کے بارے میں بڑا اختلاف ہے۔ ہر امام کی اولیت و آخریت کے بارے میں دلیل ہے اور ائمہ کی صحیح تعداد کے بارے میں زبردست اختلاف موجود ہے۔" صفحہ ۲۷۰ زیادہ سے زیادہ ائمہ کی تعداد بارہ ہے اور جو شیعہ حضرات بارہ ائمہ کے قائل ہیں ان کو اثنا عشریہ کہتے ہیں یعنی بارہ ائمہ کو ماننے والے بارہ ائمہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ اور امام ۶۶۱ء شہید ہوئے۔ (۲) حضرت حسن علی رضی اللہ عنہ، حضرت علیؓ خلیفہ وامام کے سب سے بڑے بیٹے کو زہر دیا گیا۔ ۶۶۹ء (۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دوسرے بیٹے جنگ کربلا میں شہید کئے گئے۔ ۶۸۰ء (۴) حضرت زین العابدین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے ۷۱۲ء میں وفات پائی۔ (۵) حضرت محمد بکر ابن علی ۷۳۴ء میں زہر دیا گیا۔ (۶) حضرت جعفر صادق ابن محمد ۷۶۵ء میں وفات پائی۔ (۷) حضرت اسماعیل ابن جعفر صادق، اسماعیلیہ فرقہ کے بارے میں احوال دیکھئے۔ ہربیلوٹ نے ساتواں امام حضرت موسیٰ کو بتایا ہے جو حضرت جعفر کے دوسرے لڑکے تھے۔ جن کا لقب "صابر" تھا صبر کرنے والا اور امین وفاشعار امانت رکھنے والا آخر الذکر نے ۷۹۹ء میں وفات پائی۔ (۸) حضرت علی رضا ابن موسیٰ ۸۱۶ء میں زہر دیا گیا۔ (۹) حضرت محمد ابن علی رضا حسن کو حضرت ابو جعفر محمد بھی کہتے ہیں ۸۳۵ء میں وفات پائی۔ (۱۰) حضرت علی عسکری ابن محمد ۸۶۸ء میں زہر دیا گیا۔ (۱۱) حضرت حسن ابن علی عسکری ۸۷۴ء میں زہر دیا گیا (۱۲) حضرت محمد ابن حسن جن کا لقب حضرت مہدی تھا یعنی ہدایت کرنے والا۔ ان کے بارے میں خیال ہے کہ یہ اب بھی زندہ ہیں اور اسلامی دنیا کو نجات دلانے کے لیے ان کا ظہور ہوگا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان

بارہ ائمہ میں سے سات ائمہ کی وفات تشدد آمیز تھی اور دو نے بھی نامعلوم طریقے سے وفات پائی۔

(۱۶) "جعفر" جن کا لقب "صادق" (ٹھیک) ہے۔ محمد بکر کے سب سے بڑے بیٹے تھے محمد بکر پانچویں امام تھے۔ حضرت جعفر ۸۳ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے ۷۰۳ء۔ حضرت جعفر صادق کو چھٹواں امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں میں مذہبی معاملات میں ان کو بڑا مستند سمجھا جاتا ہے۔ ان کے وطن شہر میں ابو جعفر المنصور عباسیہ خاندان کے خلیفہ دوم کے عہد خلافت میں ۱۴۸ھ ۷۶۴ء میں باسٹھ سال کی عمر میں وفات ہوئی۔ ان کے سات بیٹوں میں سے دو بڑے بیٹے حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ تھے۔ حضرت اسماعیل دو میں سے بڑے تھے۔ جن کی وفات ان کے والد صاحب کی حیات میں ہی ہو گئی تھی۔ آخر الذکر نے حضرت موسیٰ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، جس کے باعث مذکورہ بالا جنگ و جدال ہوا۔ متعدد فرقے پیدا ہو گئے اور دو عظیم شاہی حکمرانی خاندانوں کا وجود ہوا۔ مصر میں فاطمی خلفاء حضرت اسماعیل کی شاخ کے ورثا سمجھے جاتے ہیں۔ جو افریقی اسماعیلیہ کہے جاتے ہیں۔ لیکن ایشیا کے صفوی شہنشاہ حضرت امام موسیٰ کو اپنی اصل و نسل کا ماخذ مانتے ہیں۔ اور حضرت امام موسیٰ کے ساتویں امام ہونے کے دعویٰ کو پرزور تقویت دیتے ہیں "دبستان از شی" اور ٹروائر باب II صفحات ۳۹۷، ۳۹۸ اور حاشیہ تشریح ملاحظہ کیجئے۔

(۱۷) مذکورہ متن متعلقہ صفحات ۲۸۰، ۲۸۱

(۱۸) تفصیلات کے لیے "قاموس اسلام" باب II صفحہ ۲۴۶ "شاہی رسالہ اعلان ہند" تالیف کردہ ۱۹۰۸ء باب VII صفحہ ۲۹۱، ایڈیشن II صفحہ ۵۷۱، ۵۷۵، اس فرقہ کے مشہور ترین رہبر حسن صباح تھا۔ (پہاڑوں کا مرد کہنہ) جو فدائی قبیلہ کا بانی تھا اور دیلام میں الموت کے مقام پر اس نے اپنی ساری قوت مرکوز کر دی تھی (شمالی ایران) تالیف کردہ باب II صفحہ ۴۹۰۔

(۱۹) فاطمی یا اسماعیلیہ خلیفہ مستنصر نے ۱۰۳۶ء ۱۰۹۴ء تک حکومت کی تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے مستعلی اور نزار۔ ان کے استحقاق کی رقابت نے فرقہ کو دو شاخوں میں منقسم کر دیا۔

مغربی (مصری اور شمال افریقی) مشرقی (ایران اور سیریائی) بوہرہ لوگوں کا تعلق اول الذکر متعالی شاخ سے ہے اور خوجہ لوگوں کی وابستگی یعنی حسن صباح کے مقتدیوں کا تعلق آخر الذکر یانظر انی فرقہ سے ہے۔ (براؤن، تاریخ ادبیات ایران) باب II صفحات ۱۹۹، ۲۰۴

(۲۰) روایتی تاریخ فرقہ کے مطابق عبداللہ پہلا مبلغ تھا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کھمبے کے مقام پر ۴۶۰ھ (۱۰۶۷ء) میں لنگر انداز ہوا دوسرا مبلغ محمد علی نام کا تھا جو ۵۳۲ھ (۱۱۳۷ء) میں یہاں آپہنچا تھا "اینتھوون" کی تصنیف "بمبئی کے قبائل اور ذاتیں" باب II صفحہ ۲۶۶ "قاموس اسلام" باب I صفحات ۷۳۸، ۷۳۹، ابن بطوطہ بروچ کے قریب گندھار کے مقام پر دولت مند مسلمان جہاز کے مالک ناخدا ابراہیم ابن خوجہ بوہرہ سے ملا تھا۔ (ڈیفریمری IV ۵۸) دیکھئے۔ یہ دونوں فرقے اورنگ زیب کے تشدد کے شکار ہو گئے (سرکار "تاریخ اورنگ زیب" باب III صفحہ ۹۹، باب V صفحہ ۴۲۷، ۴۳۳، ۴۳۴۔

(۲۱) متذکرہ متعلقہ باب V صفحہ ۴۳۴

(۲۲) بدایونی (بیگ) باب III ۸۳، دیکھئے۔

(۲۳) قاضی عبدالوہاب اسی قبیلے سے وابستہ تھے "معاصر الامراء" باب I صفحات ۲۳۵، ۲۴۱، خافی خاں باب II صفحات ۲۱۶، ۲۱۷، سرکار تاریخ اورنگ زیب باب III صفحہ ۹۹ موازنہ کیجئے۔

(۲۴) بمبئی کے قبائل اور ذاتیں از اینتھون باب II صفحہ ۲۲۶، بمبئی کا سرکارا علانیہ رسالہ بھی ملاحظہ کیجئے باب IX حصہ II صفحات ۲۴، ۵۷ "قاموس اسلام" باب II صفحہ ۵۴۹ "شیرنگ ہندو ذاتیں اور قبائل" باب II صفحہ ۱۸۳، ہندوستان بھر میں بوہروں کی تعداد ۳،۷۴،۱۲۹ ۱۸۸۱ء میں تھی۔

(۲۵) "بیلی" "فرہنگ سوانحی شرقیہ" صفحہ ۷۰ دیکھئے۔

(۲۶) "ریورٹی افغانستان پر نوٹس" صفحہ ۷۴ اکبر بادشاہ جو کرشمہ لفظ کا بڑا شوقین تھا۔ اس حسن تضاد سے بے حد خوش ہوا اور اس کے مورخین اس پر تغیرات کی حاشیہ آرائی پر مستعد ہو گئے اور کرشمہ حسن تضاد کی تکرار کی۔

(۲۷) تفصیلات کے لیے "اکبر نامہ" از بیورج دیکھئے باب III صفحات ۶، ۲۰۹، ۷
اور جابجا تذکرہ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحات ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۹، ۶۲۳، ۷، ۶۴۹۔
"بدایونی" (لو) باب II صفحات ۳۵۷، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۶، ۳۶۸، ۳۹۳، ۴۰۱، ۴۰۔ ایشیائی
تحقیقات جلد XI میں ڈاکٹر لیڈن کا مقابلہ "روشنیہ" فرقہ کے موضوع پر دیکھئے۔ ہندستانی
تاریخ۔ کانگریس کی تجاویز از آئی ایچ قریشی ۱۹۴۰ء صفحات ۳۶۴۔ "دبستان" شی اور ٹروائیر"
III باب IX صفحہ ۲۶ ف۔

(۲۸) اس فرقہ کی تفصیل کے لیے متعلقہ تصنیف شی اور ٹروائر III باب X صفحہ ۴۹
ف "اکبر نامہ" بیورج III ۳۶۹، ۷۱، ۳۔ "بدایونی" (لو) II صفحہ ۳۱۴

(۲۹) "تزک" باب I صفحات ۶۰، ۶۱، باب II صفحات ۱۸۱ "بہارستان" باب I صفحہ ۴۷

(۳۰) "بادشاہ نامہ" باب I حصہ II صفحات ۷، ۱۶، ۱۷۴

(۳۱) "معاصر عالمگیری" متن صفحات ۳۲۳، ۳۲۴

(۳۲) "دبستان" از شی اور ٹروائیر باب I Cixxxiv موازنہ کیجئے۔

(۳۳) متن تصنیف مذکورہ صفحہ ۲۱۳

(۳۴) سینوں کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ اس سے پروفیسر ولسن کے بیان کی تصدیق ہوتی
ہے۔ دبستان سے موافقت ہے کہ مداری سنی ہوتے ہیں۔ بحوالہ "دبستان" شی اور ٹروائیر
باب II حاشیہ ۲۲۳ متن صفحہ ۲۱۵

(۳۵) (الف) لغوی معنی اعلی وارفع ہونا "بلند ہونا" اوپر چڑھنا۔ آنحضرت محمد صلی
اللہ علیہ وسلم کے عرش کے سفر کو "اسریٰ" بھی کہا جاتا ہے "سفر شبینہ" معراج کا واقعہ
نبوت کے بارہویں سال پیش آیا۔ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ عبدالحق کے قول کے مطابق کچھ
اولیاء کرام واقعہ معراج کے معجزہ کو محض روایت یا نظارہ مراقبہ تصور کرتے ہیں۔ عبدالحق
نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ لوگوں کی اکثریت معراج کو جسمانی سفر عرش تصور کرتی ہے۔
مزید تفصیل کے لیے فرہنگ اسلام از ہشس صفحات ۳۵۱، ۳۵۲، ۳ دیکھئے۔

(ب) مراد فرشتہ سے ہے۔ جس کے توسط سے قرآن شریف کو آنحضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل کیا گیا۔ قرآن شریف میں صرف دو مرتبہ نام کے ساتھ اس کا تذکرہ آیا ہے تصنیف متعلقہ۔ ایس وی۔

(ج) "دم مدار" اس فرقہ کا خصوصی نعرہ اضطراری ہے (انفرادیکھئے)

(د) "دبستان" متن صفحہ ۲۱۴ ملاحظہ کیجئے۔ علماء شرقیہ کی تصانیف میں شاہ مدار کا بے حد متنازعہ اور روایتی تذکرہ دستیاب ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ مدار ۳۸۳ سال زندہ رہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ان کی درازی عمر کا سبب ان کا اپنی سانس کو روک لینا تھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں۔ (اسی وجہ سے ان کا نام "زندہ شاہ مدار" پڑ گیا) مرأۃ الاسرار اور عورچشمہ کے مشہور مصنف عبدالرحمٰن چشتی نے اپنی تصنیف "مرأۃ مداری" (حیات شاہ مدار) کو بڑی کاوش اور تحقیق کے بعد تالیف کیا تھا۔ انہوں نے مذکورہ بالا درویش کا نہایت سنجیدہ تذکرہ کیا ہے۔ مصنف کے قول کے مطابق شاہ مدار "حلب" کے ایک یہودی خاندان (اسیو) سے وابستہ تھے، جہاں ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ بروز جمعرات بمقام مکنپور ۱۸ جمادی الاول (اب ماہ مدار کہلاتا ہے) ۸۴۰ھ (۱۴۳۶ء) ۱۲۵ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ مزید تفصیل کے لیے "اخبار الاخبار" صفحہ ۱۸۹ جعفر شریف "قانون اسلام" صفحات ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۸۹، ۲۹۰، فرہنگ از روز باب II ۶۰ اف

(۳۶) "خلاصۃ التواریخ" متن صفحات ۴۰، ۴۱ "دبستان از شی اور ٹروائیر" باب II صفحات ۲۲۵، ۲۲۶ "آئین اکبری" از جیریٹ باب III صفحات ۳۷۰

(۳۷) فرہنگ از روز باب III صفحہ ۴۴ موازنہ کیجئے۔

(۳۸) کبھی کبھی ان کو ملتان کے شیخ جلال جہانیہ جہاں گشت "بیلے" کی تصنیف "شرقیہ سوانحی فرہنگ" صفحات ۱۹۳، ۳۱۷ دیکھئے

(۳۹) دبستان متن صفحہ ۲۱۵ جعفر شریف "جلالیان" لوگوں کا حسب ذیل تذکرہ کرتا ہے۔

وہ (جلالیان) ایک اونی گلوبند (پشم) یا مختلف رنگوں کے دھاگوں سے تیار کردہ گلوبند پہنتے ہیں اور ایک لنگ یا لنگوٹی باندھتے ہیں۔ اور ہاتھ میں ایک سونٹا لیے رہتے ہیں سیدھی بانہہ

کے اوپری حصہ میں ایک داغ ہوتا ہے، جو آلہ داغ کے ذریعہ ایک مشعل سے ابتدا ہی میں بنادیا جاتا ہے وہ لوگ بازاروں میں بھیک مانگتے ہیں اگر ان کو خیرات زکوٰۃ نہیں ملتی ہے تو وہ مشعل سے خود کو داغ دیتے ہیں جب کہ دیگر شور وغل کر کے اپنے مقاصد حاصل کر لیتے ہیں۔ پنجاب ان کا مستقل مسکن ہے عبادت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ کافی بھنگ پیتے ہیں سانپ بچھو کھاتے ہیں، سر، مونچھیں اور بھویں منڈواتے ہیں سر کے سیدھی طرف صرف ایک چوٹی چھوڑ دیتے ہیں سیدھے کندھے پر ایک جلا کر داغ دینے کا خصوصی نشان ہوتا ہے شیشہ کے جوشن پہنتے ہیں گردنوں کے چاروں طرف ایک اونی ڈوری ڈالے رہتے ہیں۔ سروں پر ایک کپڑا پڑا رہتا ہے۔ خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کی مستقل رہائش گاہیں نہیں ہوتی ہیں "قانون اسلام" صفحات ۲۹۱، ۲۹۲ دیکھئے "فرہنگ" آزروز باب I صفحہ ۵۵۲ ف باب II صفحہ ۳۵۰ بھی ملاحظہ کیجئے۔ مردم شماری رپورٹ پنجاب ۱۸۹۱ء باب I صفحہ ۱۹۵ ف۔

(۴۰) "دبستان" متن صفحہ ۲۱۵ غالباً حضرت علیؑ کا ہر شب دولہا بن جانے کا عمل موجب دستور ہے۔ "دلہہ اچاریہ" کے چیلے ہندوؤں میں اپنی شادی کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے گرو کے پیش نظر کرتے ہیں۔ ان کو صرف "پرساد" سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہوتی ہے۔ جب "دبستان" کے مصنف نے جلالیوں میں سے ایک شخص سے پوچھا "اے حامد محمد! کیا تمہارا آقا اپنے مریدوں کی بیٹی کو بغیر شادی کئے لے لیا کرتا ہے؟" اس نے جواب دیا۔ صفوی بادشاہ اپنے مریدوں کی بیویوں، بیٹیوں اور بیٹوں کو لے لیا کرتے ہیں اور مریدوں کو اس عمل سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ حامد محمد اسی عمل کو کیوں نہ کرے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حقیقی خلیفہ ہے؟۔ وہ مزید کہتا ہے شہنشاہیت کی ایک نشانی یہ عمل ہے اور پیغمبر صاحب کے خاندان کا خصوصی حق ہے" دبستان از شی اور ٹروائر باب II صفحہ ۲۲۸ ملاحظہ کیجئے۔

(۴۱) بے قائد (آزاد) اور بے نوا (بے سروسامان، بے سہارا) لوگوں کو بھی "داستان" میں ایک فرقہ بتایا گیا ہے۔ بعد میں یہ لوگ الگ الگ دو فرقوں میں منقسم ہو گئے ایک فرقہ کو "بے نوا" اور دوسرے کو "آزاد" اسلام کے "بے سہارا" فرقوں میں سے "بے

نوا" ایک مشہور فرقہ ہے ان لوگوں کو حضرت خواجہ حسن بصری کا پیرو کہا جاتا ہے کبھی کبھی ظاہرہ طور پر اس اصطلاح کو قادری اور چشتی خاندان کے فقراء کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے "آزاد" فقراء کو "مجذوب" بھی کہتے ہیں جو "سالک" سے متضاد ہیں۔ "آزاد" لوگوں کا نظریہ ہے کہ سہارایا "شریعت" عوام کے لیے ہے۔ ان لوگوں کے لیے شریعت کے قیود نہیں ہیں جو معرفت یعنی خداوند کریم کا مکمل علم حاصل کر لیتے ہیں۔ فرہنگ از روز باب II صفحات ۸۰، ۵۲۸ دیکھیے "قانون اسلام" صفحات ۱۶۸، ۲۸۹، ۲۹۵ دیکھیے۔

(۴۲) اس فرقہ کے تذکرہ کے بارے میں "داستان" متن صفحہ ۲۱۶ ملاحظہ کیجئے۔

"منوسی تذکرہ کرتا ہے "...................مغلیہ سلطنت میں مختلف قسم کے غریب لوگ ہیں یا فقراء ہیں جو خیرات وزکوۃ مانگتے ہیں۔ ان میں اہم ترین "بے قائد" "گویا" "آزاد" دوسرے فرقہ کے لوگ "بے ترش گویا بے خوف" کہلاتے ہیں۔ "پہلی قسم کے لوگ غیر مہذب طور طریقہ کو اپناتے ہیں کسی کا احترام نہیں کرتے، خواہ کوئی کسی بھی مرتبہ کا ہو۔ بہت زیادہ گالی گلوچ سے بھرپور زبان اور نہایت بدتمیزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا اپنی پسندیدہ کہاوتیں سناتے ہیں یہ لوگ اکثر بڑے لوگوں کے گھروں میں دلیری و جسارت کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر دربان ان کو اندر جانے سے روکتے ہیں تو وہ سارے خاندان کو گالیاں دیتے ہیں نہ گھر کے مالک کو چھوڑتے ہیں اور نہ ملکن کو بخشتے ہیں۔ گالیاں دینے میں بیٹے، پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیاں بھی نہیں چھوٹ سکتیں۔ آباء واجداد کو بھی بدزبانی کرنے میں نہیں بخشتے۔ ناموں کے ساتھ نہایت غیر مہذب گالیوں کی آمیزش کرتے ہیں۔ باوجود اس کے گھر والے غصہ نہیں دکھاتے بلکہ ملائم الفاظ کہہ کر ان کو رخصت کر دیتے ہیں۔ ان کو کچھ خیرات زکوۃ دے کر ان سے معذرت مانگتے ہیں۔ اگر فقراء کو اندر جانے کی اجازت مل جاتی ہے تو وہ لوگ سیدھے وہاں چلے جاتے ہیں جہاں گھر کا مالک بیٹھا ہو اور اس کے قریب جا کر بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ گندے ہوتے ہیں۔ ان کے پیروں پر کیچڑ ہوتی ہے گندے چیتھڑے پہنے ہوتے ہیں بغیر کسی احترام یا بغیر کسی سلیقہ گفتگو اور تمیز کے وہ لوگ مالک مکان کے منہ میں سے حقہ لے کر اپنے منہ میں لگا لیتے ہیں۔ بڑی تعظیم کے ساتھ مالک مکان اس

عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہے اور کچھ روپیہ دے کر اس شخص کو رخصت کرتا ہے۔ وہ اتنے سرکش، گستاخ اور بد تمیز ہوتے ہیں کہ کبھی کبھی ان کو جو ملتا ہے اس سے ان کو تسلی نہیں ہوتی ہے اس لیے جو کچھ وہ مانگتے ہیں وہی چیز دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ خدا کی محبت کا واسطہ دے کر وہ بھیک نہیں مانگتے ہیں۔ وہ تصور کرتے ہیں خدا کے نام پر بھیک مانگنے سے خدا ناراض ہو جاتا ہے۔ خدا کی عظمت کے مقابلے میں بھیک بڑی ادنیٰ چیز ہے بغیر کسی جلد بازی کے اور ان کی بددعا و لعنت کے خوف کے بغیر ان کو مطمئن کرنے کا وسیلہ فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے "بے ترش" وہ فقراء ہیں جو اپنے ہاتھ میں تیز چاقو لے کر مانگتے ہیں وہ ایک دکان کے سامنے جا کر زور سے چیخ کر دل پسند چیز کی طرف اشارہ کر کے مانگتے ہیں۔ اگر دکاندار اس چیز کے دینے سے انکار کر دیتا ہے جو وہ مانگتے ہیں تو مانگنے والا شخص اپنے بازوں کو زخمی کر لیتا ہے اپنے سر کو خونچکاں کر لیتا ہے اور اپنے پیروں کو گھائل کر لیتا ہے اور اپنی بددعا کی نشانی کے طور پر خون کو لے کر دکان میں پھینک دیتا ہے عام طور پر یہ لوگ بنیوں کی دکان پر جا کر بھیک مانگتے ہیں۔ بنئے بہت بزدل ہوتے ہیں اور ایسے زخموں کے دیکھنے کے مقابلہ میں وہ جو کچھ مانگا ہے اس کو دیدیتے ہیں۔ عام طور سے کچھ روپیہ دیتے ہیں" (مذکورہ بالا تصنیف جلد I صفحات ۱۴۵، ۱۴۶)

(۴۳) غالباً وہ کشمیر کے قبیلے "چاک" سے وابستہ تھے جو راسخ العقیدہ شیعہ تھے (اکبر نامہ" از بیورج باب III صفحہ ۷۶۳، اور حاشیہ ۱۲۵۰ ملاحظہ کیجئے)

(۴۴) "صراط" کے لغوی معنی "سڑک" ہیں مسلم روایات اور دیگر تصنیفات میں اصطلاح کو اس پل کے لیے استعمال کیا گیا ہے، جو آتش دوزخ کے بیچ کا راستہ ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جس کے ہر طرف جھاڑیاں اور تیز نوکدار کانٹے لگے ہیں۔ نیک لوگ برقی رفتار کے ساتھ اس آتش دوزخ کے پل کے اوپر سے گزر جائیں گے لیکن بد اور گنہگار لوگوں کے پیر لغزش کر کے دوزخ کی آگ میں گر جائیں گے (فرہنگ اسلام از ہفس صفحہ ۵۹۵)

(۴۵) "دبستان" متن صفحہ ۲۱۶ شی اور ٹروائر باب II صفحات ۲۲۹، ۲۳۰

(۴۶) "پنتھی" سنسکرت لفظ "پاتھن" سے ماخوذ ہے جو سڑک پر جاتا ہے۔

(۴۷) غالباً وہ بنگال کے شیخ پیارے جن کی تربیت حضرت شیخ سلیم چشتی کے زیر نگرانی ہوئی تھی۔ بدایونی کے قول کے مطابق وہ ایک ایسے شخص تھے جو خدا کی جستجو کے غم میں مضطرب اور بے قرار رہتے تھے۔ وہ بنگال میں بہت مشہور تھے ("بدایونی" از ہیگ باب III صفحہ ۱۲۱ دیکھئے۔

(۴۸) بدھ مذہب کے بھکشو لوگ بھی بالکل اسی طریقہ سے بھیک مانگتے تھے جیسا کہ ان کے اعمال و طور طریقہ کے اصولوں کے بموجب ان کو ہدایت دی گئی تھی۔ (سل)

(۴۹) "دبستان" متن صفحہ ۲۱۸

(۵۰) متذکرہ بالا از شی اور ٹروائر باب II صفحہ ۲۳۲۔

☆☆☆

چھٹا باب

ملت کی ہندستانیت

حصہ ا: مسلم ملت کا ہندستانی ہو جانا:

خواہ بیان میں کچھ بھی صداقت ہو کہ غیر ملکی مسلم فاتحین کے مورث اعلیٰ نے ہندستان میں صدیوں کی سکونت کے بعد بھی اپنے غیر ہندستانی قلبی رشتہ کو برقرار رکھا اور ہندستان کی بقیہ آبادی سے الگ رہ کر ایک ممیز و مختلف قوم کی تشکیل کی ہے۔ زیر نظر دور کے غیر جانبدارانہ مطالعہ ملت اسلامیہ سے یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ اس برصغیر میں مسلمانوں نے ہندستانیت اختیار کر لی تھی۔ جس کا اندازہ ان کی روزمرہ زندگی سے لگایا جاسکتا ہے۔ بایں ہمہ عربیت کی طرف ان کے جذباتی میلانات کی گنجائش کو ملحوظ رکھا جاسکتا ہے۔ سابقہ مذکورہ صفحات سے یہ بات کافی واضح ہو جاتی ہے کہ ہندستان کے باہر کی دنیا کے دیگر حصوں کے ہم مذہب لوگوں سے ہندستان کے مسلمان مختلف تھے۔ مسلمانوں نے ہندستان کو اپنا وطن سمجھا۔ ہندوکش کے پہاڑی سلسلے یا ہیلمند دریا کو پار کرنے پر رضامند نہیں ہوئے۔ جس کے پرے توران اور ایران کے علاقے تھے۔ حالانکہ ان کے لیے کابل اتنا ہی اچھا تھا جتنا لاہور۔ ہندستانی مسلمانوں کے لحاظ سے حب الوطنی کا آغاز سب سے پہلے حضرت امیر خسرو میں ملتا ہے۔ جن کو طوطی ہند کا لقب دیا گیا ہے۔ ان کو ہندستان اور ہندستانی ہونے پر فخر تھا۔ سلطان محمد تغلق نے ہندستان کو مسلمانوں کا وطن بنانے کی تمنا کی تھی۔ اس نے ہندستان میں نوآباد ہونے والے مسلمانوں کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کی تھی۔ اور وطن واپس جانے

میں ان کی حوصلہ شکنی کی تھی۔ اس نے شاہی فرمان جاری کئے تھے کہ کسی غیر ملکی شخص کو غریب نہیں کہا جائے بلکہ ان کو "عزیز" (رشتہ دار) کا لقب دیا گیا۔ کچھ مسلم مہاجرین جو ہندستان میں عرصہ دراز تک رہ چکے تھے واپس جانے کے آرزومند تھے۔ یہ خبر سلطان تک پہنچی تو ان کو پھانسی کی سزا کا حکم دے دیا گیا۔ ہندستانی مسلمانوں کی بات نہیں بلکہ اس کے بعد افغانی بھی ہندوؤں کی طرح دریائے سندھ پار کرنا نفرت انگیز تصور کرتے تھے۔ حالانکہ ان کی نفرت ہندوؤں کی اوہام پرستی کے باعث نہیں تھی۔ اکبر کے عہد حکومت میں کابل کی ایک مہم کو ترک کر دیا گیا تھا۔ اس کی خاص وجہ فوجیوں کی ہندستان سے محبت تھی" جس نے سندھ پار کے علاقوں کے اندر داخل ہونے میں رکاوٹ کا کام کیا۔ خسرو کے پرانے افغانی اور ہندستانی مصاحب نے دریائے چناب کے کنارہ پر ان کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور "لومڑیوں کی طرح ہندستان میں تیز رفتاری سے واپس آگئے"۔ جب خسرو کو حسین بیگ نے کابل جا کر اپنے والا جہانگیر کے خلاف جنگ کرنے میں امداد حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ مشورہ ہندستان کی حکومت پر غالب آنے کے ضمن میں تھا۔ ساموگڑھ کے مقام پر جنگ تخت نشینی میں شکست کے بعد دارا ملتان اور سندھ ہوتا ہوا بھاگا تھا۔ وہ سندھ سے آگے کوچ کرتا گیا اور ایک مقام پر پہنچ گیا جو بھکر کے جنوب میں پچاس میل پر تھا۔ جہاں قندھار ہوتی ہوئی ایران کو جانے والی سڑک شروع ہوتی ہے۔ ہمایوں کی تقدیر بدقسمت دارا کے نقش قدم پر چلتی نظر آتی تھی۔ لیکن ہمایوں کافی خوش نصیب تھا کہ اس کی بیوی ہندستانی نژاد نہیں تھی اور مصاحب ایرانیوں کی قوت کے ضمن میں اپنی ذات پر اعتماد کرنے میں تردد کے حامل تھے۔ پھر دیورائی کے مقام پر شکست کے بعد دارا قندھار کی سڑک پر چل دیا تھا۔ لیکن سندھ ندی کے مشرقی کنارہ پر فیروز میواتی نے بھی شہزادہ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جس نے اب تک نایاب استحکام اور وفاداری سے دارا کے نصیب کا ساتھ دیا تھا دارا کی بیوی نادرہ بانو اور اس کے حرم کی دیگر خواتین ایران جانے کے خیال سے ہی خوف سے لرزنے لگتی تھیں۔ اور عیش پرست شاہ ایران کے حرم میں زبردستی جانے کے تصور سے وہ دہشت سے کانپنے لگتی تھیں۔ ہندستانی مسلمانوں کی ایرانی شاعری میں نیم حکیم بننے کی کوشش کرنے پر ایرانی لوگ

ہنستے تھے۔ شیدا شاعر ایرانیوں کے اس احساس برتری پر شدید طور سے آزردہ طبع اور کشیدہ خاطر رہتے تھے اور ہندستان کے مقدس و حسنات و برکات کے مقام لینے کے استحقاق پر یقین محکم رکھتے تھے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السلام نے فردوس سے نکلنے کے بعد سب سے پہلے روئے زمین پر قدم[۴۰] رکھا تھا۔

معاشرتی علیحدگی کی فصیل کے پس پشت توافق اور اختلاط کی قوتیں کام کرتی تھیں۔ تخیل اور عمل کی مملکت میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا اشتراک و امتزاج بتدریج مستحکم ہو تا رہا۔ بطوطہ ایک مغربی مسلم سیاح چودھویں صدی عیسوی میں ہندستانی مسلم زندگی کی خصوصیات کا تذکرہ تفریکی انداز میں حقارت و نفرت کے ساتھ کرتا ہے۔ ٹھٹا (سندھ) کے صوبہ میں بمقام ملتان اور بنارس میں خاص طور سے برہمن اپنے قائم کردہ مدارس میں اپنے مذہبی اصولوں کی تعلیم دیتے تھے۔ دونوں ہندو اور مسلم مداح اور طلباء دور دراز مقامات[۴۱] سے ان برہمنوں کے پاس جوق در جوق آکر اجتماع میں شامل ہوتے تھے۔

حصہ ۲: مسلمانوں کے اختیار کردہ ہندستانی رواج اور طور طریقے

سادہ اور بے رنگ مسلم معاشرہ نے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندستانی خصوصیات اکتسابی طور پر اختیار کر کے اپنے معاشرہ کو زیادہ جاندار اور رنگین بنادیا مسلمانوں نے اپنی خاندانی عزت کے تحفظ کے آخری ہتھیار کی حیثیت سے ہندوؤں کی رسم[۴۲] جوہر کا اکثر اوقات اعادہ کیا۔ ایک موقع پر مرزا نتھن "بہارستان غیبی" کے مصنف نے سعادت خاں کو حسب ذیل ہدایت دی تھی:

"تم کو محل (حرم) کے دروازہ پر قیام کرنا ہے۔ جیسے ہی تم کو معلوم ہو کہ میدان جنگ میں میری شہادت ہو گئی محل کے اندر رہنے والوں خواہ بڑے ہو یا چھوٹے سب کے ساتھ جوہر کی رسوم[۴۳] کی ادائیگی کرنا اور دائمی عزت کے ساتھ کشور بہشت کا سفر کرنا کسی مایوس کن[۴۴] مہم پر جانے سے پہلے بالکل راجپوتوں کی طرح وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو مار ڈالتے تھے۔ آخری سانس لینے سے پہلے مرنے والے شخص کو اس کے بستر سے ہٹا دینے کی رسم بھی

مسلم عورت کچھ مسلمانوں میں عام تھی[14] اپنے شوہر کی موت پر اپنی ہندو بہن کی تقلید میں زیورات اور رنگین کپڑوں[15] کو پہننا ترک کردیا کرتی تھی۔ ایک قریبی رشتہ دار کی موت پر سر، داڑھی اور مونچھوں کا منڈوانا اکبر نے شروع کیا تھا اور مسلمانوں[16] میں اس کا کچھ رواج سا ہو گیا۔ ذات پات اور طبقاتی احساس مسلم ملت[17] کے طبقات میں جڑ پکڑنے لگا تھا۔ اورنگ زیب جیسے بادشاہ کی کوششوں کے باوجود مسلمانوں نے ہندو معاشرہ کی نمایاں خصوصیات کو اپنے معاشرہ میں مخلوط کرلیا تھا وہ خود اپنے بیٹے عظیم الشان کو طنزیہ لکھتا ہے، جس نے ہولی کے موقع پر ہندستانی وضع قطع کے کپڑے پہنے تھے "زعفرانی رنگ کا سرپوش تو پہنے ہے۔ کندھوں پر سرخ لباس ہے۔ تیری قابل تعظیم عمر چھیالس سال کے قریب پہنچ گئی۔ تیری داڑھی[18] مونچھوں پر صد آفریں واہ واہ"۔ علاء الدین خلجی[19] کے زمانہ سے ہی مسلمانوں تک ہندی کی رسائی ہو گئی تھی۔ حمد کے اشعار کو ہندستانی[20] طرز کی تقلید میں منظوم کیا جاتا تھا۔ صوفیاء کرام تصوف کے گیت ہندی میں گاتے تھے اور وجد میں[21] آجاتے تھے۔ شیخ تقی الدین واعظ ممبر پر سے ہندی زبان میں منظوم کردہ ایک مثنوی کے کچھ اشعار پڑھا کرتے تھے جن کا تعلق چکورا اور چاند سے ہوتا تھا۔ ایک عاشق اور اس کی محبوبہ ان کو سن کر لوگوں کو حیرت انگیز تاثیر ہوتی تھی۔ جب دریافت کیا گیا کہ اس ہندی مثنوی کے انتخاب کرنے کی کیا وجہ تھی شیخ نے جواب دیا "یہ ساری مثنوی صداقت الوہیت ہے موضوع کے اعتبار سے خوشگوار ہے۔ سچے عشاق کے صوفیانہ وجد و مراقبہ کے لائق ہے۔ قرآن شریف کی کچھ آیات کی تفسیر سے موافقت ہوتی ہے علاوہ ازیں عوام میں اس کے پڑھنے سے لوگوں کے دل[22] فریفتہ وشیفتہ ہو جاتے ہیں" اس تمدنی وثقافتی ربط وضبط کے نتیجہ کے طور پر عوام کی ایک مشترکہ زبان کھڑی[23] بولی (ہندستانی) کے نام سے پیدا ہوئی۔ مسلمان ہندستانی موسیقی میں مصروف رہتے تھے۔ انہوں نے نہایت احتیاط وایمانداری کے ساتھ ہندستانی موسیقی کو فروغ وترقی دی[24] اورنگ زیب بھی اس کو پسند کرتا تھا۔ حالانکہ اسلامی احکام وہدایات کے باعث اس نے موسیقی کا سننا بالکل ترک کردیا۔

مسلم معاشرہ کے ادنی طبقات کے لوگ بیرون حلقہ اسلام، ہندو سنتوں کے ذریعہ

تشکیل کردہ مذہبی فرقوں میں شامل ہوتے تھے۔ ان فرقوں میں سب سے اہم سنیاسیوں کا فرقہ تھا جن کو بیراگی[26] کہتے تھے۔ وہ دنیا کو ترک کر دیا کرتے تھے۔ وشنو[27] اور دیگر اوتار دیوتاؤں مثلاً رام اور کرشن کی تعریف کرنا ہی ان کی عبادت تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے گلوں میں تلسی[28] کی مالائیں ڈالے رہتے تھے۔ مسلم ہندو یکساں طور پر اس برادری میں شامل ہوتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ بسم اللہ کے معنی وشنو کے ہیں۔ مشہور و معروف توحید پرست کبیر بھی بیراگی تھے۔ سنیاسیوں کی طرح بیراگی لوگ دنیا سے فرار کرنے میں عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کے نظریہ کے مطابق وشنو کے نام کو ورد کرنے سے ہی نجات (مکتی) مل سکتی ہے۔ وہ اپنا راستہ قرآن شریف اور ویدوں سے مختلف تصور کرتے تھے اور ہندو اور مسلمانوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ مسلمانوں کی ایک تعداد اس فرقہ میں شامل ہو گئی تھی۔ مرزا صالح اور مرزا حیدر جیسے معزز اشخاص[29] بیراگی ہو گئے تھے۔ وشنوی فرقہ بھی مسلمانوں میں مقبول تھا وہ لوگ کسی جاندار کو ضرر نہیں پہنچاتے تھے۔ دوسرے عقیدہ کے لوگوں کی دوستی سے پہلو تہی کرتے تھے۔ خواہ ہندو ہوں یا مسلمان مشرق کی طرف منہ کر کے دن میں پانچ مرتبہ عبادت کرتے تھے۔ خدا کے ناموں، فرشتوں کے ناموں اور پیغمبروں کے ناموں کا ورد کرتے تھے۔ وہ اپنے مردوں کو دفن کرتے تھے۔ حتی الامکان دوسروں کو احسانات و عنایات سے نوازتے تھے۔[30] سکھ مذہب کے بانی گرونانک کے عقیدہ کو کچھ مسلمانوں نے بھی اختیار کر لیا تھا۔[31]

حصہ ۳: مقبول عام اوہام:

مسلمانوں میں غیر شرعی باتیں اوہام پرستانہ عقائد کے برابری کا درجہ رکھتی تھیں۔ ہمارے دور میں یہ بدعتیں مسلم معاشرے میں سرایت کر چکی تھیں۔ خلیفہ منصور کے زمانہ سے[32] نجوم نے مسلم ذہن پر اس حد تک تسلط حاصل کر لیا تھا کہ ہر اچھے خاندان کا اپنا ایک[33] نجومی ہوتا تھا۔ برنیر رائے زنی کرتا ہے: ''ایشیائی لوگوں کی اکثریت آسمانی علامتوں کی رہبری کی موافقت میں اس قدر احمقانہ رویہ اختیار کرتی ہے کہ ان کی بندش الفاظ کے مطابق ایسی

کوئی حالت روئے زمین پر واقع نہیں ہو سکتی جو عرش پر نہیں لکھی ہو۔ ہر اہم معاملہ یا مہم میں وہ اپنے نجومیوں سے مشورہ طلب کرتے ہیں۔ جب دو فوجیں جنگ کی ہر تیاری پوری کر لیتی ہیں تو کوئی خیال سپہ سالاروں کو جنگ کے آغاز کے لیے ترغیب نہیں دے سکتا، جب تک اچھی ساعت کی تصدیق و تکمیل نہیں کر لی جاتی ہے اسی طرح نجومی کے مشورہ کے بغیر کسی سپہ سالار کی نامزدگی نہیں ہو سکتی۔ کوئی شادی نہیں ہو سکتی۔ کوئی سفر نہیں کیا جا سکتا۔ نہایت ادنیٰ موقع پر بھی ان کا مشورہ قطعی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً تجویز کردہ غلام کی خریداری یا نئے کپڑوں کا پہلی بار استعمال علاوہ ازیں مستقبل کے معاملات پر حافظ شیرازی کے اشعار سے فال نکالی جاتی تھی یا مشورہ لیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ انواع اقسام کی رسوم کی ادائگی کی جاتی تھی۔ سارے ایران اور ہندستان میں دستور رائج تھا کہ آکسلس کے دو سو سال بعد "سورتس ورجلیا" کی رسومات رائج تھیں۔ فن جادوگری یا سحر وافسوں کی مشق میں مسلمان ماہر تھے۔ اس کے اثر میں ان کا بڑا عقیدہ تھا "بہارستان غیبی" کا مصنف مرزا نتھن ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے "کہ جب میر شمس نے جو مردوں سے باتیں کر کے پیشین گوئی میں ماہر تھا اپنے مقاصد کے حصول کے لیے شیخ کمال کے خلاف افسوں پھونکنے کا عمل شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ کے منہ میں سے مقدار کثیر میں خون نکلنے لگا اور ایک ہفتہ کے اندر وہ مر گیا۔ پھر میر شمس نے اپنے جادو اور افسوں کو خود مصنف کے خلاف پھونکا اس پر اس کا سنگین اثر ہوا۔ لہٰذا اس نے ڈھاکہ کے ایک درویش کو اس بارے میں لکھا ان درویش کا نام میاں عاقل محمد تھا۔ میاں عاقل نے ڈھاکہ سے مرزا نتھن کی صحت یابی کے لیے دعا کی اور اپنے سحر وافسوں کا عمل کیا۔ مردوں کی روحوں کو وسیلہ بنانے کے دونوں ماہرین کے وسائل ایک دوسرے سے بجنگ آمد ہوئے۔ آخر میں میاں عاقل کا وسیلہ افسوں میر شمس کے وسیلہ افسوں پر غالب آیا اور افسوں کو میر شمس کی طرف واپس کر دیا۔ اس کے بعد میر شمس پر ایک سنگین بیماری کا حملہ ہوا اور وہ مرنے لگا منوچی نے تذکرہ کیا ہے کہ کس طرح مسلمان قوت سحر وافسوں سے مگرمچھوں کو متاثر کرتے تھے اور ان کو آسانی کے ساتھ مار ڈالتے تھے وہ مزید لکھتا ہے کہ مسلمان "بیٹوں کی پیدائش یا بیویوں اور شوہروں کے حصول کا سہارا

درویشوں کو ہی بتاتے تھے"۔

دوسرے حضرات ان کی شفاعت کے وسیلہ سے درباری ملازمت یا عہدے حاصل کرنے کی غرض سے ان کے پاس جاتے تھے۔ کچھ لوگ کسی مرد یا عورت کو اپنی محبت میں گرفتار کرنے کی غرض سے درویشوں کے پاس جاتے تھے۔ کچھ لوگوں کا مقصد اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرنا ہوتا تھا۔ کچھ لوگوں کی غرض تجارت میں نفع حاصل کرنا ہوتی تھی۔ ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق ماہرین سحر وافسوں کے پاس جاتا تھا۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ سحر وافسوں کے ذریعہ جنات پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور حسب منشاء کام کرنے کی غیر معمولی قوتیں حاصل ہو سکتی تھیں۔ شہیدوں کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی اور یہ عقیدہ تھا کہ شہید اسی طرح شہادت کے بعد بھی ظاہر ہو سکتے ہیں جیسا بحالت حیات تھے۔ اور ازدواجی تعلقات کی صلاحیت اور بچے تولد کرنے کی قوت ان میں ہوتی تھی۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

چھٹا باب

(۱) مانڈیلسلو جس نے ساری مسلم دنیا کا کافی سفر کیا تھا مشاہدہ بیان کرتا ہے "ہم انڈیز کے محمدی لوگوں کے طرز زندگی کا تذکرہ کریں گے جو ترکوں اور ایرانیوں کے طرز زندگی سے کافی مختلف ہے صفحہ ۶۲۔

(۲) ابن بطوطہ، اردو ترجمہ باب II صفحات ۴، ۱۱۲، ۱۷۹، ۲۱۶ موازنہ کیجئے۔

(۳) مذکورہ بالا صفحہ ۱۵۷

(۴) "اکبر نامہ" باب III صفحہ ۵۲۲ موازنہ کیجئے۔

(۵) "تزک" باب صفحہ ۶۶

(۶) قانون گو "دارا شکوہ" باب I صفحہ ۱۹۹ موازنہ کیجئے۔

(۷) مذکورہ بالا صفحہ ۲۱۹

(۸) برنیر صفحہ ۹۴

(۹) فتح پوری "مرأۃ الخیال" صفحہ ۱۰۹، ۱۱۱

(۱۰) "معاصر عالمگیری از سرکار" صفحات ۵۱، ۵۲

(۱۱) سکندر اعظم کے زمانہ سے سندھ کے مغرب میں "جوہر" کی رسم ہندوستانیوں کی ایک خوفناک رسم تھی جنگ میں شکست ہونے پر یا شہر پر دشمن کا قبضہ ہو جانے پر اپنے خاندان کی ہر عورت کو زندہ جلا کر قربان کر دینے کا دستور راجپوتوں کا ہمیشہ طرز عمل رہتا تھا

(ٹوڈ کی تصنیف "راجستھان" I باب XXIV برگس "فرشتہ" باب IV صفحہ ۴۰۹۔

(۱۲) "بہارستان" باب II صفحات ۵۹۴، ۵۹۵ متذکرہ بالا باب I صفحات ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۴ بھی دیکھئے۔ باب II صفحات ۵۹۶، ۵۹۹۔

(۱۳) مذکورہ بالا تحریر باب I صفحات ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۹۳، ۴۴۰ 'سیر' ترجمہ باب I صفحات ۲۳۲، ۲۶۸۔

(۱۴) "بہارستان" باب II صفحہ ۴۸۱۔ یہ واقعہ خود مصنف کے ساتھ پیش آیا۔

(۱۵) "مرأۃ سکندری" ترجمہ ۱۰۴

(۱۶) "اکبر نامہ" بیورج باب III ۱۵۴ "بدایونی" (لو) باب II صفحہ ۲۰۴۔

(۱۷) "برنیر" صفحہ ۲۵۹ "منوسی" باب II صفحہ ۵۳ ۴ "بہارستان" باب I صفحہ ۴۴۰۔

(۱۸) "احکام عالمگیری" ازسرکار صفحہ ۳۴ موازنہ کیجئے

(۱۹) ہمارے دور میں ہندی زبان کی حوصلہ افزائی کے ضمن میں "بدایونی" (ہیگ) باب III صفحہ ۹۰

(۲۰) مذکورہ بالا باب III صفحات ۱۲۲، ۱۲۶

(۲۱) مذکورہ تصنیف صفحہ ۱۰۶

(۲۲) مذکورہ متن باب I صفحہ ۲۵۰

(۲۳) "اس سلطنت کی زبان اندوستانی" (ترچھے رومن الفاظ میرے ہیں) ناشایستہ سے میری مراد ہے، اسی سے اس کا نام یہ ہوا ہے فارسی اور عربی زبانوں سے اس کی مماثلت ومشابہت ہے۔ دوسری زبان کے مقابلہ میں اس کا تلفظ کرنا زیادہ آسان ہے۔ ان کی قدیم ترین اور درباری زبان کی حیثیت سے فارسی بولی جاتی ہے "تھیری صفحہ ۲۱۷

(۲۴) "تزک" باب II صفحہ ۸۶ "بادشاہ نامہ" باب II صفحہ ۵ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۲۵۲

(۲۵) "معاصر عالمگیری" ازسرکار صفحہ ۳۱۳

(۲۶) سنسکرت لفظ "بیراگ" سے ماخوذ ہے خواہش وہوس پرستی سے محروم یا خالی ہونا۔

(۲۷) ہندو تثلیث میں سے "برہم۔وشنو۔مہادیو"
(۲۸) ایک چھوٹا سا پتی دار پودا جس کی ہندو تعظیم کرتے ہیں "تسلی مقدس"
(۲۹) "دبستان" متن صفحات ۲۰۰، ۲۰۳ "خلاصۃ التواریخ" متن صفحہ ۲۲ دیکھئے۔
"فرہنگ" از روز باب II صفحات ۳۵، ۳۸
(۳۰) "دبستان" متن صفحہ ۲۱۸ "فرہنگ۔روز" باب II صفحات ۱۱۰، ۱۱۴ بھی دیکھئے
اب وشنوی مکمل طور سے ادنیٰ طبقہ کے ہندو ہیں۔
(۳۱) "تزک" باب I صفحہ ۲۷
(۳۲) عربی "علم النجوم" قتادہ کہتا ہے اور قرآن شریف کا حوالہ دیتا ہے "خدا نے تین فوائد کے واسطے ستاروں کی تخلیق کی تھی ﴿۱﴾ آسمانوں کی زینت (LXVII ۵) ﴿۲﴾ شیطان کو پتھراؤ سے مارنا (LXVII۔۵) ﴿۳﴾ جنگلات اور سمندر میں مسافروں کی رہبری کرنا (XV۔۱۶)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے کہ نجوم کسی اور مقصد کے لیے حاصل کرتے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف XXI باب III حصہ iii) لہٰذا اسلام میں علم نجوم کا حاصل کرنا غیر شرعی سمجھا جاتا ہے۔ ملنس "فرہنگ" صفحہ ۲۵ دیکھئے۔
(۳۳) منوچی مزید لکھتا ہے "بایں ہمہ ایک بڑا آدمی بھی ایسا نہیں جس کے گھر میں ایک نجومی نہ ہو۔ یہ خواہش رہتی ہے کہ کاش اس کو کسی کام کی غرض سے گھر سے جانے کا صحیح وقت معلوم ہو جائے یہاں تک کہ نئی گھڑی آویزاں کرنے کی نیک ساعت علم ہو جانے کی تمنا رہتی ہے۔ مغل اور ہندو اس قدر سریع الاعتقاد اور بھولے بھالے ہوتے ہیں کہ وہ لوگ ہر اس بات میں اعتقاد رکھتے ہیں جو یہ نجومی لوگ ان کو بتلانا چاہتے ہیں" (جلد I صفحہ ۲۱۲، ۲۱۳)
(۳۴) زیادہ صحیح طور سے "ساعت" مراد وقت سے ہے یعنی مبارک ساعت و نیک گھڑی و موافق لمحہ کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔
(۳۵) "برنیر" صفحہ ۱۶۱ "مونسیر یٹ" صفحہ ۹۔ "ٹیری" صفحہ ۲۲۳۔ "کریری" حصہ III صفحہ ۲۵۱۔ پہلے دن مغلیہ فوجوں نے احمد شاہ ابدالی کی فوج سے جنگ نہیں کی کیونکہ یہ نیک

ساعت نہیں تھی اور وقت ان کے موافق نہیں تھا۔ "میر" ترجمہ III صفحہ ۲۵۸۔ اس طرح کی مثالوں کی کمی نہیں ہے۔

(۳۶) کلام حافظ کے اشعار سے مستقبل کی فال اس قدر صحیح اور قابل فہم زبان ہاتف سمجھی جاتی تھی کہ متعدد بار فال نکالی جاتی تھی۔ مذکورہ ترجمہ باب I صفحہ ۵۲ ہے۔ قرآن شریف کی آیت کی طرف رجوع کر کے بطور مشورہ بات معلوم کرنا یا کلام حافظ کے شعر سے معلومات حاصل کرنے کو فال کہتے ہیں اس کو استخارہ بھی کہا جاتا ہے۔ تفصیلات کے لیے ہفس کی "فرہنگ اسلام" صفحات ۱۱۴، ۱۱۵، ۲۲۱، ۲۲۲ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۷) منوسی اپنی حسب معمول خوش اعتقادی کے ساتھ رائے زنی کرتا ہے کہ "میں کبھی کافی وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کر سکا کہ "ہندو اور مسلمان کس حد تک ہندستان میں جادوگری کے عادی ہیں۔ میں یہ بات بخوبی جانتا ہوں کہ اگر میں بیان کروں تو اس کا تذکرہ ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی مرغ کو چرائے گا اور اس کو کھائے گا تو جادوگر اس کے پیٹ سے مرغ کی بانگ دلا سکتے ہیں اس تذکرہ میں میری کوئی تعریف نہ ہوگی۔ بایں ہمہ یہ حقیقت ہے کہ متعدد بار میں نے مختلف حالات میں مرغ کی بانگ سنی۔ اس قسم کی مثالیں مجھے بار بار بتلائی گئیں" (جلد II صفحہ ۱۳۴)۔ اس ضمن میں اسلامی ہدایات کے بارے میں ہفس "فرہنگ اسلام" کتابچہ جادو اور دعوئی قانون اسلام باب XXXIV صفحہ ۲۱۸ الف ملاحظہ کیجئے۔

(۳۸) "بہارستان" باب II صفحات ۶۷۱، ۶۷۲

(۳۹) منوسی لکھتا ہے "گنگا میں ایک اور چیز تھی جس پر مجھ کو حیرت تھی۔ یعنی مسلمان اکثر اوقات ایک چھوٹی ناؤ میں بیٹھتے ہیں اور جادوگری کے ذریعہ سے مگرمچھ پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی طرف بنگال کے علاقہ میں اتنا ہی رجوع ہوتے ہیں جتنا گنگا کے علاقے میں وہ لوگ ایک برتن میں کچھ پھول رکھ کر ندی میں چھوڑ دیتے ہیں اس کے اوپر جادو کرتے ہیں یہ برتن خود بخود پانی کے دھارے کی طرف حرکت کرتا ہے وہ لوگ برتن کا تعاقب کرتے ہیں اور نہایت اطمینان کے ساتھ ناؤ میں بیٹھے رہتے ہیں یہاں تک کہ برتن خود اس جگہ پہنچ جاتا ہے جہاں مگرمچھ ہوتا ہے۔ جادوگر اس پر مگرمچھ کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنا پنجہ ان کو

دے اور مگرمچھ ان کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ پنجہ باندھ لیا جاتا ہے اسی طرح پھر دوسرے پنجے کے لیے حکم کرتا ہے اور اس کو بھی باندھ لیتا ہے پھر مگرمچھ کو گھسیٹ کر ندی کے ساحل تک لایا جاتا ہے۔ گویا وہ بالکل مطیع ہو جاتا ہے وہ ایک محض ضعیف عورت کی طرح ہو جاتا ہے وہ لوگ اپنی برچھیوں سے نہایت محفوظ طریقہ سے اس مگرمچھ کو مار ڈالتے ہیں۔ میں جب ہگلی میں تھا انہوں نے ایک مگرمچھ کو مارا تھا۔ اس کے پیٹ میں اس عورت کی چوڑیاں اور انگوٹھیاں تھیں جس کو یہ کھا گیا تھا۔ جلد II صفحہ ۹۴۔

(۴۰) مذکورہ بالا باب II صفحہ ۱۲

(۴۱) "بدایونی" (لو) باب I-I صفحہ ۶۸ "اکبر نامہ بیورج" باب III ۱۰۴۹ "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۱۰۲۔ جنّا اور اہم روایات کے بارے میں مسلم عقیدہ کے متعلق مفس "فرہنگ اسلام" ایس وی۔

(۴۲) "جو لوگ اللہ کی راہ میں مرتے ہیں ان کو مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کا رب ان کو رزق فراہم کرتا ہے۔ قرآن شریف III، ۱۶۳۔ مسلمانوں کے مطابق شہدا کی روحیں جنت کے سرسبز شاداب علاقوں میں قیامت کے دن تک رہتی ہیں۔ جنت کے باغات میں ایسے پھل کھاتے ہیں اور جنت کے چشموں سے پانی پیتے ہیں۔ موت کے متعدد طریقے ہوتے ہیں جو مرے ہوئے لوگوں کے درجات کو بلند کر کے شہداء کے مرتبہ تک پہنچا دیتے ہیں" قانون اسلام" صفحات ۱۲۳، ۱۲۴ دیکھئے۔ مفس (فرہنگ اسلام صفحات ۳۲۷، ۳۲۸۔

(۴۳) بدایونی (ہیگ) باب III صفحہ ۱۴۶۔ بدایونی اس سلسلہ میں دو قصے بیان کرتا ہے۔

☆☆☆

ساتواں باب

انسان اور اخلاق واطوار

معاشرتی خرابیاں اور اخلاقی انحطاط:

زیر تبصرہ دور میں علمائے دین کو منفی کر کے مسلم معاشرہ کا اعلیٰ طبقہ اسلامی رسوم کی ادائیگی میں نہایت وسیع الخیال ہو گیا تھا۔ اسلامی احکام کی اعلانیہ نافرمانی بھی اکثر اوقات ہوتی تھی۔ اسلام نے ہر قسم[1] کی نشہ آور اشیا کو ممنوع و حرام قرار دیا ہے۔ بایں ہمہ متقی و پارسا خلفاء کے زمانہ سے ہی شراب نے اسلام کے پیروکاروں کی طرف دبے پاؤں پیش قدمی شروع کر دی تھی۔ عدم پرہیزگاری اور بے اعتدالی مسلم ملت کا ایسا گناہ تھا، جس میں اکثر گرفتار تھے۔

ہندستان کی حالت بھی بہتر نہیں تھی، حضرت امیر خسرو علمائے دین کی مذمت کرتے ہیں کہ وہ اس سینہ میں شراب انڈیلتے ہیں، جس میں قرآن شریف کو محفوظ[2] کیا گیا ہے۔ مملوک ترکی اور خلجی شراب ان لوگوں کے لیے جائز تصور کرتے تھے، جو دماغی کمزوری میں مبتلا نہیں ہوں۔ مثال کے طور پر بلبن نے بغرا خان کو شراب نوشی کی اجازت نہیں دی تھی۔ احمد چپ کی سرکردگی میں خلجی امراء کی شراب کی دعوتیں مشہور تھیں۔ علاءالدین کے تہ خانہ میں بدایوں دروازہ کو غرق سیلاب کرنے کے لیے کافی شراب موجود تھی۔ حالانکہ سلطان نے سیاسی وجوہات سے شراب نوشی ترک کر دی تھی اور شراب کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا بایں ہمہ دہلی مخزن شراب کے لحاظ سے خشک علاقہ نہیں تھا۔ ابن بطوطہ ہم کو بتلاتا ہے کہ موضع (ھیسان اندرپت) سے شراب خلاف قانون وفاشعاروں کے استعمال کے لیے گاڑیوں میں

بڑے ہوئے ابند حسن کے ساتھ خفیہ طور پر لائی جاتی تھی۔ پٹھان سلطانوں نے شراب سے پرہیز کیا لیکن راجپوتوں کی افیوں اور پوست سے تیار کردہ شراب پیتے تھے۔ سلطان سکندر لودی نے سلطان حسین شاہ شرقی کے خلاف مہم کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اس سال اس کے فوجیوں کے لیے پوست کی کمی پیدا ہو گئی تھی۔ بابر اور ہمایوں نے شراب افیوں پر قناعت کی تھی جیسا کہ یحیٰی سر ہندی اپنی تصنیف تاریخ قندھاری میں کہتا ہے، اکبر نے منظور کردہ فہرست منشیات میں دیسی بنائی ہوئی تاڑی کا اضافہ کر دیا تھا۔ اکبر نے دوا کی حیثیت سے شراب کو حلال قرار دیا تھا۔ روشن خیال لوگوں میں شراب نوشی فیشن ہو گئی تھی "خصوصی سال کے نوروز کے جشن کی رسومات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوالفضل کہتا ہے اس مہینے کے جشن میں عقل افزا شراب نوشی ہوئی۔ اور میر صدر جہاں مفتی اور میر عبدالحی میر عادل نے بھی لمبے لمبے بڑے بڑے گھونٹ لے کر ایک سانس میں اپنے جام خالی کر دیے "اکبر اپنے امراء کو جام شراب میں مست دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔ اور حافظ کے شعر کا حوالہ دیتا تھا۔

در دور پادشاہ خطا بخش جرم پوش
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش۔

(بادشاہ کے عہد میں جو خطاؤں اور پوشیدہ جرموں کو معاف کر دیتا ہے، حافظ پکا شرابی ہو گیا ہے اور مفتی مست ڈگمگانے والا میخوار بن گیا ہے)

جہانگیر نے شراب کی قسم اور مقدار کے لحاظ سے شراب نوشی میں اپنے مورث اعلیٰ کی تین نسلوں کے سب ہی لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور شراب کے صرف کرنے میں سبقت لے گیا۔ اس نے شہزادہ خرم (بعد کو شاہجہاں) کو جب وہ چوبیس سال کا تھا پہلی مرتبہ ابن سینا کا حوالہ دے کر چکھنے کی غرض سے شراب دی تھی۔

مے دشمن مست و دوست ہوشیار است
اندک تریاق و بیش زہر مار است
در بسیارش مضرت نیش اندک نیست
در اندک میت منفعت بے شمار است

(شراب غضبناک دشمن ہے اور ہوشیار دوست ہے۔ تھوڑی شراب شرطیہ علاج ہے اور اس کی زیادتی سانپ کا زہر ہے۔ زیادتی میں مضرت کی کمی نہیں ہے اور کمی میں زیادہ فائدہ ہے)

جہانگیر کے امراء اور بھی زیادہ شراب تھے۔ وہ کہتا ہے کہ پشرو خاں ایک لمحہ بھی بغیر مے نوشی کے کبھی نہیں رہ سکتا تھا۔ جہانگیر کے زیادہ راسخ العقیدہ بیٹے اور پوتے کے عہد میں بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ غالباً شاہ جہاں نے اپنے آخری دنوں میں شراب ترک کردی تھی۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے احکام ممانعت شراب نوشی میں کافی تبدیلیاں شجاع اور مراد نے کیں۔ داوا نے دونوں شراب دو آتشہ اور شراب روحانی پی۔ اورنگ زیب نے اس برائی کو شہر بدر کرنے کی مجنونانہ کوشش کی، لیکن آگے چل کر اس کو شکست تسلیم کرنی پڑی۔ ایک مرتبہ مایوس ہو کر وہ چلا اٹھا "سارے ہندستان میں دو آدمیوں سے زیادہ نہیں مل سکے جنہوں نے شراب نوشی نہیں کی ہو، وہ بذات خود اور قاضی اعلیٰ عبدالوہاب جس کا تقرر اس نے کیا تھا۔ لیکن منوسی تمسخرانہ انداز میں مزید کہتا ہے عبدالوہاب کے معاملہ میں وہ غلطی پر تھا، جس کو وہ چھپ کر پیتا تھا تاکہ بادشاہ کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ مسلم معاشرہ میں کسی ایسے معاشرتی طبقہ کا تذکرہ کرنا دشوار ہے، جس نے شراب نوشی نہیں کی ہو۔ زندگی کے دیگر معاملات میں پرہیز گار ہونے پر بھی شراب نوشی میں عورتیں مشہور تھیں۔ بچوں کے اساتذہ و اتالیق شراب نوشی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ حالانکہ بہت سے متقی تھے بایں ہمہ مذہبی طبقات پوشیدہ طور پر شراب نوشی کی طرف مائل ہوتے تھے سپاہی اور فوجی لوگ اعلانیہ طور پر شراب پینے کی لت میں مبتلا تھے۔ جوش و خروش میں جنون عشق کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، علاوہ ازیں تاڑی، افیون اور بھنگ بھی بڑی مقدار میں استعمال کی جاتی تھیں۔ مسلم لوگ نشہ آور چیزوں کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ شراب صرف لطف اندوزی کی غرض سے ہی نہیں پی جاتی تھی بلکہ ان کی باقاعدہ غذا کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ اور کھانے پانی سے زیادہ اہم سمجھی جاتی تھی۔

روحانی عشق اور ذہنی عشق کی امتزاجی مستی صوفیوں کے تصوف میں انحطاط پا کر غیر

بڑے ہوئے ابند ھن کے ساتھ خفیہ طور پر لائی جاتی تھی۔ پٹھان سلطانوں نے شراب سے پرہیز کیا لیکن راجپوتوں کی افیوں اور پوست سے تیار کردہ شراب پیتے تھے۔ سلطان سکندر لودی نے سلطان حسین شاہ مشرقی کے خلاف مہم کو ترک کر دیا تھا کیونکہ اس سال اس کے فوجیوں کے لیے پوست کی کمی پیدا ہو گئی تھی۔ بابر اور ہمایوں نے شراب افیوں پر قناعت کی تھی جیسا کہ یحییٰ سرہندی اپنی تصنیف تاریخ قندھاری میں کہتا ہے، اکبر نے منظور کردہ فہرست منشیات میں دیسی بنائی ہوئی تاڑی کا اضافہ کر دیا تھا۔ اکبر نے دوا کی حیثیت سے شراب کو حلال قرار دیا تھا۔ روشن خیال لوگوں میں شراب نوشی فیشن ہو گئی تھی "خصوصی سال کے نوروز کے جشن کی رسومات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابوالفضل کہتا ہے اس مہینے کے جشن میں عقل افزا شراب نوشی ہوئی۔ اور میر صدر جہاں مفتی اور میر عبدالحی میر عادل نے بھی لمبے لمبے بڑے بڑے گھونٹ لے کر ایک سانس میں اپنے جام خالی کر دیے" اکبر اپنے امراء کو جام شراب میں مست دیکھ کر بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔ اور حافظ کے شعر کا حوالہ دیتا تھا۔

دردور پادشاہ خطا بخش جرم پوش
حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش .

(بادشاہ کے عہد میں جو خطاؤں اور پوشیدہ جرموں کو معاف کر دیتا ہے، حافظ پکا شرابی ہو گیا ہے اور مفتی مست ڈگمگاتے سے ڈالا میخوار بن گیا ہے)

جہانگیر نے شراب کی قسم اور مقدار کے لحاظ سے شراب نوشی میں اپنے مورث اعلیٰ کی تین نسلوں کے سب ہی لوگوں کو پیچھے چھوڑ دیا اور شراب کے صرف کرنے میں سبقت لے گیا۔ اس نے شہزادہ خرم (بعد کو شاہجہاں) کو جب وہ چوبیس سال کا تھا پہلی مرتبہ ابن سینا کا حوالہ دے کر چکھنے کی غرض سے شراب دی تھی۔

مے دشمن مست و دوست ہوشیار است
اندک تریاق و بیش زہر مار است
در بسیارش مضرت نیش اندک نیست
در اندک میت منفعت بے شمار است

(شراب غضبناک دشمن ہے اور ہوشیار دوست ہے۔ تھوڑی شراب شرطیہ علاج ہے اور اس کی زیادتی سانپ کا زہر ہے۔ زیادتی میں مضرت کی کمی نہیں ہے اور کمی میں زیادہ فائدہ ہے۔[ع])

جہانگیر کے امراء اور بھی زیادہ خراب تھے۔ وہ کہتا ہے کہ خسرو خاں ایک لمحہ بھی بغیر مے نوشی کے کبھی نہیں رہ سکتا تھا۔[ش] جہانگیر کے زیادہ راسخ العقیدہ بیٹے اور پوتے کے عہد میں بھی اصلاح نہیں ہوئی۔ غالباً شاہ جہاں نے اپنے آخری دنوں میں شراب ترک کر دی تھی۔ شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے احکام ممانعت شراب نوشی میں کافی تبدیلیاں شجاع اور مراد نے کیں۔ داوا نے دونوں شراب دو آتشہ اور شراب روحانی پی۔ اورنگ زیب نے اس برائی کو شہر بدر کرنے کی مجنونانہ کوشش کی، لیکن آگے چل کر اس کو شکست تسلیم کرنی پڑی۔ ایک مرتبہ مایوس ہو کر وہ چلا اٹھا "سارے ہندستان میں دو آدمیوں سے زیادہ نہیں مل سکے جنہوں نے شراب نوشی نہیں کی ہو، وہ بذات خود اور قاضی اعلیٰ عبدالوہاب جس کا تقرر اس نے کیا تھا۔ لیکن منوسی تمسخرانہ انداز میں مزید کہتا ہے عبدالوہاب کے معاملہ میں وہ غلطی پر تھا۔ جس کو وہ چھپ کر پیتا تھا تاکہ بادشاہ کو اس کا علم نہ ہو سکے[ت] مسلم معاشرہ میں کسی ایسے معاشرتی طبقہ کا تذکرہ کرنا دشوار ہے، جس نے شراب نوشی نہیں کی ہو۔ زندگی کے دیگر معاملات میں پرہیز گار ہونے پر بھی شراب نوشی میں عورتیں مشہور تھیں۔ بچوں کے اساتذہ و اتالیق شراب نوشی سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ حالانکہ بہت سے مستثنیٰ تھے پایں ہمہ مذہبی طبقات پوشیدہ طور پر شراب نوشی کی طرف مائل ہوتے تھے سپاہی اور فوجی لوگ اعلانیہ طور پر شراب پینے کی لت میں مبتلا تھے۔ جوش و خروش[ث] میں جنون عشق کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، علاوہ ازیں تاڑی، افیون اور بھنگ بھی بڑی مقدار[ج] میں استعمال کی جاتی تھیں۔ مسلم لوگ نشہ آور چیزوں کے اس قدر عادی ہو گئے تھے کہ شراب صرف لطف اندوزی کی غرض سے ہی نہیں پی جاتی تھی بلکہ ان کی باقاعدہ غذا کا ایک حصہ بن گئی تھی۔ اور کھانے[ح] پانی سے زیادہ اہم سمجھی جاتی تھی۔

روحانی عشق اور ذہنی عشق کی امتزاجی مستی صوفیوں کے تصوف میں انحطاط پا کر غیر

فطری ہوس کی شکل میں زمانہ وسطیٰ کے مسلم معاشرہ میں منشیات کے بعد شدید ترین ہوس کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ یہ دونوں برائیاں بعد کے دور کے لیے ناقابل رشک مال متروکہ کی حیثیت سے مسلط ہوئیں۔ معجزات وکرامات اور پیری مسلم ملت کی ایک کمزوری تھی اور وہ لوگ ان کو تعظیم و تحسین آفریں میں ان کے سامنے سر بسجود ہو جاتے تھے مصنوعی تقدس وپاکدامنی والا شخص بھی یقین رکھتا تھا کہ وہ بڑی تعداد میں لوگوں کو مرید کر کے اپنا گرویدہ بناکر اپنی ذات کے واسطے اچھی خاصی دولت مقسومہ کما لے گا۔ پیر کو بڑھا چڑھا کر تقریباً پیغمبر کے برابر پہنچادیا جاتا تھا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی ذات کے برابر کر دیتے تھے پیر کو برکات وحسنات کی کلید اور دعاؤں کی قبول کرنے والی ہستی تصور کرتے تھے۔ پیروں کی جستجو اور پیر پرستی کی مقبول عام تمنا کا ایک نہایت دلچسپ پس منظر مغلیہ عہد کے قبل ملتا ہے، احمد بہاری نے گستاخانہ طور سے خود کو پیغمبر بنالیا تھا اور کہا کرتا تھا کہ کوئی بھی شخص شفاعت سے نہیں نوازا جائے گا، اگر وہ اس کے حلقہ کے مریدوں میں داخل نہیں ہوتا۔

اس کے مریدوں کے ایک فرقہ کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ احمد بہاریؒ کی شخصیت میں خدا بذات خود دہلی میں ظاہر ہوا، گجرات کے علاقہ میں عین مہرو کے مریدوں میں ایک شخص نے بذات خود شیخ کی حیثیت اختیار کرلی اور اپنے مریدوں کے اجتماع میں کہا کرتا تھا "انا الحق" (میں خدا ہوں) وہ اپنے مریدوں کو حکم دیا کرتا تھا کہ جب یہ الفاظ وہ اپنے منہ سے نکالے تو وہ لوگ کہا کریں "تو ہے۔ تو ہے" اس نے اپنے غیر فانی ہونے کا مزید دعویٰ کیا۔ اکبر کے عہد میں شیخ داؤد کے مرید اس کے نام کو اپنے مذہبی ذکر[21] الٰہی میں شامل کیا کرتے تھے اور اس کی امداد کی استدعا کرتے تھے۔ مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری نے شیخ داؤد کے خلاف الزامات عائد کئے ہیں کہ آخرالذکر نے اپنے مریدوں کو ذکر کے ساتھ اپنا نام شامل کرنے کی اجازت دی تھی اور وہ چلایا کرتے تھے "یا داؤد یا داؤد" شیخ داؤد نے نہایت ذہانت اور سبک دستی کے ساتھ الزام کی تردید کی تھی[22] لیکن معاملہ کچھ اور ہی معلوم ہوتا ہے ایک مرتبہ بدایونی اکبر کے عہد کا راسخ العقیدہ مورخ رات کے وقت بجز ایک نوکر کے ساتھ لاہور سے تقریباً اسی میل کے فاصلہ پر شیر گڑھ اکیلا پیدل جارہا تھا۔ اس کو قزاقوں اور لٹیروں نے روک لیا،

جنہوں نے اس کو ہر طرف سے گھیر لیا، ان کے سوال کرنے پر کہ وہ ایسی خوفناک رات میں کہاں جا رہا تھا۔ بدایونی نے ان کو بتلایا کہ شیخ داؤد کے سجاد حسین شیخ ابو اسحاق کے پاس سے قدم بوسی کے بعد واپس آ رہا تھا اور اپنے پیر و مرشد روحانی رہبر میاں شیخ داؤد کے حضور میں قدم بوسی کی غرض سے جا رہا تھا۔ جیسے ہی انہوں نے شیخ داؤد کا نام سنا وہ لوگ بدایونی کے مطیع ہو گئے اور انہوں نے دودھ دہی اور دیگر لوازمات ناشتہ سے بدایونی کی خاطر داری کی۔ اس کے بعد انہوں نے اس کی رہبری کی اور محتاط ہوشیار رہنے کے لیے آگاہ کیا اور تاکید کی کہ وہ اپنے ذکر الٰہی میں میاں کا نام بکثرت ورد رکھے۔ اس واقعہ سے شبہ کی گنجائش قطعاً نہیں رہتی ہے کہ ذکر الٰہی میں شیخ داؤد کا نام لینا شیخ کے مریدوں میں ایک عام رواج تھا بھلے ہی شیخ نے اس کو پسند نہ کیا ہو۔ آخری مغلوں کے زمانہ میں نیک عیار و فریبی میر علی اصغر کو برا اپنی کرامات کی وجہ سے مسلم عوام میں نہایت[51] مقبول تھا۔ ضعیف لوگوں کے مقابلے میں زیادہ تر نوجوان عورتوں کا پیروں کے مقبروں کی تعظیم اور ان کے مزارات پر جانا دوسرا ضرب رساں[52] پہلو ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اس غیر اسلامی فعل پر آزردہ خاطر ہو کر اس کو بت پرستی کے مترادف قرار دیا۔ وہ پیروں کے مزارات کا طواف کرنے میں متعلقہ[53] فرائض کی ادائیگی کرتے تھے اور امداد کی استدعا[54] کی رسم ادا کرتے تھے۔ حسنات و برکات کے حصول کی غرض سے نہایت تعظیم اور خلوص و عقیدت مندی کے ساتھ کچھ مشہور پیروں کے مزارات کی زیارت کرنے کے لیے لوگ پوشیدہ طور[55] سے چلا کرتے تھے۔ ہر جمعرات کو مرد اور عورتیں دونوں شہر سے باہر پیروں کے مقبروں پر جایا کرتے تھے اس سے تمام قسم کی اخلاقی نفرت اور فتنہ و فساد کو بڑے مواقع ملتے تھے[56] وہاں وہ چراغ روشن کرتے تھے۔ پھول چڑھاتے تھے مٹھائیوں پر نیاز دلاتے تھے۔ مقبروں[57] کو چوم کر تعظیم اور عقیدت مندی کا اظہار کرتے تھے۔ لوگ پیروں کا نام لے کر منت مانگتے تھے کہ اگر ان کی مراد پوری ہو گئی[58] تو وہ ان کے مقبروں کی زیارت کی غرض سے سفر کریں گے۔ علاوہ ازیں قدم رسول کی بڑی تعظیم کی جاتی تھی۔ اس کا احترام بت پرستانہ طور سے کیا جاتا تھا۔[59]

ہندستان کے کچھ مقبول عام پیروں کے سالانہ جشن وفات (عرس) بڑی پابندی اور

انوکھی رسومات کے ساتھ منائے جاتے تھے اور اب بھی منائے جاتے ہیں۔ ملک کے دور دراز حصوں سے زائرین کے جتھے ٹولیاں بنا کر سنہرے علم لیے ہوئے انواع واقسام کے تحفے تحائف لے کر سید سالار مسعود غازی[44] کے مزار پر جوق درجوق جمع ہوتے تھے۔ غازی میاں کے نام سے معروف و مقبول تھے۔ ان کے عرس کے موقع پر بمقام بہرائچ اودھ[45] میں اجتماع ہوا کرتا تھا سلطان سکندر لودی نے اس بدعت[46] کو ختم کرنے کی رائیگاں کوشش کی۔ لکھن پور میں شاہ مدار کے مزار پر، سالانہ عرس کے دن سب رنگوں کے علم لے کر شاہ مدار کی تعریف میں نغمہ سرائی کرتے ہوئے لوگ بڑی تعداد[47] میں جمع ہوتے تھے۔ یہ عقیدہ تھا کہ مزار پر اندھے اور لنگڑے ٹھیک[48] ہو جاتے ہیں۔ ان مواقع پر مردوں اور عورتوں کے مجمع میں بڑی آزادی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا مورخ عبدالقادر بدایونی جیسا کٹر ملا لکھن پور میں عرس کے موقع پر ناشایستہ فعل کا مرتکب ہوا اور اس کی محبوبہ کے رشتہ داروں نے اس کی سخت پٹائی کی اور اس پر تلواروں[49] سے حملہ کیا۔ مسلم ملت کا حکمراں طبقہ اور عوام دونوں ہی افسوس ناک طور سے پست اور خستہ حال تھے۔ اور امراء کا طبقہ اس تنزل وانحطاط سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ خصوصی اختیارات سے نوازا ہوا طبقہ دربار کے کرم وعنایت کی وجہ سے کاہل ہو گیا تھا۔ مسلم امراء سخت کوشی کی قوت محرک کھو بیٹھے تھے اور سستی و آرام طلبی[50] کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ چاپلوسی کی برائی سب عہدوں کے لوگوں میں سرایت کر گئی تھی۔ اس عہد کا یہ مستند اصول فارسی کے ایک شعر میں نمایاں طور سے نظر آتا ہے۔

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بہ باید گفت اینک ماہ و پروین

(اگر بادشاہ دن کے وقت کہتا ہے کہ یہ رات ہے۔ یہ کہنا چاہیے دیکھیے! چاند اور ستارے[51]!) جہاں تک چاپلوسی کا مشرقی خصوصیت کی نمایاں حیثیت سے تعلق ہے، جمہوریت کو شہنشاہیت اور مطلق العنانیت کے زمانہ کی برائیوں کو ہمارے لوگوں میں سے دور کرنے کے لیے کم سے کم نصف صدی کی مدت لگے گی۔ مطلق العنانیت کے مخرب اخلاق اثر کا تذکرہ میری نے اس طرح کیا ہے۔ "اور بادشاہ کے کرم وعنایت سے (میں کہتا

ہوں) ان کو اس وابستگی نے ان کی ساری رعایا کو بہت زیادہ غلامانہ طرز کا چاپلوس بنادیا ہے کیونکہ وہ اس کے کسی بھی کام کی تعریف کریں گے خواہ اس کی حیثیت محض ظلم و تشدد کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ اسی طرح اس کی باتوں کی تعریف کریں گے خواہ ان میں محض حماقت کے سوا کچھ بھی نہ ہو نگے"[22] برنیر کا بیان ہے "مجھے تم سے اس بدترین اور نفرت انگیز چاپلوسی کو نہیں چھپانا چاہیے جو ہمیشہ وہاں دیکھی گئی۔ جب بھی ایک لفظ بادشاہ کے ہونٹوں سے نکل جاتا ہے، اگر اس کا کچھ بھی مقصد ہوتا ہے خواہ وہ کیسا ہی ادنیٰ معمولی لفظ ہوتا ہے، فوراً ہی حلقہ گیر مجمع اس لفظ کی گرفت کر لیتا ہے اور اعلیٰ امراء اپنی باہوں کو آسمان کی طرف بڑھا کر گویا خیر و برکت مل رہی ہو بہ آواز بلند کہتے ہیں "کرامت کرامت! بہت خوب بہت خوب! جہاں پناہ نے بہت عمدہ بات کہی ہے"۔[23]

حرم کے اندر دائیاں اور خادمائیں بچپن سے ہی شہزادوں کے اندر چاپلوسی کو تقریباً اکسیر کی طرح پہنچا دیتی تھیں۔[24] شہنشاہوں کی تعریف میں قصائد منظوم کرکے شعراء ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے تھے۔ اس طرح ذلیل چاپلوسی نے معاشرہ میں اپنی اخلاقی لعنت و ملامت کھودی تھی معاشرتی آداب مجلس میں بھی چاپلوسی کرنا ایک لازمی رسم بن گئی جو نہ صرف درباریوں میں ضروری سمجھی جاتی تھی بلکہ عام آدمی بھی اس کو لازمی تصور کرتا تھا۔ ہر شخص اپنے سے بالاتر آدمی کے ذریعہ پامال ہو کر کراہتا تھا۔ کیونکہ نظام حکومت کے عنوان ماں باپ کے تحت چھوٹے سے چھوٹا مطلق العنان حکمراں امید رکھتا تھا کہ اس کے محکوم ویسا ہی رویہ اختیار کریں اور وہی طرز بیان اپنائیں جس کی تربیت خود ان کی زبان کو اعلیٰ وارفع حلقہ حکمراں میں ملی ہے۔ ادنی حاکم بھی یہی امید کرتا تھا کہ اس کا محکوم اپنے محسن و مربی کی خوشامد کرے اور ناجائز تحفے تحائف و رشوت دے کر اس کی مٹھی گرم کرے۔ برطانیہ نظام حکومت میں بڑے صاحب کے لیے بڑے دن کے موقع پر ڈالی پیش کرنا زمانہ وسطیٰ کے اداروں کا مدت دراز تک برقرار رہتا تھا۔ آج بھی اپنے اصلاح کن ورثہ کی خاطر عوامی پیمانے پر زمانہ وسطیٰ کے ادارے جمہوری و پارسائی لباس میں موجود ہیں۔ حلقہ حکام، دیوانی و فوج میں نافرمانی اور ناشکر گزاری استثنا سے زیادہ اصول کی حیثیت رکھتے تھے مغلیہ ہندستان میں خود

غرضی نمایاں قوت محرک تھی اور ادنیٰ قسم کی سازش انسان کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی۔ خواہ مسلمان ہو یا ہندو غالباً آزاد ہندوستان میں اب تک اس کی کمی نہیں ہے۔ "مغلیہ سلطنت میں معاملات کی روش سے زیادہ حیرت انگیز کچھ نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ شہزادوں، گورنروں اور سپہ سالاروں میں ہر ایک کی اپنی انفرادی حکمت عملی ہوتی ہے۔ اپنے مقاصد و اغراض میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنی انفرادی حکمت عملی پر غور و خوض کرتے ہیں۔ ادنیٰ ترین حکام میں ایک بھی ایسا نہیں ہے، جو عجیب و غریب طور پر بذات خود مالدار بن جانے کے فن میں ماہر نہ ہو۔ دولت کی جستجو میں وہ کسی چیز سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں۔ اپنے شہنشاہ کی وفاداری کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں"۔ ایسی اخلاقی، سنگدلی، معاشرتی اور سیاسی تختی مجموعی طور سے لوگوں کی خصوصیت بن گئی تھی۔ شاہ جہاں کے واجب و صحیح مقصد کے باوجود امراء اور عوام کی یکساں طور پر بیوفائی کے ترک تعلق پر بر بنیر نفرت انگیز افسوس ظاہر کرتا ہے۔ مسلمانوں کی فضول خرچی بے مثال تھی۔ امیر بننے کی اداکاری میں وہ اپنی ساری آمدنی خرچ کر دیتے تھے اور قرضہ لینے کی استطاعت کو بھی ختم کر ڈالتے تھے مستقبل کے لیے کوئی چیز بچانے کی بہ نسبت حالیہ زندگی کو زیادہ بہتر بنانا مقصد حیات[27] ہوتا تھا۔ شاہ جہاں کا کاروباری مورخ شیخی بگھارتا ہے کہ مغلیہ سلطنت کے تیسرے درجہ کے امیر کی آمدنی بلخ کے حکمران کے مالیات سے زیادہ[28] تھی کمائی ہوئی یا قرضہ سے حاصل کردہ دولت کی افراط نے کاہلی اور عشق و آرام طلبی کو فروغ دیا۔ ان سے طرح طرح کے عیب پیدا ہوئے اور بالآخر بدی کے باعث غریبی اور تباہی کا ظہور ہوا۔ ہر ایک یہی سوچتا تھا کہ آج لطف اندوز ہو۔ کام اور فرض کی ادائیگی کل پر ملتوی کی جائے۔ کیا عمر خیام نہیں کہتا ہے ۔

"موذن مینار سے چلاتا ہے
احمق! تیری جنت نہ یہاں ہے اور نہ وہاں[29]"

جنگ میں مال غنیمت کی حیثیت سے حسن کی اسیری کی افراط یا غلاموں کی آسانی سے خریداری نے مسلم ملت کے عیش و عشرت کو بڑھایا اور خصوصی طور سے اعلیٰ طبقات کے جنسی لطف اندوزی کی حوصلہ افزائی کی۔ ان کی تفریح طبع اور عیش و عشرت کا مخصوص وسیلہ

عورتیں ہوتی تھیں[70] سلطان علاء الدین خلجی نے دیگر مفید اشیاء کی طرح طوائفوں کی اجرت کی شرح مقرر کر دی تھی۔ اس نے ان میں ایک فرمان جاری کر دیا، جس کی رو سے مقررہ شرح سے زیادہ اجرت وصول کرنے کی سختی سے ممانعت کر دی گئی تھی[71] اکبر نے شہروں میں طوائفوں کے رہنے کے واسطے علیحدہ محلوں کی تعمیر کی تھی اور اس کو شیطان پوز کے مضحکہ خیز نام سے موسوم کیا تھا اورنگ زیب نے طوائفوں کے قبیلہ کو دہلی سے قطعی طور سے نکال دینے یا ان کی شادیاں[72] کرنے کی کوشش کی۔ طوائف بازی کو اتنا فروغ حاصل ہوا کہ کوئی معاشرتی جشن بغیر رقاصہ لڑکیوں کی موجودگی کے نہیں ہوتا تھا۔[73] آج بھی ملک میں ان کے بغیر بارات کو بے لطف اور بے رونق سمجھا جاتا ہے۔ رقص کے اکھاڑے یا رقص کی محفل مسلم امراء کے طبقے میں نہایت مقبول ہوتی تھیں اور اکثر اوقات ان کی تنظیم ہوتی تھی۔[74]

مغل معاشرے میں مردوں کو معشوق قرار دینے کی خرابی تھی، جس کا نمایاں تذکرہ ہمعصر فارسی شاعری اور تصوف کی شاعری اور نثر نگاری میں ملتا ہے، جس سے مسلم ملت[75] کے گمراہ کن جنسی رویہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ برائی ٹرانس آکسانا سے ہندستان میں لائی گئی تھی۔ امراء کے طبقے میں یہ دستور تھا کہ وہ اپنی خدمت میں لاتعداد خوبصورت لڑکے رکھا کرتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ ان خوبصورت لڑکوں سے ان کو بیرونی تحفظ ملتا تھا اور غالباً ان کے حرم میں[76] ان خوبصورت لڑکوں سے ان کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ صوفی لوگ خالص عشق کے رنگ میں اس غلیظ ہوس پرستی میں لطف اندوز ہوتے تھے۔ صرف سرمد صوفی[78] اور انہیں کے معیار کے چند اور صوفیاء مستثنیٰ ہیں۔ اس برائی سے متعلق دلچسپ مثالیں دستیاب ہیں۔ ٹیونیر تذکرہ کرتا ہے کہ درویشوں اور فقیروں نے سورت کے مسلم گورنر کی بد کرداری کے خلاف ایک خوفناک بغاوت کی تھی۔ ایک نوجوان کم عمر خدمت گار کے بارے میں یہ فتنہ پیدا ہوا تھا۔ گورنر نے زبردستی کم عمر خدمت گار کو اپنی ملازمت میں رکھ لیا تھا اور اس کے ساتھ غیر فطری اقدام کرنا چاہتا تھا۔ یہ لڑکا ایک فقیر کا بیٹا تھا لہٰذا سب فقیروں نے اس معاملہ کو ایک اجتماعی مفید مقصد تصور کر کے گورنر کے خلاف صف آرائی کی۔[79] شاہ قلی خاں محرم ایک لڑکے سے عشق کرتا تھا، جس کا نام قابل خاں

تھا جو رقص کرنا بھی جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اکبر نے شاہ قلی کو سرکاری طور پر تنبیہ کی۔ آخر الذکر نے اپنی ناموری اور شہرت کو نذر آتش کر دیا اور یوگی ہو گیا (یعنی دنیا ترک کر دی)
علی قلی خاں ایک اونٹ بان کے بیٹے شاہم بیگ سے عشق کرتا تھا اور اس نے اپنی منکوحہ بیوی ارم جان کو شاہم کے حوالہ کر دیا تھا۔ ارم جان پہلے ایک طوائف تھی۔ اپنی ہوس سے مطمئن ہو کر شاہم بیگ نے جس طریقے سے ارم جان کو حاصل کیا تھا، اسی طرح سے اس کو عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد شاہم نے اس کو واپس لینا چاہا لیکن عبدالرحمٰن نے واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کام کا انجام یہ ہوا کہ شاہم بیگ قتل کر دیا گیا۔ جب علی قلی خاں نے شاہم کے قتل کی خبر سنی وہ پریشان و حیران ہوا اور شاہم کی موت کا انتقام لینے کی غرض سے عبدالرحمٰن کا تعاقب کیا۔ لیکن بے فائدہ۔ شاہم کے آثار باقیہ کے اوپر جونپور کے قریب ایک رفیع الشان عمارت تعمیر کی۔

جوئے کا عیب صرف ہندوؤں تک محدود نہیں تھا، جن کے لیے مذہبی اجازت ہے اور دیوالی جیسے کچھ تیوہاروں پر تقریباً کلی طور پر ہندو اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ امیر خسرو کے مطابق ہمعصر معاشرہ میں مسلم جواری جانا بوجھا شخص ہوتا تھا۔ انہوں نے مسلم جواری کی قلمی تصویر دی ہے۔ اس کی بیوی بچے بھوکوں مرتے ہیں ننگے رہتے ہیں اور شاعری کے مطابق وہ اپنی بیٹی کو فروخت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ادنی طبقہ کے ملاؤں کے انحطاط کا نہایت دلچسپ تذکرہ منوسی نے کیا ہے۔ مسلم ملت میں عوامی طبقہ کے جاہل لوگوں کے لیے یہ ملا مذہبی طبقات کا کام کرتے تھے۔ منوسی نے پڑھے لکھے عیاروں کا بھی ذکر کیا ہے، جو مذہبیت کے نام پر تجارت کرتے تھے۔ وہ تذکرہ کرتا ہے "مقدس راہبوں کی مکاری اور عیاری کے باعث ہی مغلیہ سلطنت میں سب سے بڑا عیب تھا اور اب بھی ہے۔ ان جیسے لوگوں کے پاس کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا ہے۔ بلکہ ہمیشہ کوئی چیز بطور نذرانہ لے جایا کرتا ہے۔ اس طرح یہ مقدس لوگ عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں وہ اپنی دغابازی کو مکر و فریب اور عیاری کے ذریعہ چھپانا جانتے ہیں وہ اپنے تحریری افسوں اور ساحرانہ بندش کے زیر اثر شیطان کی مدد سے لوگوں کو اپنی گرفت میں لیتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ بات

ہے کہ وہ لوگ عورتوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں جو بڑی تعداد میں ان کی طرف رجوع ہوتی ہیں۔ وہ مواقع سے فائدہ اٹھانا جانتے ہیں۔ اگر عورتیں دیکھنے میں اچھی معلوم ہوں تو وہ نہ مسلم، نہ ہندو عورتوں کو چھوڑتے ہیں اور نہ عیسائی عورتوں کو چھوڑتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے گھروں میں لاتعداد بیویاں اور باندی لڑکیاں ہوتی ہیں، جن کو رات کے وقت ہر طرف بھیج دیتے ہیں۔ جھوٹی عابدہ بن کر حرام کی کمائی کرنے کی غرض سے ان کو بھیجا جاتا ہے یا پسندیدہ عورت کو اپنے آقا کے گھر لانے میں دلال کا کام کرتی ہیں۔ یہ سب کچھ مذہب کے پردہ میں کیا جاتا ہے۔ اگر کسی ملتجی کی التجائیں اور مرادیں حاصل نہیں ہوتی ہیں، تو یہ لڑکیاں عذر و بہانہ بنانے کا کام کرتی ہیں۔ یا لوگوں کو ترغیب دیتی ہیں کہ مرد مقدس کی دعاؤں میں خصوصی تاثیر ہوتی ہے۔ واقعات کی معلومات فراہم کرنا بھی ان کا کام ہوتا ہے۔ اس طرح اپنے آقا کو اسرار و رموز کو افشا کرنے کا موقع دیتی ہیں کیونکہ یہ مقدس لوگوں کے لیے موزوں ہے، جو پوشیدہ چیزوں کو جانتے ہیں۔ وہ خاکسارانہ روش اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ سڑکوں پر متعدد راہ گیر زمین پر سر بسجود ہو جاتے ہیں اور ہاتھ اٹھا کر ان کو بلاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر ہر شخص جو چاہتا ہے مانگتا ہے اور اپنی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے تندرستی یا آسیب اور بھوت پریت سے نجات کی استدعا کرتا ہے۔ لیکن عیار و فریبی ایک سخت طرز عمل کے ساتھ اپنے راستہ پر چلتا رہتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اشارے کرتا جاتا ہے۔ گویا وہ ایک ایسا شخص ہے جو سب لوگوں کو ایک اچھی امید دلاتا ہے اور ہر ایک کو مطمئن کرنا ضروری سمجھتا ہے[53]۔" منوسی نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس طرف زندگی اور ان تمام طریقوں و ترکیبوں اور چالبازیوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کی طرف کمبخت تقدس کے جھوٹے دعویدار[54] اپنی ہوس اور بری خواہشات کی تسکین کی غرض سے مائل ہوتے ہیں ایک ملحد و مشرک مشاہد کے مبالغے[55] بے بنیاد نہیں ہیں علاوہ ازیں خیرات و زکوۃ پر زندگی بسر کرنے والے مسلم فقیروں کی تعداد حیرت انگیز طور پر کافی بڑی ہے[56]۔ ان کے بھیک مانگنے کے مختلف طریقے ہوتے تھے ان میں سے اکثر و بیشتر کا طرز عمل ناشایستہ ہوتا تھا[57] زمانہ وسطیٰ میں جو بات مسلم فقیروں پر صادق آتی تھی دور جدید میں بھی وہی بات ثابت ہوتی

ہے۔ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں میں ساری تجارت مذہب کے نام پر ہوتی ہے۔

تحفظ اسلام:

قوانین شریعت اور قرآن سے یک گونہ بے تعلقی اور غفلت کے باوجود زیر تبصرہ دور میں ہندستان کی مسلم ملت اپنے اسلامی تمدن کی عظیم وراثت اور مذہب اسلام کے زیر سایہ اس طرح مستحکم اور محفوظ رہی، جس طرح طوفان خیز سمندر سے عظیم الشان جہاز محفوظ رہتا ہے۔ ہندستان میں عیسائی مذہب کی تبلیغی جماعتوں کے کار ہائے نمایاں اور کامیابیوں وکامرانیوں کا جائزہ لیتے ہوئے برنیر رائے زنی کرتا ہے۔ خاص طور سے مسلمان بادشاہوں اور مسلم عوام میں زیادہ کامیابی کی مجھے امید نہیں ہے۔ مشرق میں قائم کردہ عیسائی تبلیغی جماعتوں کے تمام مراکز کا مشاہدہ کرنے کے بعد جب میں یہ کہتا ہوں تو میں تجربہ کی زبان بولتا ہوں کہ جب کبھی تبلیغی جماعتوں کی ہدایت "خیرات وزکوٰۃ" کے ذریعہ کفار (ہندو) میں عیسائیت کی ترقی کا منصوبہ بنایا جائے اور اگر تم تصور کرلو کہ دس سال میں ایک مسلمان تبدیل مذہب کرکے عیسائیت قبول کرلے گا تم کو مایوسی ہوگی[۵۸]۔" پاپاڈیو جیرک کہتا ہے:

"...... سارسانیوں کے اس ملک میں ارواح کے تبدیل مذہب میں زیادہ کامیابی نہیں ہوئی جن پر کام کرنا ایسا ہی سخت ہے جیسا ہیرے کا تراشنا۔ جیسا کہ دوسرے ممالک میں ہے، جہاں اس مذہبی طبقہ نے جڑ نہیں پکڑی ہے[۵۹]۔" پاپا گور بربو اظہار رائے کرتا ہے "یہ اہم ترین بات ہے کہ کس طرح یہ لوگ اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں، جب کوئی بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کہی جاتی ہے چاہے جو کچھ ہمارے عقائد کے بارے میں ان کو بتلایا جائے وہ سن لیں گے۔ لیکن وہ لوگ اس ایک چیز کو برداشت نہیں کرسکتے ہیں، اگر ان کو بادشاہ کا خوف نہیں ہوتا تو ہم ہزاروں مرتبہ مارے جاتے[۶۰]۔" ایڈورڈ ٹیری تذکرہ کرتا ہے:............ اپنے قدیم برے اطوار میں ان لوگوں کے دل اس قدر محکم اور سخت ہیں۔ ان کے کانوں پر ایک مہر لگ گئی ہے۔ بداعتقادی اور تاریکی سے ان کی آنکھیں اس قدر اندھی ہیں، ان کے لیے زندگی کا دروازہ وہی کھول سکتا ہے، جس کے پاس کلید داؤد ہو جو

ایسا بند کرتی ہے اگر کوئی کتنا ہی کھولنا چاہے نہیں کھول سکتا اور اس طرح کھول دیتی ہے کہ کوئی کتنا ہی بند کرنا چاہے پھر بند نہیں کر سکتا"۔[61] مسلمانوں کو اپنے مذہب پر بڑا فخر ہے ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام[62] کے راستہ پر چل کر ہی نجات مل سکتی ہے۔ ہندوؤں کی تقلید میں انہوں نے غیر مسلموں کے ہاتھ کی پکی ہوئی کوئی چیز نہ کھانے کے غیر اسلامی مخالف رجحان کو فروغ دیا۔ حالانکہ پیغمبر خدا نے غازیوں کو اجازت دیدی تھی کہ کفار کے لائے ہوئے کھانے کو بسم اللہ پڑھ کر کھا لینا حلال ہے۔[63] (خدا کا نام لے کر) اسلامی احکام کے اصلی اور ضروری ارکان کی عام طور سے پابندی کے ساتھ تعمیل کی جاتی تھی۔ اسلامی عبادت کا تذکرہ کرتے ہوئے ٹیری کہتا ہے: "مغل بادشاہ جو شاہی تخت پر بیٹھتا ہے، اسی طرح نماز پڑھتا ہے، جس طرح گڈریا جو کھیت میں بھیڑوں کے گلہ کی نگہبانی کرتا ہے، جب نماز کا وقت آجاتا ہے تو سب طرح کے مسلمان ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں، خواہ وہ کہیں قیام پذیر ہوں یا سفر میں مصروف ہوں.................[64] صرف زمین پر سربجود ہونے کے بجائے کچھ لوگ سجدہ میں استعمال کرنے کے لیے ایک پتھر رکھ لیتے ہیں، جس سے ان کی پیشانیوں پر ایک گہرا نشان ہو جاتا ہے جس کو عظیم مذہبی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت[65] کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بار بار سجدہ کرنے سے نمازی کی پیشانی پر پیدا شدہ کالا نشان محشر کے دن (روز قیامت) مہہ کامل کی طرح روشن ہوگا"۔ مسلمان رمضان شریف کے روزے نہایت پابندی کے ساتھ رکھتے تھے، دوران روزہ دن بھر اپنا تھوک تک نہیں نگلتے تھے۔[66] بارہ اور تیرہ سال کے لڑکے بھی اس مہینے کے روزے نہایت شوق سے رکھتے تھے۔[67] اوٹنگٹن رائے زنی کرتا ہے کہ راسخ العقیدہ متقی و دیندار لوگوں کے سخت ترین اصولوں کے مطابق مسلمان مع اپنی عبادات و تقویٰ اور روزوں کی تکمیل کرتے ہیں۔[68] جہانگیر کا ایک پرانا نوکر، شیر خاں افغان شراب پینے کی عادت میں بری طرح مبتلا تھا۔ ایک سال اس نے رمضان کے مہینے کے روزے نہیں رکھے تھے۔ لہٰذا آئندہ سال دو مہینے کے ایک ساتھ روزے رکھنے کا تہیہ کر لیا۔ اس اولوالعزمی کے کام میں اس کی زندگی ہی ختم ہو گئی کیونکہ اتنے طویل عرصہ تک شراب کا کلی طور سے چھوڑ دینا[69] مہلک ثابت ہوا۔ کچھ

راسخ العقیدہ مسلمان فوج کشی اور میدان جنگ میں بھی روزے رکھتے تھے[41] حالانکہ ایسے حالات میں روزہ اختیاری[42] قرار دیا گیا ہے۔ رمضان کا مہینہ مذہبی زہد و تقویٰ اور دینی مسرتوں کا مہینہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس مہینے میں عام طور سے فوجیں اپنی لشکر گاہوں میں چلی جایا کرتی تھیں اور رات کے ساتھ زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت میں دن گزارا کرتی تھیں۔ بایں ہمہ رمضان کے مہینے میں اورنگ زیب کا محاصرہ آگرہ مستثنیٰ تھا کیونکہ سیاسی ضرورت کوئی قانون نہیں جانتی ہے۔ باری باری ایک دوسرے کی رہائش گاہ پر ایک ساتھ روزہ افطار کرنا بڑے ذوق و شوق کی بات تھی، جس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کرنے سے روزہ کی حسنات و برکات میں عظمت و رفعت[43] آجاتی ہے۔ اسلام کے باہمی معاشرتی اتفاق واتحاد عمل پر سختی سے کاربند رہنا ایک صحت مند دستور تھا۔ عوامی خیرات کی قوت محرک کے تحت (زکوٰۃ) کچھ دولت مند لوگ سرائیں بناتے تھے، تالاب اور کنویں کھدواتے تھے، شاہراہ پر پانی پینے[44] کا انتظام کرتے تھے۔ قابل تعظیم پیروں کے یوم وصال کے سالانہ عرس کے موقع پر غریبوں کو مفت کھانا بھی فراہم کیا جاتا تھا۔[45] مکہ معظمہ کا مسلم دینی سفر فطری طور پر سالانہ اہم واقعہ ہوتا تھا۔ حج کرنے کے لیے جانا اور حاجی ہونا ایک مجنونانہ[46] عام شوق تھا۔ مسلم ملت کے مذہبی استحکام کی ٹیری بڑی تعریف کرتا ہے۔ مسلمان کسی ممنوع و حرام کردہ چیز کے کھانے یا پینے کے مقابلے مر جانا بہتر سمجھتے ہیں[47] غالباً شراب اور دیگر نشہ آور چیزیں مستثنیٰ سمجھی جاتی تھیں۔ جن کو بہترین صحت بخش کا بہانہ بتلا کر حلال قرار دے دیا گیا تھا"۔ مسلمان سروں پر کفن باندھ کر جنگوں میں مصروف ہوتے تھے۔ عام طور سے وہ کسی کام کو شروع[48] کرنے سے پہلے بسم اللہ کہا کرتے تھے ایسی مثالوں کی کمی نہیں، جب مسلمانوں نے جنگوں میں دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ قادر مطلق کے حضور میں دعا کی غرض سے اپنے ہاتھ اٹھائے تھے[49] متقی و دیندار لوگ اپنے جسم کو دستور کے مطابق پاکیزہ حالت میں رکھنے کی مسلسل کوشش کرتے تھے[50] ابراہیم عادل شاہ کے ذریعہ برخاست شدہ تین ہزار غیر ملکی مسلم سپاہ کو وجے نگر کے رام راج نے اپنی فوج میں بھرتی کیا تھا۔ وہ اپنے سامنے قرآن شریف رکھتا تھا، جب وہ لوگ اس کے حضور میں

تسلیمات پیش کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ ایک ہندو راجہ کی اطاعت اور اپنی مذہبی اثر پذیری میں خوشگوار اور مصلحت انگیز توازن برقرار رہے۔

مسلم محاسن کمالات اور تفریحات:

اسلام مثبت صفات پیدا کرنے پر بڑا زور دیتا ہے اور اس موضوع پر کثیر ادب دستیاب ہے۔[83] صرف گناہ نہ کرنا ہی کافی نہیں ہے۔ جمود پیغمبر خدا کے تبلیغ کردہ عملی مذہب کے بنیادی اصولوں سے ہی انکار کرنا ہے۔ جو کچھ صحیح اور معقول ہو اس پر نہ صرف عمل کرنا چاہیے۔ بلکہ سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اس کی اشاعت بھی کرنی چاہیے۔ زیر تبصرہ دور میں اگرچہ مسلم ملت کا عام اخلاقی مزاج و معیار زیادہ بلند نہیں تھا، بایں ہمہ اس میں متعدد قابل تلافی اور موجب نجات خصوصیات تھیں۔ ایمانداری اور پسینہ بہا کر روزی کمانا قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، جیسا کہ دور انحطاط و تنزل میں "امیرانہ معاشرہ" میں ہوتا تھا۔ ایسے مذہبی لوگ بھی جن کے پاس بغیر کمائے ہوئے اچھی خاصی آمدنی تھی بذات خود بچوں کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے۔ اس طرح اپنے لیے روزمرہ کی روزی روٹی کو حلال[84] شرعی بنا لیتے تھے۔ قرآن پاک کی نقل کرنا اور اس طرح نقل شدہ قرآن پاک کے قلمی نسخے بطور ہدیہ بھیجنا خاصا عام[85] رواج تھا۔ نمک حلالی کے احترام کا موزوں و مناسب لحاظ رکھا جاتا تھا۔ مسلمان لوگ فانی انسان کے لازمی انجام کے لیے خود کو پہلے سے تیار کر لینے میں عقیدہ رکھتے تھے۔ موت سے پہلے اپنے لیے مقبرہ تیار کرنے میں تو ہم ان میں نہیں ہے۔ بادشاہ اور امراء اپنی زندگی میں ہی جگہ کا انتخاب کر لیتے تھے اور عمارتیں تعمیر کرتے تھے تاکہ موت کے بعد آخری آرام گاہ (قبر) کی حیثیت سے استعمال کیا جا سکے۔[86] پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد اسلام کے اعلیٰ و ارفع ذہنوں میں تارک الدنیا ہونے کی لہر آ چکی تھی۔ حالانکہ اسلام میں صاحب خانہ اور کنبہ پرستی کی زندگی بسر کرنا سنت ہے۔ اگرچہ ہندوستان میں چند (مسلمانوں) نے ہندو سنیاسیوں کی طرح دنیا کو قطعی طور سے ترک کر دیا تھا،[87] بایں ہمہ زیادہ تر پیروں نے پیغمبر کے نمونہ کو برقرار رکھا تھا کہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا کے مت رہو۔

جب ایک آدمی مرنے لگتا تھا تو یہ عام دستور تھا کہ وہ ان سب لوگوں سے معافی مانگتا تھا جن کے ساتھ وہ اپنی زندگی میں وابستہ رہا تھا۔ والدین کی بڑی عزت و خدمت کی جاتی تھی اور بوڑھاپے کے زمانہ میں بیٹے ہی ان کا خاص سہارا ہوا کرتے تھے۔ بچوں کی پرورش بڑی حیثیت کے مطابق کی جاتی تھی اور والدین بچوں پر بڑی شفقت رکھتے تھے۔ مانڈیلسلو کہتا ہے: مسلمانوں کے بچے ان لوگوں کے ساتھ خصوصی نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے جن کے توسط سے وہ دنیا میں لائے گئے تھے۔ یہ ہی نہیں بلکہ وہ ان سے اس قدر زیادہ محبت رکھتے تھے کہ جن لوگوں کے ذریعہ انہوں نے زندگی پائی تھی، وہ ان کو تکلیف دینے کے مقابلے میں خود بھوکوں مرنا زیادہ بہتر سمجھتے تھے۔ والدین کی خاطر اپنے ذاتی تحفظ کی ضروری چیزوں کی خواہش ہی نہیں کرتے تھے "کچھ اشخاص پیغمبر اعظم کے نمونہ (حیات) کی تقلید کرتے تھے اور نہایت معمولی اور سادہ طریقہ سے اپنے دن بسر کرتے تھے۔ صرف زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے نہایت معمولی کھانا کھاتے تھے اور ضرورت میں اپنے کھانے میں دوسروں کو بھی شریک کر لیتے تھے۔ قرآن شریف کا حفظ کرنا ایک پاکیزہ کمال سمجھا جاتا تھا۔ خوش نویسی کے مختلف طریقوں میں مسلمانوں کو مسرت ہوتی تھی۔ خطوط اور تقریروں میں اشعار کے مشہور و معروف اقتباسات کو سننے کی صلاحیت ہر مہذب و شایستہ مسلمانوں کے ذہنی لوازمات کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس سے شاعری کا خصوصی ذوق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا کسی بڑے شہر میں مزدوری کا لین دین کرتے وقت جاہل گاڑی بان کے لب سے سعدی یا حافظ کا کلام سننے میں حیرت نہیں ہوتی تھی۔ فن اور ادب کی مختلف انواع و اقسام میں مسلمانوں کو مہارت و کمال حاصل تھا۔ کوئی بھی شاعر ہو سکتا تھا۔ کوئی قزاق، وراہزن ہو یا پہلوان، شاعر ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ صاحب قلم، صاحب تلوار بھی ہوتے تھے۔ ایک مخصوص درباری کے اوصاف اور عیوب غالباً وہی ہوتے تھے جو فنا شاعر میں موجود تھے۔ بنس نے ایک دن اکبر کے سامنے کہا تھا: "ان تین شین میں کسی نے مجھ پر سبقت حاصل نہیں کی ہے شمشیر، شعر اور شطرنج۔ شہنشاہ نے فوراً جواب دیا "یہی بات دوسرے دو شین" کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے "شیطانی" اور شطاہی (دیدہ دلیری) اسلامی زندگی کی نمایاں

خصوصیت تھی کہ یہ رزم بزم اور عبادت میں مساوی طور سے منقسم تھی (جنگ جشن اور عبادت) گجرات کا سلطان سوئم، جو پیغمبر صاحب کا یوم ولادت نہایت پابندی سے منایا کرتا تھا۔ اس جشن کی مسرتوں کے اختتام پر وہ اپنے نجی کمرہ میں چلا جایا کرتا تھا اور شراب پینے میں مست ہو جاتا تھا۔[95] لشکر گاہوں میں موسیقار، خوبصورت اور شریں آواز والے مغنی، اور ذہین و فہیم لوگ اپنا وقت گزارا کرتے تھے اور روزانہ فوجیوں اور بنگال کے شاہی حکام کو اپنی موسیقی اور نغمات سے لطف اندوزی فراہم کرتے تھے۔[96]

مالوہ کے سلطان محمد خلجی کے بیٹے سلطان غیاث الدین نے اپنے محل سرا کے اندر دربار اور تمام دفاتر الگ الگ قائم کئے تھے۔ ایک وقت میں اس کے محل کے اندر پندرہ ہزار عورتیں تھیں۔ مدارس کی استانیاں مغنی، رقاصہ، کشیدہ کاری کرنے والی خواتین، عبادت گزار عورتیں اور تمام قسم کے پیشے کرنے والے اشخاص اور تجار ان میں شامل تھے۔ ان تمام غیر معمولی تصورات کے ہوتے ہوئے بھی وہ نہایت پابندی کے ساتھ روزانہ نماز ادا کیا کرتا تھا۔ اور اس نے اپنے ملازمین کو ہدایات جاری کر دی تھیں کہ وہ اس کو نماز کے معینہ وقت پر جگادیا کریں۔ ان کو اختیار دیا گیا تھا کہ اگر وہ سوتا ہو تو وہ ہر ممکن کوشش کریں کہ نماز کا وقت گزرنے نہ پائے۔ اور یہ مشہور بات ہے کہ وہ اس کے چہرہ پر پانی بھی چھڑک دیتے تھے اور نماز کے لیے اس کو بستر سے اٹھادیا کرتے تھے بایں ہمہ ایسے موقع پر اس کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔[97] مغلیہ حرم بھی مملکت کے اندر چھوٹے پیمانے کی مملکت تھی جس میں اسی طرح کے شعبے قائم کیے گئے تھے حالانکہ کسی شہنشاہ نے تقویٰ وپاکیزگی کی غرض سے اتنی تکلیف نہیں اٹھائی جتنی صعوبت سلطان غیاث الدین خلجی نے برداشت کی۔ اندورن خانہ تفریح کے لحاظ سے مسلمان شطرنج کھیلنے کے خصوصی طور سے شوقین تھے۔ دونوں قسم کی شطرنج کھیلتے تھے یعنی دو دستی اور چار دستی شطرنج جس کو شطرنج کامل یا چتورانگی[98] (چار شاہ کھیل) دانشمند ہارون رشید نے کہا تھا "کسی نہ کسی تفریح کے بغیر زندہ رہنا ناممکن ہے۔ میری رائے میں شہنشاہ کے لیے شطرنج سے بہتر کوئی تفریح نہیں ہے"۔[99] منوسی کے مطابق ان کی رائے تھی کہ حکومت کرنا، رکھنا اور رالگ کرنا، اختیار کے ساتھ لینا اور دینا، اپنے منصوبوں کو شاندار بنا کر

فائدہ اٹھانا وہ اسی کھیل کے ذریعہ سیکھتے ہیں[100]۔ شرط لگا کر شطرنج کھیلتے تھے اور شرط بھاری[101] ہوتی تھی۔ فرصت کے اوقات گنجفہ اور چوپڑ کھیلتے، جن کو پچیسی اور چوسر بھی کہتے ہیں۔ کھیلوں میں اصولوں اور طریقوں کا فرق نہیں ہے بلکہ ادنی اور قابل نظر انداز تفصیلات[102] کا فرق ہے۔ اکبر نے چوپڑ کے مہروں کی جگہ انسانی شکلوں کا استعمال کیا اور اس کو "چندل مندل" کے دلچسپ کھیل[103] میں تبدیل کر دیا۔ مسلم امراء کے طبقہ میں چوگان کا کھیل بہت مقبول تھا[104]۔ شکار مسلمانوں کا دوسرا فرصت کا مشغلہ تھا۔ شاہین کے ساتھ شکار کھیلنا جہانگیر کی رائے میں شکار کی اچھی تفریحات میں سے بہترین شکار ہے[105]۔ کچھ اشخاص عرب کے کتوں اور گھوڑوں کی دوڑ، مرغوں کی لڑائی، اور کبوتروں کی اڑان میں لطف و دلچسپی لیتے تھے اور آخر الذکر کو رومانی[106] نام عشق بازی سے موسوم کرتے تھے۔ فصیل بنانا، کشتی لڑنا، تیر اندازی، اور جانوروں کی لڑائیاں سارے ملک میں مقبول عام فرصت کے مشاغل تھے۔ یہ تذکرہ دلچسپ ہے کہ مسلمانوں کے راسخ العقیدہ طبقے نے ان معصومانہ تفریحات کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اور تاش، شطرنج، اور چوپڑ کی پرزور مذمت کی جاتی تھی۔[107]

مسلم نسوانیت:

فاضل جج اور عالم امیر علی نے اسلام میں عورت کے مرتبہ کو قانونی نقطہ نگاہ سے بیان کیا ہے۔ ان کی تصنیف "روح اسلام" کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسیر شریعت معاشرہ میں عورت کے مرتبہ کو بلند کرنے کے لیے اسلام نے کیا کیا ہے۔ بیگم میر حسن علی بذات خود غیر ملکی تھیں اور امراء کے طبقہ کے حرم میں کچھ عرصہ مکین رہیں، انہوں نے براہ راست معلومات کی بنا پر اپنی کتاب "ہندستان کے مسلمانوں پر مشاہدات" میں مسلم حرم میں خواتین اور ان کی زندگی کے بارے میں کافی لکھا ہے۔ شہزادی "جوئیرن ہینوم" کی تصنیف "حرم کی زندگی" میں ہمیں مسلم ممالک کے شاہی طبقہ میں غیر اسلامی اور لا محدود حرم سراؤں کے فروغ پر فہرست جرائم ملتی ہے۔ اس تصنیف میں انہوں نے ایک معری، حرم کے ذاتی تجربہ کی بنا پر صنف نازک کی افسردہ اور وحشت ناک حالت کا تذکرہ واضح طور پر کیا

ہے۔ بایں ہمہ ایک رخ تصویر کا حد سے زیادہ روشن ہے اور تصویر کا دوسرا رخ حد سے زیادہ تاریک ہے۔ آخرالذکر تصویر ایک زوال پذیر زمانہ کے عیش پرست دربار کے معاشرہ نسواں کا مطالعہ ہے۔ ہمعصر ہندو ایرانی ادب اور غیر ملکی سیاحوں کے تذکرہ سے اخذ کردہ مغلیہ سلطنت کے معاشرہ نسواں کی تاریخی قلمی تصویر کشی یا مرقع نگاری ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔ یورپ کے سیاحوں کی دی ہوئی ناموافق رائے زنی کے خلاف تعصب ہم کو دور کردینا چاہیے کیونکہ ان کی نگاہوں نے صحیح طور سے اس کو دیکھا جو ہمارے لوگوں کی نظر سے بچ کر نکل گیا۔

عرب کے پیغمبر نے عرب عورتوں کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ انہوں نے (پیغمبر اسلام) عورتوں کو شرعی حقوق کی شکل میں بہت کچھ دیا۔[1] زیر تبصرہ دور میں عورتوں کے متعلق مسلمانوں کی عام رائے تھی کہ عورتیں مردوں کی طرح قابل اعتماد نہیں ہیں۔ اگرچہ عورتیں ایک معتمد و معتبر اور عظیم خاندان سے وابستہ بھی ہوں کیونکہ وہ بذات خود اس طبقہ سے وابستہ نہیں جو کسی شخص کو معتمد و معتبر کی خصوصیت سے نوازے۔[2] ان تمام باتوں کے باوجود یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شاہی حرم ہو یا ادنیٰ خاندان مسلم معاشرہ میں عورتوں کا بڑا اثر رہا ہے اگرچہ مرد کا احساس برتری یا وحشیانہ پن کبھی کبھی پھوٹ پڑا۔ خلیفہ منصور نے اپنے فرمان میں اپنے بیٹے مہدی کو آگاہ کیا تھا: "عورتوں کو اقتدار و اختیار دینے میں ہوشیار رہنا" اور مہدی اپنی خلافت کے سارے دور میں اپنی بیوی (ہارون کی ماں) کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا۔ زبیدہ خاتون بالآخر قوی برمکیوں سے بھی زیادہ قوی ثابت ہوئی۔ ترکی عورتیں مساوی طور سے جارحانہ اور آمادہ پیکار ثابت ہوئیں۔ دور خلافت میں خلیفہ مقتدر کی ترکی والدہ کے ہاتھوں عورتوں کا اثر اپنی معراج[3] پر پہنچ گیا۔

عظیم سلجوقیوں کی تین نسلوں کی خدمات انجام دینے کے بعد سلطان ملک شاہ کی تحکم پسند ملکہ کے ذریعہ قدیم اور وفادار نظام الملک طوسی کو اپنے عہدہ وزارت سے دستبردار ہونا پڑا۔ قدیم وزیر نے سارے طبقۂ نسواں سے انتقام لیا۔ اس نے اپنی کتاب "سیاست نامہ" میں عورتوں کے خلاف مردوں کے دل کو فولادی بنادیا اور تمام آنے والے زمانے کے بنی نوع انسان کو تنبیہ کر دی۔

"زیردستاں راز بردست نہ کنید"۔

(اپنے ماتحت و محکوم لوگوں کو اعلیٰ مرتبہ و اقتدار مت دو) بہت کم لوگوں نے اس مشورہ کی تقلید کی لہٰذا زمانہ وسطیٰ میں بہر حال عورتیں زبردست بنی رہیں۔ ایران کی عورتوں کے ساتھ یہ تخصیص نمایاں طور پر وابستہ رہی۔ صفوی بادشاہوں کے دور میں ماں، بہن اور ملکہ کی حیثیت سے حکومت کے انتظام و انصرام میں عورتوں کو اقتدار و اثر حاصل رہا۔ مسلم عورتوں کی حالت مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں مختلف رہی ہے۔ ہمارے زیر مطالعہ دور میں ہندستان میں عورتوں نے آزاد عرب عورتوں کی قابل فخر مرتبت کو کھو دیا اور یقینی طور پر کمتر رتبہ پر متمکن رہی ہیں اور اپنے کثیر الازواج آقا کی مرضی کے تحت محکومی کی حیثیت رہی۔[۱۲] بہر حال عورتوں کو خاندان کی آبرو سمجھا جاتا تھا اور آبرو کو قائم رکھنے کے لیے کوئی قربانی بھی بڑی نہیں سمجھی جاتی تھی۔[۱۳] بذات خود عورتیں اپنی آبرو کے تحفظ میں لڑیں اور ذلت و رسوائی پر موت کو ترجیح دی۔[۱۴]

پردہ پڑی ہوئی عورتوں کی ڈولی سارے ملک میں مقدس سمجھی جاتی تھی۔ اس پر دعویٰ کرنے کی کسی شخص کی ہمت و مجال نہیں تھی۔[۱۵] پردہ کے دستور کی پابندی سختی کے ساتھ کی جاتی تھی۔ کوئی شایستہ عورت بغیر برقع[۱۶] پہنے عوام میں نہیں آتی تھی اور وہ بھی شاذ و نادر۔[۱۷] صرف غریب عورتیں پیدل چلتی تھیں۔ اعلیٰ قسم کی عورتیں عام طور سے پردہ پڑی ہوئی ڈولیوں میں لے جائی جاتی تھیں۔ خصوصی طور سے پالکیوں میں سفر کرتی تھیں۔[۱۸] مسلمانوں کی اپنی بیویوں کے متعلق بدگمانی ضرب المثل تھی۔ خاندان کی خوبصورت کنواری لڑکیوں کو دیکھنے کی اجازت قریبی رشتہ داروں کو بھی نہیں ہوتی تھی۔[۱۹] اونچی دیواروں والے مکانات تعمیر کئے جاتے تھے اور کوئی رہائش گاہ خاص طور سے ایسے مقام پر نہیں تعمیر ہو سکتی تھی، جس سے دوسروں کی بے پردگی ہو۔[۲۰] عورتوں کے کمرہ کی علیحدگی کا خاص دھیان رکھا جاتا تھا اور کوئی شخص اپنے آنے کی رسمی اطلاع دیے بغیر گھر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔[۲۱] برہنہ عورت کی جھلک سے بھی گریز و پہلو تہی کرتے تھے۔[۲۲] مسلم عورتوں کو عام طور سے مذہبی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ ابن بطوطہ کہتا ہے: "شہر (ہنور) کی تمام مسلمان عورتوں کو قرآن شریف

حفظ تھا۔ اس شہر میں ۲۳ لڑکوں کے اسکول تھے اور ۱۳ لڑکیوں کے اسکول تھے۔ اس نے اپنے سفر میں اس جیسی چیز کو اور کسی جگہ نہیں دیکھا"۔[۲۳] اورنگ زیب کے حرم کی بچیوں نے اس کی ہدایت کے تحت مذہبی اصول اور ضروری بنیادی عقائد سیکھے تھے اور سب عبادت الٰہی میں مصروف رہتی تھیں۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتی تھیں اور اس کے قلمی نسخے تیار کرتی تھیں[۲۴] اور عالم آخرت کی صفات پیدا کر کے زاد راہ تیار کرتی تھیں۔ بایں ہمہ مسلم معاشرہ کے اعلیٰ طبقہ نے کچھ ادیب عورتیں پیدا کیں اور مسلم شاعرہ خواتین بھی شہرت یافتہ تھیں۔ اپنی ہندو بہنوں کی طرح مسلم عورتیں مردوں سے زیادہ مذہبی ذہن کی حامل تھیں۔[۲۵] ناٹز پلسلو کے مطابق یہ عورتیں نہایت متناسب و موزوں ہوتی تھیں[۲۶] اگرچہ پست قد ہوتا تھا"۔ جہانگیر نے ہندو عورتوں کی وفا پرستی کی تعریف کی ہے اور مسلم خواتین میں ان کی عدم موجودگی پائی۔[۲۸] مسلم خواتین میں ان کی عدم موجودگی پائی۔ مسلم عورتوں کی اخلاقیات اپنے نصف ثانی مردوں سے تین گناہ قوی تھی، اگرچہ شہر کے لوگوں میں کچھ غفلت نظر آتی تھی۔[۲۹] ان کے جذبات کا بغیر لحاظ رکھے ہوئے مسلمانوں کا آزاد حرم رکھنا منجملہ دیگر وجوہات کے اس غفلت کی ایک وجہ قرار دی جاسکتی ہے۔[۳۰]

کثیر الازدواجگی اور بیوہ کی دوسری شادی:

جہاں تک اسلامی حکم وہدایت کی روح کا تعلق ہے یک زوجگی کو شادی شدہ زندگی کی اعلیٰ ترین شکل قرار دیا گیا ہے، جیسی شرط پیغمبر صاحب نے کثیر الازدواجگی کے ضمن میں بتائی یہ ہے کہ سب بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کیا جاوے۔ آپ جیسے اعلیٰ انسان کے سوائے انسانی فطرت کے لحاظ سے سب بیویوں کے ساتھ مساوی رویہ عام آدمی کے لیے اختیار کرنا ناممکن ہے۔ لیکن پیغمبر صاحب کے پیرووں نے کثیر الازدواجگی کی مثال کی تقلید کی بغیر اس کی روح کو ملحوظ رکھے ہوئے۔ متعلقہ سورہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ "لیکن اگر تم یتیموں میں عدل وانصاف قائم نہ کرسکو تو عورتوں میں سے جو تم کو اچھی معلوم ہو تو شادی کرلو دو دو یا تین تین یا چار چار اور اگر تم کو خدشہ ہو کہ تم مساوی سلوک نہ کرسکو گے تو صرف ایک یا جس

پر تمہارے دست راست کا قبضہ ہو[۱۳۱]"۔

بیرون ہندستان عورتیں نسبتاً کم تھیں اور اسی وجہ سے اوسط درجہ کے مسلم حرم اتنے بڑے نہیں تھے، جتنے بڑے حرم ہندستانی مسلمانوں کے ہوتے تھے۔ سلطان ناصر الدین کے سوائے اسلام کی صحیح روح کے مطابق کسی مسلمان حکمران نے ایک بیوی پر قناعت نہیں کی۔ عام طور سے مسلمان زیادہ سے زیادہ چار بیویاں ایک وقت میں رکھنا شرعی سمجھتے تھے۔ بوڑھیوں کو طلاق دے کر نوجوان بیویوں کے لیے جگہ خالی کر کے حسب مرضی بیویوں کے عملہ میں تبدیلی لائی جاسکتی تھی۔ اکبر پہلا مسلمان حکمراں تھا، جس نے ہندستان میں شادی سے متعلق اصلاحات کرنے پر غور کیا تھا۔ وہ ایک بیوی شادی کر کے رکھنے کی خواہش کی تبلیغ کرتا تھا۔ اس کا مقولہ ہے: "ایک شخص کے لیے ایک بیوی کافی ہے[۱۳۲]"۔ اگرچہ بغیر کسی بیوی کو طلاق دیے ہوئے اس نے خود تین سو عورتوں سے شادیاں کی تھیں۔ ایک دن جب یک زوجگی کا معاملہ خود شہنشاہ کے توسط سے زوردار طریقہ سے زیر بحث و مباحثہ لایا گیا اس کے عزیز دودھ شریک بھائی مرزا عزیز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا کہ کسی شایستہ، خاندان کے لیے کم سے کم چار بیویوں کی تعداد ہے۔ جب مرزا عزیز سے پرزور طور پر وجوہات بتانے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا "ایک آدمی کو بچوں کی پرورش کرنے کے لیے ہندستان کی ایک عورت سے شادی کرنی چاہیے۔ گھر کا کام کرنے کے لیے ایک بیوی خراساں سے لانا چاہیے، ساتھ رکھنے اور بات چیت کرنے کے لیے ایک عورت ایران کی ہونی چاہیے" اور چوتھی بیوی کے بارے میں کیا ہے؟ مرزا عزیز نے عرض کیا "تینوں کی کوڑا بازی کرنے اور امن وامان قائم رکھنے کے لیے ایک عورت ٹرانس اکسائنا سے ہونی چاہیے[۱۳۳]"۔

بیویوں کی شرعی تعداد کے سوال نے عبادت خانہ میں معزز عبدالنبی کو مصیبت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اکبر نے علی الاعلان ان پر الزام عائد کیا کہ وہ پہلے اس کو بتا چکے تھے ایک آدمی شرعی طور سے اٹھارہ بیویاں شادی کر کے رکھ سکتا ہے اور اب وہ کچھ اور چیز کہہ رہے تھے[۱۳۴] واقعی مصیبت ختم ہو گئی قرآن شریف کے اقتباس کی تفسیر کا حوالہ پہلے دیا جاچکا تھا اور ملا نے عربی لفظ "مثنیٰ" کا ترجمہ "دونا" سے کیا، جوڑی ہوئی اٹھارہ ہو جاتی ہے۔ "منتخب التواریخ" میں مزید

تذکرہ ہے کہ عالم مولوی نے آٹھ بیویاں شادی کر کے رکھیں کیونکہ اس نے آیت کو "دو جمع تین جمع چار" یعنی کل نو۔ غالبًا آئندہ کے لیے ایک کی گنجائش رکھی۔[۵۳] تبلیغ اور عمل میں تفاوت کے معاملہ میں بہر حال سیاسی ضرورت اور رحم دلی کی بنیاد پر ابوالفضل اکبر کا دفاع کرتا ہے۔ کثیر الازدواجگی کے عیوب اور نسوان کی علیحدگی سے ہندستان میں زمانہ حال کے بہ نسبت زمانہ وسطی میں مسلم ملت نے زیادہ تکلیف اٹھائی۔ کثیر الازدواجگی امیروں کے لیے عیش وعشرت تھی اور بے سوچے سمجھے غریب لوگوں نے بھی اپنے اوپر ایک ذمہ داری اور زیرباری مسلط کر لی۔ بڑے امیر کا گھر نسل انسانی کی حقیقی افزائش گاہ تھی۔ اپنے بیٹوں کی پرورش کرنے میں ساری احتیاط برتنے کے باوجود نسل کا انحطاط وتنزل لازمی تھا۔ شریف خاندان تاریخ کے صفحات سے تقریباً غائب ہو گیا تھا، جیسا کہ "معاصر الامراء" سے ظاہر ہے۔ شریف واعلیٰ خاندان میں بیویاں اور ان کی خلوت ایک اقتصادی نکاس تھا، جس سے دولت نکل جایا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں ہر گھر میں نوکرانیوں اور خواجہ سراؤں کی ایک فوج[۵۴] کی مانگ تھی۔ جہاں تک ذوق کے معیار اور ضرورت کا تعلق ہے مرزا عزیز کی مضحکہ خیز رائے زنی خود ہی کافی فصیح وبلیغ ہے ایک حرم امیر اور غریب دونوں کے لیے پریشانی کا دائمی وسیلہ تھا۔ کثیر الازدواجگی والے گھر میں خانگی یکجہتی اور سکون کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ غریب شوہر سازش اور سخت اذیت کا مرکز ہوتا تھا۔ دیہاتی مثل ہے۔ "اگر تمہارے ایک بیوی ہے تو تم اپنی عدم موجودگی کے بعد اپنے گھر میں اعتماد کے ساتھ چل سکتے ہو۔ اگر دو بیویاں ہوں تو تم کو گھر سے باہر رک جانا چاہیے اور اندر کے شور کو سننے کے لیے اپنے کانوں پر زور ڈالنا چاہیے۔ اگر دو سے زیادہ بیویاں ہیں تو بہتر ہے کہ پہلے اپنے پڑوسی کے پاس جاؤ اور اطمینان کرلو کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ تو نہیں ہوا ہے"۔ ہندو کے مقابلے میں دیہات میں پردہ کی گرفت میں رہ کر ایک مسلم کاشتکار کو زیادہ دشواریاں ہوتی ہیں کیونکہ اس کی بیویاں کھیت میں کام نہیں کر سکتی ہیں گھر والوں کے لیے کنویں سے پانی لانے کی غرض سے اس کو ہی جوتنا اور بیج بونا چھوڑ کر گھر دوڑ کر جانا چاہیے۔ حالات کو اور بھی زیادہ مایوس کن اور افسوس ناک ہو جانا چاہیے جب کہ مسلم کو حکمراں نسل کی آبرو اثر اور سطوت کو برقرار بھی رکھنا ہوتا تھا۔ اکثر

کثیر الازدواجی والے مسلم گھر میں عام طور سے پہلی بیوی یعنی جو پہلی شادی کر کے بیوی بنی ہو سب سے زیادہ معزز (محترم محترمہ) ہوتی تھی جہاں وقار وجاہت اور عظمت کا تحفظ کرنا ہوتا تھا تمام معاملات میں پہلی بیوی کو اولیت حاصل ہوتی تھی۔ خانگی معاملات کے انتظام اسی کے اختیار میں ہوتے تھے۔ اپنے شوہر کی دوسری بیویوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے سپرد ہوتی تھی اگرچہ چھوٹی بیویاں یقینی طور پر اپنی آقا کی مرجع نظر ہو جایا کرتی تھیں[۸۱] بیوہ کی دوسری شادی خاندان میں اور بھی زیادہ پیچیدگیاں پیدا کر دیا کرتی تھی، جب وہ پہلے شوہر سے اپنے بچوں کے ساتھ آیا کرتی تھیں۔ بدایونی نے ایک غریب مسلمان کی داستان بیان کی ہے، جس نے اپنے بیٹوں کی مندرجہ ذیل درجہ بندی کی ہے (۱) میرے بیٹے (یعنی ابتدائی بیوی یا بیویاں)۔ (۲) میری بیوی کے بیٹے (یعنی اس کے پہلے شوہروں سے پیدا شدہ جو خاندان میں لائے گئے)۔ (۳) میرے اور میری بیوی کے بیٹے (یعنی وہ جو نئے نکاح سے پیدا ہوئے)۔
دوسرا عیب جس کی اصلاح کرنے کی اکبر نے کوشش کی۔ یہ رجحان تھا کہ بوڑھی مالدار عورتیں نوجوان شوہروں کے ساتھ شادیاں کیا کرتی تھیں۔ ایسی شادیاں غیر شرعی نہیں تھیں اگرچہ نقصان دہ ہوتی تھیں۔ اگرچہ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ بوڑھے مردوں کی جوان لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کرنے کی مخالفت میں اکبر نے اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا، جیسا ہندو مذہب میں ہے۔ اگرچہ اسلام نے بچپن کی شادی کا حکم نہیں دیا حالانکہ حضرت بی بی عائشہؓ کے عمر شباب پر پہنچنے سے پہلے ہی پیغمبر صاحب نے ان سے شادی کر لی تھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مسلم ملت نے اس لحاظ سے ہندوؤں کی روش اختیار کی ہے۔ شہر کوتوال کے ذریعہ سن بلوغ کی تصدیق کرائی جاتی تھی۔ اکبر نے بچپن کی شادی کے خلاف ایک قانون بنادیا تھا۔ یہ مفید لیکن غیر شرعی قانون کم و بیش شہنشاہ کے پس پشت غیر نافذ قانون یا قصہ پارینہ ہو جاتا تھا[۹۱]

خواتین اور سیاست:

اگرچہ خدا کے پیغمبر نے بستر مرگ پر اپنی محبوب ترین بیوی حضرت عائشہؓ سے کہا تھا کہ عورتوں کو عوام الناس کے معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ بعد کو حالات سے مجبور

ہو کر قاتل خلیفہ کی وجہ سے خلافت کے لیے حضرت علیؓ کے انتخاب کی حضرت عائشہؓ نے مخالفت کی تھی۔ اس وقت سے جب کبھی مواقع ملے مسلم عورتوں نے سیاست میں حصہ لینے سے گریز نہیں کیا ہے۔ بھلے ہی سیاستداں اور اخلاقیات کے مبلغ اسلام میں عورتوں کی رائے کی مذمت کریں۔ ایران کی عورتوں کے مقابلے میں ہندستان کی مسلم عورتیں عام طور سے دعویٰ حق کم کرتی تھیں۔ مرزا محمد زماں نے گجرات کے سلطان بہادر کے حرم کی خواتین سے ایک فوج کی بھرتی کے ضمن میں ان کے سونے اور زیورات کو استعمال کرنے کی رضا مندی لینا چاہی تھی۔ خواتین نے جواب دیا تھا "اس کو غلط فہمی تھی اگر وہ سوچتا تھا کہ ان کو مملکت کے معاملات میں دخل اندازی کرنے کا اتنا ہی بڑا حق حاصل تھا، جیسا کہ ایران کی خواتین کو حاصل تھا۔ یہ کہ ان کی آمدنی اور نان ونفقہ مقرر تھا اور یہ کہ ان کا مملکت کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ کہ اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ معاملہ کو وزراء اور امراء کے سامنے پیش کرے اور ان سے مشورہ لے[۳۲]" لیکن مغل حرم میں حالت کچھ اور ہی تھی۔ ہمایوں کی ماں کو اپنی خاطر تخت بچانے کے لیے میر کلاں کی سازش کے خلاف نہایت ہوشیاری، شعور اور موقع شناسی سے کام لینا ضروری تھا۔ اگرچہ ہمایوں اپنے باپ کے مقابلہ میں زیادہ انتظام وانصرام کرنے لائق تھا، عورتوں سے زیادہ اس پر الیوں کا اثر تھا۔ اکبر کی شخصیت اس قدر بلند اور سخت گیر تھی کہ سیاست اور عوام الناس کے معاملات میں اس پر عورتوں کا تسلط اور اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ اسپ حکومت کی زین کسنے اور احتیاط وہوشیاری سے وقت صرف کرنے کی غرض سے اس نے ماہم انگا کی بالادستی کو صرف دو سال تک برداشت کیا تھا۔ ماہم کی ماں کی حیثیت سے کمزوری نے اس کو بالاتر نہیں ہونے دیا اور اس میں حکمرانی کی صلاحیت اور اہلیت نہیں رہی۔ اکبر کی نگرانی میں رہنے والی دو باندی لڑکیوں کو لے جاکر قتل کرنا ماہم کے بیٹے اُدھم خاں کا ارتکاب جرم تھا، جس میں نمایاں طور پر ماہم انگا کی درپردہ اجازت تھی جیسا کہ ابوالفضل اور بدایونی نے بتایا ہے۔ اس واقعہ سے سیاست کے کھیل میں ترکی خواتین کی رغبت کی کافی عکاسی ہوتی ہے۔ آخری برسوں میں اکبر کی ماں اور بیگم خاص، ترکی سلطان بیگم اپنی متحدہ کوششوں کے باوجود ایک سنی مسلم کو معافی نہیں دلا سکیں، جس

نے لاہور شہر میں محض مذہبی تعصب و تشدد کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا۔ ایک عورت کے نظام حکومت میں شوہر پر کیا کیا آفات و بلیات نازل ہو سکتی تھیں، ابوالفضل نے نیک مزاج بدخشاں کے مرزا سلیمان کی بیوی حرم بیگم کی حرکتوں کے تذکرہ میں اس کی تفصیل دی ہے۔ بالآخر جس کی وراثت ہاتھ سے نکل گئی اور وہ اکبر کے دربار میں طالب رحم کی حیثیت سے آگیا۔ جتنی موت اور جتنے عرصہ تک نور جہاں بیگم کو اقتدار حاصل رہا کسی اور کو نصیب نہیں ہوا۔ اس کی تمنائے حکمرانی سلطنت" جہانگیر کی موت کے بعد بھی مستقبل میں حکمراں سلطنت ہونے کی آرزو اور اپنی بالادستی کے تحفظ کی سازشوں نے جہانگیر کے عہد حکمرانی کے آخری چند برسوں میں ہنگامے پیدا کئے۔ بہر حال اس نے اپنے زمانہ کے لائق ترین فوجیوں اور سیاستدانوں کے لیے خود کو مد مقابل سے برتر ثابت کیا۔ بہر صورت اس نے اپنے آزاد رو اور رند مشرب شوہر کی شفیق خدمت گار کا کردار ادا کیا۔ غریبوں کے یتیم بچوں کی ماں کا کام انجام دیا۔ معاشرہ نسواں کے رہبر کے فرائض انجام دیئے۔ کفایت شعار اور صاحب ذوق خاتون کی زندگی پر رکی اور اپنے شوہر کے مقبرہ کی خادمہ کی حیثیت سے وفات پائی گویا وہ شریف نسوانیت کا نصب العین مثال اور کامل نمونہ ہو گی۔ شاہ جہاں کی لڑکیوں کے سیاسی کردار، پاکیزہ جہاں آرا اور انتقامی اور بے احتیاط روشن آرا عام تاریخی حقائق ہیں۔

ممتاز محل کی بہنوں کی شادیاں جعفر خاں اور خلیل اللہ خاں سے ہوئی تھیں۔ انہوں نے اپنے پنج ہزاری شوہروں کو زندگی بھر اپنی مرضی کا غلام بنا کر رکھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں اس کی لڑکیوں زیب النساء اور زینت النساء بیگم نے جلیل القدر شہنشاہ پر اپنی قوت و اثر کو مسلط رکھا۔ ان کے شیریں اور شفقت آمیز اثرات نے اپنے باپ کی سخت گیری کے ضمن میں سیاسی اعتبار سے روک تھام کی حیثیت سے کام کیا شمبھوجی کی اسیر کردہ بیوہ اور اس کا صغیر سن بیٹا اپنی زندگی، تحفظ و اعتماد کے لیے زینت النساء بیگم کے مرہون منت ہیں، جس نے ان کو اپنے باپ کے غیظ و غضب سے محفوظ رکھا۔ آخری زمانہ میں مسلم معاشرہ کے اندر سیاست میں عورت کبھی تصویر سے باہر نہیں رہی۔ محمد شاہ کی بیوی نواب قدسیہ بیگم اور پنجاب کے گورنر ذکریا خاں

کی بیوی مغلانی بیگم ان دنوں کی خواتین سیاست دانوں کے نمونے ہیں۔اس کے بعد نظر فیض آباد اور لکھنؤ کی طرف جاتی ہے۔وہاں بیگمات اودھ نے دہلی کی قدیم روایت کو برقرار رکھا۔

بنگال میں بھی سیاست اور مملکت کے معاملات میں خواتین نے کوئی کم اہم حصہ نہیں لیا۔ علی وردی خاں کی بیگم نے اعلیٰ ترین سیاسی حاکم کا کردار ادا کیا جب کہ اس کا شوہر مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے میں مصروف تھا۔ "سیر المتاخرین میں تذکرہ کیا گیا ہے کہ علی وردی خاں رگھوجی بھونسلا کی سرکردگی میں مرہٹوں سے جنگ کرنے کے بعد ایک دن پٹنہ میں پریشان نگاہ بیگم کے خلوت خانہ میں داخل ہوا۔ بیگم نے دریافت کیا "کیا معاملہ ہے"۔ علی وردی خاں نے جواب دیا "اس وقت مجھے خود اپنے ہی فوجیوں اور حکام کی غداری اور دغابازی کا خطرہ و خدشہ ہے"۔اس پر بیگم نے خود ہی پہل کی اور اپنی ذاتی ذمہ داری پر ایک سیاسی وفد کی تنظیم کی اور اس کو صلح نامہ کی غرض سے رگھوجی کی لشکر گاہ میں بھیجنے کا انتظام کیا۔ رگھوجی نے تحریر کو تسلیم کر لیا تھا لیکن اس کے مشیر خاص میر حبیب نے اس کو اس تجویز سے باز رکھا اور اس کو مرشد آباد کی طرف بڑھنے کا مشورہ دیا اور مال غنیمت کا سبز باغ دکھایا گیا"[21] مرشد قلی خاں دوئم اپنی کمزوری کے احساس کی وجہ سے علی وردی خاں سے جنگ کرنا پسند نہیں کرتا تھا لیکن اس کی دلیر بیوی دردانہ بیگم نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس کو جنگ کرنے کی ترغیب دی تاکہ وہ اس کے بھائی سرفراز خاں کے زوال کا انتقام لے اور اس کو دھمکی دی کہ اگر وہ ایسا نہیں کر سکا تو وہ اس کو حکومت اڑیسہ سے ہٹا دے گی اور اس کی جگہ اپنے داماد مرزا باقر علی خاں کو گدی پر بٹھا دے گی۔ مرشد قلی خاں نے اپنی بیوی کے اثر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور علی وردی خاں سے جنگ کرنے کا مستحکم[22] و مصمم ارادہ کر لیا۔ جنوب میں چاند سلطانہ نے اکبر کے مد مقابل کی حیثیت سے جنگ اور حکمت عملی میں اپنی لیاقت و صلاحیت کا کم اظہار نہیں کیا "فرشتہ" بتلاتا ہے کہ بیجاپور کے یوسف عادل شاہ کی بہن دلشاد آغا اور ملکہ ماں جب نچی خاتون پردہ چھوڑ کر باہر نکل آئیں "مردوں کی طرح لباس پہنا، ہتھیاروں سے مسلح ہوئیں، اپنے ہاتھوں میں کمان اور تیر لے کر کم عمر اسماعیل عادل شاہ کے خطاب اور حق ملکیت کے تحفظ کے لیے برسرپیکار تھیں"[23]

ملت کے اخلاقی محاسن و کمزوریاں:

معاشرہ کی اکائی کی حیثیت سے خاندان ایک متوسط آدمی کے محاسن و عیوب کی عکاسی کرتا ہے۔ اگر ایک مسلم گھرانے میں باپ کی بالکنایہ فرمانبرداری کی جاتی تھی تو ماں کی پرستش ہوتی تھی کیونکہ پیغمبر خدا نے فرمایا تھا: "تیری ماں کے پیروں کے نیچے جنت ہے"۔ ماں کی عزت کرنا اسلام سے پیشتر بھی ایک وصف اخلاق تھا۔ ایک مریض عرب جنگجو، سحر، جس کی بیوی سلیما اس کو زندہ رکھنے کی تمنا میں تیمارداری کرتے کرتے اکتا گئی تھی۔ اپنے احساسات کا تذکرہ اس طرح کرتا ہے۔ "سحر کی ماں سحر کی طویل بیماری سے اکتاتی نہیں ہے یہ اس کی بیوی ہے جس کے صبر و تحمل میں کمزوری آگئی ہے، خدا کرے وہ شخص اپنی زندگی بھر تکلیف اور ذلت و خواری میں رہے جو ماں کی قدر و قیمت اپنی بیوی سے زیادہ نہیں کرتا ہے"۔[۵] ہمارے غریب مسلم جولاہے کبیر جی نے زمانہ وسطی کے مسلم معاشرہ کے احساسات کی صدائے باز گشت کو اسی لہجہ میں پیش کیا ہے جب لگ جیوے ماتا رووے، بہن روے دس ماس، تریا دودہ پھر گھر کی آس۔

(یعنی ہماری موت کے بعد ماں جب تک جئے گی روئے گی اور بہن دس مہینے روئے گی بیویاں زمین پر پچھاڑ کھا کر اور بال بکھیر کر خوب چلا کر روویں گی اور تسکین سے انکار کریں گی لیکن ہر وقت نیا گھر بسانے کی تمنا کرتی رہیں گی دوسرے شوہر کے ساتھ) اس زمانہ کا انسان کم سے کم ضابطہ کے طور پر ماں کی دل شکنی اور خلاف ورزی حکم کے مقابلے میں باپ کی نافرمانی کو بغیر کسی تاخیر کے معاف کر دیا کرتا تھا" دونوں جہاں کے کعبہ و قبلہ کی حیثیت سے باپ کی تعظیم کی جاتی تھی۔ اگرچہ ہم بغیر مسکراہٹ کے نہیں رہ سکتے جب جہاں گیر اپنی خود نوشتہ سوانح عمری میں اکبر کے پسندیدہ آموں کو دیکھ کر روتا ہے اور مالوہ کے ناصر الدین خلجی کے مقبرہ پر اس وجہ سے ٹھوکر مارتا ہے کہ اس نے خود اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر کے ارتکاب جرم کیا تھا۔ زمانہ وسطی کے اوصاف کے حق میں جدید تہذیب مہلک و تباہ کن ثابت ہوئی۔ اور جدید گھرانے میں ماں اور بیوی کی مرتبت کو بڑی حد تک برعکس کر دیا جہاں بیوی

ماؤں اور بہنوں پر حکومت عالیہ قائم کرنے کی تمنا کرتی ہے۔ انسان کے بن مانس کی ارتقائی منزل سے لے کر مافوق البشری کے ارتقائی رتبہ تک پہنچنے کے باوجود انسان سے چمٹے ہوئے قدیم وحشی پن و بربریت کی وجہ سے ہر زمانہ میں عورت نے مصیبت اٹھائی۔ زمانہ وسطی میں عورتوں کے ساتھ مرد کے سلوک کے بارے میں ملک محمد جائسی نے حسب ذیل سطور میں اظہار خیال کیا ہے خواہ مرد راجپوت ہو یا مسلمان:

"تریا بھوی کھرگ کی چیری
جیت جو کھرگ ہوئی نے ہی کی ری
جسے ہی گھر کھرگ مونچھ تے ہی گاڑھی
جہاں نے کھرگ مونچھ ناہیں واڑھی"

(عورتیں اور زمین تلوار کی کنیزیں (باندیاں) ہیں وہ اسی کی ہو جاتی ہیں جو ان کو تلوار سے جیت لیتا ہے۔ جس کے گھر میں تلوار ہوتی ہے اس کی مونچھیں (عزت) گاڑھی ہوتی ہے۔ بغیر تلوار کے نہ داڑھی ہے نہ مونچھیں)۔

زمانہ وسطی کے ہندستان میں ایسا ہی ضابطہ اخلاق تھا اور ایسا ہی عمل بھی جہاں اسیر کردہ حسن جہاد کا دائمی ذریعہ تحریک کے ساتھ ساتھ کریہہ ظلم و تشدد کا محرک تھا اور وسیلہ اشتعال بھی۔ بڑے بڑے جرم ہونے کے باوجود غنڈوں اور بدمعاشوں کی کمی نہیں تھی۔ اپنے پڑوسی کی کھڑکیوں میں جھانکتے تھے۔ شکار کی غرض سے شریف لوگوں کی چھتوں اور چبوتروں پر نگاہیں ڈالتے ہوئے سڑک پر چلتے تھے۔ جو کچھ کبیر کاشی (بنارس) کے عیاشوں کے بارے میں کہتے ہیں وہی آگرہ اور دہلی کے مسلم بدمعاشوں پر صادق آتا ہے۔ عورتوں کا اغوا کرنے کا عیب شریفانہ جہاد ہوتا تھا اور گرفتار و سزا یافتہ شخص کا استقبال شہید عشق کی حیثیت سے کیا جایا کرتا تھا اور علمائے دین بحث و مباحثہ کرتے تھے "کیا ہندو عورتوں کو اغوا کرنے کی وجہ سے شہیدؒ کی تعظیم ہوتی تھی"؟۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

ساتواں باب

(۱) "خمر" کی اصطلاح کے تحت شراب سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا خمیر اٹھ جاتا ہے۔ سوائے سرکہ سب طرح کی چیزیں جو شراب کہلاتی ہیں اسلام میں حرام قرار دی گئی ہیں (قرآن شریف II، ۲۱۶، ۷، ۹۲ دیکھئے) ہفس بھی ملاحظہ کیجئے۔ "فرہنگ اسلام" صفحہ ۶۷۰

(۲) "مطلع الانوار" صفحہ ۵۸،

(۳) اکبر نامہ بیورج باب III صفحہ ۸۸۱۔

(۴) "تزک" باب I صفحہ ۳۰۶، شراب کی مختلف اقسام کے لیے مذکورہ بالا باب II صفحہ ۱۲۶۔

(۵) مذکورہ بالا باب I صفحہ ۱۵۰

(۶) منوسی باب II صفحات ۵، ۶۔

(۷) مانسریٹ صفحہ ۲۵، اوگلن صفحہ ۲۳۵، برنیر صفحات ۲۵۲، ۲۵۳۔ منوسی باب II صفحہ ۱۵۰، موازنہ کیجئے۔

(۸) مانڈیلسلو صفحہ ۲۹۔ منوسی باب II صفحہ ۷، اوگلن صفحہ ۲۳۸ ...... ملا ایوب جو ایک لائق تعریف عالم اور خوش اسلوب شاعر تھا۔ افیوں کھایا کرتا تھا اور اس نے نشہ آور چیز کی تعریف میں کچھ اشعار بھی لکھے ہیں۔

"ارے حضرت ذرا افیون کھائیے۔ کہ مباشرت میں سرعت انزال نہ ہونے میں یہ

تیری مدد کر سکتی ہے۔ افسون عالم کو فائدہ دیتی ہے۔ ایک عالم آدمی کو اپنے علم پر عمل کرنا چاہیے"۔ اشعار کی لطافت و حسن، علم اور عمل الفاظ کی بندش میں ہے۔ عمل کے دو معنی ہیں مشق کرنا یا کام کرنا اور نشہ آور چیز راجپوت کا "امل" اس طرح آخری سطر کے دونوں مفہوم لیے جا سکتے ہیں جیسا کہ اوپر ترجمہ کیا گیا "علم کو نشہ آور چیز کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یا بغیر نشہ آور چیز کے کوئی علم نہیں ہو سکتا"۔ "سراۃ سکندری" ترجمہ ۱۲۹ دیکھئے۔

(۹) "بہارستان" باب I صفحہ ۱۰۴ موازنہ کیجئے۔ "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۲۲۹ دیکھئے۔

(۱۰) فتوحات فیروز شاہی تالیف کردہ باب III صفحہ ۳۷۸۔

(۱۱) مذکورہ بالا صفحات ۳۷۹، ۳۸۰

(۱۲) "ذکر" (یاد) قرأت و تلاوت اور نغمہ سرائی۔ صوفیاء اور درویشوں کا اختیار کردہ ایک قسم کا مذہبی عمل ہے۔ یہ جسمانی اور ساتھ ہی ساتھ ذہنی مشق ہے۔ خوش الحانی کے ساتھ خدا کی تعریف میں نغمہ سرائی کرنا اور خدا کی صفات کا بیان کرنا یا زبان کے وسیلہ سے (ذکر جلی) یا قلب کی زبان سے ذکر خفی مختلف قسم کے ذکر کا تفصیلی بیان ہفس کی تصنیف "فرہنگ اسلام" ایس وی میں مل جائے گا۔

(۱۳) بدایونی ہیگ، باب III صفحہ ۵۳

(۱۴) مذکورہ بالا صفحات ۸۰، ۸۱۔ اور تشریح حاشیہ

(۱۵) "سیر" انگریزی ترجمہ باب I صفحہ ۲۰، ۲۳۔

(۱۶) "غیر شرعی رسم و رواج جو مسلم شہروں میں پیدا ہو چکا تھا عرس مبارک کے دنوں میں پالکیوں میں بیٹھ کر گاڑیوں میں سوار ہو کر، ڈولیوں میں بیٹھ کر، گھوڑوں یا خچروں کی پیٹھ پر سوار ہو کر یا قافلہ بنا کر پیدل چل کر شہر کے باہر مقبروں پر عورتیں جایا کرتی ہیں۔ عیاشوں اور شہوت پرست بد معاش لوگوں کو خرافات کا موقع ملتا ہے۔ دستور اور رسم و رواج کی وجہ سے فتنہ و فساد ناشائستہ حرکات ہوا کرتی ہیں، میں نے فرمان جاری کیا کہ کوئی عورت مقبروں پر نہیں جائے ورنہ اس کو عبرت ناک سزا دی جائے گی"۔ (فتوحات فیروز

شاہی تالیف کردہ باب III صفحہ ۳۸۰۔ اس قانون سازی کے باوجود یہ عیب برقرار رہا۔ "انفرا" ملاحظہ کیجئے۔

(۱۷) اسلام میں صرف کعبہ شریف کے طواف کا حکم دیا گیا ہے۔ (مسجد الحرام) بھی کہا گیا ہے "مسجد مقدس" یا "بیت اللہ" اللہ کا گھر جو مکہ معظمہ میں واقع ہے۔ حج کے موقع پر کعبہ شریف کا سات بار طواف کیا جاتا ہے۔ قرآن شریف XXII، ۲۷۔

(۱۸) بدایونی "از بیگ" باب III صفحہ ۵۰۔ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحات ۴۲۱، ۴۲۹۔

(۱۹) بہارستان باب I صفحہ ۴۳ ملاحظہ کیجئے۔ جہاں خود مصنف نے دو مرتبہ دن میں اور ایک مرتبہ رات میں شیخ قطب العالم کے مزار پر یہ عمل کیا۔ مزار شریف بنگال میں پنڈوا کے مقام پر ہے۔

(۲۰) "منوکی" باب IV صفحہ ۲۰۵۔ "سیر" ترجمہ I صفحہ ۴۴۵ "تزک" باب I صفحہ ۴۲۸۔

(۲۱) "ہندستان میں جوہن مارشل" تالیف کردہ ایس اے خاں صفحہ ۳۹۸۔ پی ڈیلا، ویل باب I صفحات ۶۹۔۱۷ پیلسر یٹ صفحات ۷۰، ۷۲، ٹیری صفحہ ۲۹۱۔ مانڈیلسلو صفحہ ۲۵ بھی دیکھئے۔ مانسریٹ صفحہ ۱۸ ملاحظہ کیجئے۔

(۲۲) مرزا نتھن، بہارستان غیبی کے مصنف نے اپنے باپ کی بیماری کے وقت عہد کیا تھا کہ اپنے باپ کی صحت یابی کے بعد حضرت شیخ نور قطب المعروف قطب العالم کے مزار پر وہ حاضری دے گا۔ جن کا مزار بنگال میں پنڈوا کے مقام پر واقع ہے اور اس صوبہ کے مسلمان اس کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ "بہارستان" باب I صفحہ ۲۴ دیکھئے۔

(۲۳) منوکی باب II صفحات ۴، ۵ موازنہ کیجئے۔ "اکبر نامہ" از بیورج باب III صفحات ۴۱۰۔ ۴۱۲ "مرأۃ احمد" انگریزی ترجمہ صفحات ۳۴۹، ۳۵۱ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۵۵۸۔ بدایونی۔ از "لو" باب II صفحہ ۳۲۰۔

(۲۴) وہ سلطان محمود غزنوی کا بھانجہ تھا انیس سال کی عمر میں شادی کے دن بہرائچ

کے مقام پر ایک جنگ میں مار دیا گیا۔ مسلمان اس کو شہید تصور کرتے ہیں۔ سالار مسعود سے وابستہ تذلل عقید تمندی کو راسخ العقیدہ لوگ قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔ کافی حیرت کی بات ہے کہ اس شمالی ہندستان کی عقیدت مندی کا ثنیٔ رکن میں عبدالرحمٰن کی عقیدت مندی میں ملتا ہے۔ جو سالار مسعود کے قریبی رشتہ دار تھے جس کی عقیدت مندی بہر حال تقریباً اتنی مقبول نہیں تھی جتنی آخرالذکر کی مقبولیت تھی مذکورہ بالا تصنیف از ہیک باب III صفحات ۴۶، ۴۷۔ اور حاشیائی تشریح۔

(۲۵) اکبر نامہ از بیورج باب II صفحہ ۲۲۵۔ آئین اکبری، جیرٹ باب II صفحہ ۱۷۲ "خلاصۃ التواریخ" متن صفحہ ۴۳، "قانون اسلام" صفحہ ۱۴۱۔

(۲۶) ڈورن "افغانیوں کی تاریخ" حصہ I صفحہ ٦٦۔

(۲۷) شاہ مدار اور مکن پور کے لیے میر دیکھئے۔

(۲۸) "آئین اکبری" جیرٹ باب III صفحہ ۳۷۰ "خلاصۃ التواریخ" متن صفحات ۴۰، ۴۱۔

(۲۹) دبستان ثی اور ٹرواییر باب II صفحہ ۲۲٦۔

(۳۰) بدایونی کے زخم ایک ہفتہ میں بھر گئے۔ اس کے بعد اپنے گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرنے کی غرض سے حج کرنے کے لیے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ بدایونی از "لو" باب II صفحات ۱۴۰، ۱۴۱ دیکھئے۔

(۳۱) "رو اور فرائز" صفحہ ۳۱۲ موازنہ کیجئے۔

(۳۲) برنیر صفحہ ۲٦۳۔ او گلکن کہتا ہے۔ "شہزادہ کی عنایت و کرم پر منحصر ہونے کی وجہ سے خوشامد چاپلوسی اور غلامانہ اطاعت کرنا فیشن ہو گیا تھا۔ اور تمام مشرقی درباروں میں خوشامد و چاپلوسی کا عام رواج تھا۔ رعایا کی اس چاپلوسی نے شہزادوں کو نیم دیوتاؤں سے زیادہ مرتبہ دیا تھا۔ وہ نہایت بیش بہا، بڑھے چڑھے خطابات کی ڈینگیں مارتے تھے"۔ صفحات ۱۸۱، ۱۸۲

(۳۳) ٹیری صفحات ۳۹۲، ۳۹۳۔

(۳۴) برنیئر صفحہ ۲٦۳۔

(۳۵) منوسی کی روایت کے ضمن میں تنبیہ کے ساتھ دیئے ہوئے بیان سے موازنہ کیجئے۔ مغل شہزادوں کو کبھی ذہنی انتشار نہیں ہوا۔ ذہن کو ہوس سے خالی کرنا اور دانشمندی سے بھر دینا ہی ان کا سب کچھ کام تھا۔ جلد II صفحہ ۳۴۷۔

(۳۶) منوسی باب III صفحہ ۲۷۰۔ اس نے ان پر مزید الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے جنگ کو طویل کر دیا اور سلطنت کے دشمنوں سے خط و کتابت جاری رکھی تا کہ دولت کا آخری قطرہ نچوڑ سکیں۔

(۳۷) برنیئر رائے زنی کرتا ہے "میں واقعی مشکل سے ہی اپنی نفرت کو دبا سکتا ہوں جب میں یہ غور کرتا ہوں کہ ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا اور ایک آواز بھی نہیں، سنائی دی جو ضعیف اور زخم خوردہ شہنشاہ کی موافقت میں ہو حالانکہ امراء جو اس کے اوپر ظلم و تشدد کرنے والوں کے سامنے سر جھکا رہے تھے جو اپنے عہدہ اور دولت کے لیے شہنشاہ کے شکر گزار تھے۔ دربار کے دستور کے مطابق شاہ جہاں کے توسط سے ان کو نہایت افلاس و ناداری کی حالت سے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچایا گیا تھا۔ ان میں سے متعدد کو سراپا غلامی سے آزاد کرایا گیا تھا صفحہ ۶۵۔ صفحہ ۱۲۴ بھی دیکھئے۔

ٹیورنیر نے برنیر کے بیان کی تصدیق اور تائید کی ہے۔

"اگر اتفاق سے کسی کو اس کی (شاہ جہاں) کی مصیبتوں اور بدنصیبیوں کا احساس ہوتا تھا تو خوف ان کو خاموش کر دیتا تھا۔ اور وہ بری طرح سے ایسے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا کرتے تھے جس نے ان پر ایک باپ کی طرح حکمرانی کی تھی............) (جلد I صفحہ ۳۴۳ باب I گورنر جس کو دارا نے احمد آباد کا صوبہ سپرد کیا تھا، اس کو بری طرح چھوڑ کر اورنگ زیب کے پاس چلا گیا۔ برنیر صفحہ ۸۹۔ علاوہ ازیں ملک جیون کے ذریعہ دارا کا خود ہتھیار ڈالنا جس کو شاہجہاں نے ہاتھی کے پیروں کے نیچے کچل ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ دارا کی سفارش سے اس کی جان بچی تھی ایک روشن مثال ہے۔" قانون گو۔ داراشکوہ" باب I صفحات ۳۰۷، ۳۰۸

(۳۸) "مغل اعلیٰ قسم سے کھلاتے ہیں۔ کافی خاطر داری کرتے ہیں۔ اور زناکاری میں کم نہیں تھے"۔ رولاور فرائز صفحہ ۴۵۰ برنیر صفحہ ۲۲۲ موازنہ کیجئے۔ منوسی باب III صفحات

۴۱۲،۱۷،۴۱۴مانڈیلسلو صفحہ ۶۴ دیکھئے۔

(۳۹) "بادشاہ نامہ" متن باب II صفحہ ۵۲ ۴، سلطنت ہندستان اور ایران کے امراء کی آمدنی کے موازنہ کے لیے "خافی خاں" باب I صفحات ۴۰۳، ۴۰۴ دیکھئے۔ "بادشاہ نامہ" باب II صفحات ۶۳، ۶۴ "تزک" باب II صفحہ ۱۷۲ بھی دیکھئے۔ "منوسی" باب III صفحہ ۲۵۲۔ برنیر تذکرہ کرتا ہے: "ان بڑی آمدنیوں کے علاوہ میں کچھ ایسے امراء سے بھی واقف ہوں جن کا معاملہ برعکس تھا" ان میں اکثر کے حالات بے حد خراب تھے اور بہت مقروض تھے اس وجہ سے نہیں کہ دیگر ممالک کے امراء کے طبقہ کی طرح اپنے دستر خوان کی فضول خرچی کے باعث وہ تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ بلکہ بیش بہا تحفہ تحائف کی وجہ سے جو سالانہ جشن کے مواقع پر ان کو بادشاہ کے حضور میں پیش کرنا پڑتے تھے۔ اور ان کی بیویوں کے بڑے حرم، ملازمین، اونٹوں اور گھوڑوں کے عملہ پر خرچ کثیر تھا"۔ صفحہ ۲۱۳

(۴۰) "مسلمانوں میں سے بہت سے کاہل وسست ہیں۔ کام کرنے کے مقابلے کھانا زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ یہ سب کل پڑھتے رہتے ہیں۔ ان کے منہ پر "صبح" کا لفظ عام طور پر رہتا ہے جس سے مراد "کل" ہے اور جب وہ دن آتا ہے۔ کل پھر کل کہتے رہتے ہیں "وہ اپنا کام کل شروع کریں گے" کہنے سے کیا کوئی کام ہو جائے گا۔ اگر تم کو کچھ عطا کرنا چاہیں تو تم سے کل کہیں گے یعنی صبح (تیری صفحہ ۲۳۵۔ رواور فرائز صفحہ ۳۵۲ بھی دیکھئے۔

(۴۱) "منوسی" کہتا ہے: تمام مسلمان عورتوں کے بڑے شوقین ہیں۔ جو ان کی خصوصی تفریح کا کام دیتی ہیں اور عورتیں ہی ان کی واحد مسرت و فرحت کا سامان ہیں" (جلد II صفحہ ۳۴۲۔ وہ (مسلمان) اپنا سب کچھ عیش و عشرت پر خرچ کرتے ہیں۔ لاتعداد ملازمین رکھنے میں خرچ کرتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر داشتہ عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ داشتہ عورتیں بہت سی ہوتی ہیں اور ہر داشتہ خود دیگر داشتہ عورتوں سے زیادہ محبوبہ اور منظور نظر ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ دلکشی، دلفریبی اور شیفتگی کے تمام طریقے استعمال کرتی ہیں مثلاً خوشبوئیں اور خوشبودار روغن۔ کبھی اپنے آقا کی شہوت کو تیز کرنے کی غرض سے اس کو موتی، سونے، افیوں اور عنبر کا معجون دیتی ہیں یا اس کو کافی شراب دیتی ہیں تاکہ اس کو ہم

بستری و مباشرت کی ضرورت ہو۔ کچھ مکھیاں اڑاتی ہیں، دوسری داشتہ عورتیں اس کے ہاتھوں اور پیروں کی مالش کرتی ہیں، دیگر داشتہ عورتیں رقص کرتی ہیں۔ کچھ عورتیں ساز کے ساتھ نغمہ سرائی کرتی ہیں۔ دیگر داشتہ عورتیں دیگر کام کرتی ہیں"۔ (کریری حصہ III صفحہ ۲۵۱۔ او تگلن صفحات ۲۳۴، ۲۳۵۔ ٹیری صفحہ ۲۸۳۔ منوسی باب I صفحہ ۱۹۲۔

(۴۲) تاریخ فرشتہ متن باب I صفحہ ۱۹۹

(۴۳) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۳۱۴۔ منوسی باب II صفحہ ۹۔

(۴۴) مختلف قسم کی رقاصہ لڑکیاں تھیں جیسے ڈومنیاں، پتریاں، کماچنیاں، پری نشانیاں اور للیاں (مراۃ سکندری ترجمہ صفحہ ۱۴۷) ٹیورنیر باب I صفحات ۱۵۷، ۲۵۹، ۳۸۵ بھی دیکھئے۔ پیٹر منڈے باب II صفحہ ۲۱۶، پی ڈیلا ویل باب I صفحات ۴۶۔

(۴۵) "آئین اکبری" جیرٹ باب III صفحہ ۲۵۸ بدایونی، رینکنگ باب I صفحہ ۳۳۲۔

(۴۶) مثال کے طور پر مذکورہ بالا متن باب I صفحہ ۲۷۴ باب III ہیگ ۲۴۵، ۲۵۷ دیکھئے اور حسب ذیل اشعار کے لیے صفحہ ۲۴۳ ملاحظہ کیجئے۔

سیفی سے اس مشورہ کو سن لے
کہ یہ تیری ساری زندگی کے لیے کافی
اچھی شاعری پر اور ایک خوبصورت لڑکے پر"۔
اپنا ایمان واعتماد مرکوز کردے خواہ وہ کسی کے بھی ہوں۔

(۴۷) اکبر نامہ بیورج باب II صفحہ ۱۴۷۔ بدایونی از لو باب II صفحہ ۱۴ "رو اور فرائز" صفحات ۱۷۹، ۴۵۰، ۴۵۱ موازنہ کیجئے۔

(۴۸) "سرمد" اصل نسل کے اعتبار سے ایرانی یہودی تھے۔ اسلام مذہب قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنا نام محمد سعید رکھا۔ جب وہ ٹھٹھہ (سندھ) کے مقام پر ہندستان آئے وہ ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے، جس کا نام ابھئے چند تھا۔ کپڑے اتار کر اپنے محبوب کے دروازہ پر بیٹھ گئے۔ جب ابھئے چند کے باپ کو سرمد کے عشق کی پاکیزگی کا یقین ہو گیا اس نے سرمد کو اجازت دے دی کہ وہ لڑکے کو اپنے گھر لے جائے مزید تفصیل کے لیے دبستان شی

اور فراوئیر باب II صفحہ ۲۹۳ دیکھئے۔ مولوی عبدالولی "سرمد" ان کی زندگی اور سر قلم ہونا"۔
"ہندستان آثار قدیمہ XXXIX، ۱۹۱۱ء صفحات ۱۱۹، ۱۲۶ دیکھئے۔

(۴۹) ٹیورنیر باب I صفحہ ۵۳۔

(۵۰) "اکبر نامہ" از بیورج باب II صفحہ ۱۲۱ "معاصر الامراء" باب II صفحہ ۵۳۵

(۵۱) اکبر نامہ بیورج باب II صفحات ۱۲۵۔۱۲۹ "طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحات ۲۲۵، ۲۲۸، "بدایونی" از لوباب II صفحات ۱۳، ۱۷، ۱۸ "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحات ۴۴۰، ۴۸۷، ۱۲۴۲ باب II، ۴۰۴، ۴۲۲ "بہارستان" باب I صفحہ ۵۵ "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۲۴۷۔

(۵۲) "مطلع الانور" صفحہ ۱۵۱۔ اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے گویا ویدک ہندستان کے جواری کی قسمت پر آہ و بکا ہو رہی ہے بہر حال جاہلیت کے عرب میں اور امیہ خلفاء کے عہد میں یہ عیب رائج تھا۔ ہندستان میں مسلمانوں نے اس عیب کو رائج پایا اور مغلوں کے زمانے میں جوئے کی نئی نئی قسموں کا ایجاد کرنا افراط سے تھا۔ چڑیوں کے لڑانے پر جوا ہوتا ہے۔ مرغ بازی مینڈھا بازی، تیتر بازی وغیرہ پتنگ بازی بھی ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں میں زیادہ مقبول عام تھے۔ ان دونوں جو چیز جوئے میں ناشایستہ تھی جدید زمانہ میں معموں اور تاش کے کھیل کی شکل میں شرفاء کی میز پر ذہنی شغل ہو گیا ہے۔ جہاں گیر نے فرمان جاری کیا تھا کہ جوئے کا بالکل انسداد کر دینا چاہئے لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ "تزک" باب I صفحہ ۱۵۷،

(۵۳) منوسی باب II صفحات ۱۱، ۱۳۔

(۵۴) مذکورہ بالا باب II صفحات ۱۳، ۱۴ باب III ۲۶۷، ۲۶۸۔

(۵۵) مانسریٹ صفحات ۲۴، ۲۵ موازنہ کیجئے۔ ٹیورنیر باب II صفحات ۱۷۹، ۱۸۰۔ بدایونی بیگ باب III صفحہ ۱۲۰ میاں عبداللطیف نے اورنگ زیب سے پیروں کے پاس نہ جانے کے لیے کہا۔ اورنگ زیب نے کہا "ہم دنیادار لوگ گناہوں میں منہمک رہ کر تھوڑی دیر پیروں کے حضور میں جا کر اگر خدا کے فرائض کی ادائگی نہیں کریں تو ہماری کیا حالت

ہو گی ہمارے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا؟" انہوں نے جواب دیا "زمانہ حال کے پیروں کے لیے ممانعت ہے جو زمانہ گزشتہ پیران عظام کے طریقوں کی پیروی نہیں کرتے ہیں۔ اگر تم ان کے پاس جاؤ گے تم (پہلے سے زیادہ) اندھے ہو جاؤ گے " رقعات عالمگیری" ترجمہ بلیموریا صفحہ ۹۲۔

(۵۶) "یہ اندازہ ہے کہ ہندستان میں مسلمان فقیر ۸۰۰۰۰۰ اور بت پرستوں میں ۱۲۰۰۰۰۰ فقیر ہیں......" (ٹیورنیر باب ا صفحہ ۳۹۲ باب II صفحہ ۱۷۸۔)

(۵۷) ٹیری صفحات ۲۶۲، ۲۶۶، ۲۶۳ موازنہ کیجئے۔ رواور فرائز صفحات ۵۰، ۴۱، ۵۱، ۲۷۷، ۲۸۴ - پیٹر منڈے باب II صفحہ ۱۷۶ تھیونات حصہ II صفحات ۶۶، ۶۹۔ منوسی باب III صفحہ ۲۰۰ باب I صفحات ۱۳۶، ۱۷، ۱۷۱ ٹیورنیر باب I صفحات ۸۱، ۹۱، ۳۹۱، ۳۹۲ باب II صفحات ۱۷۸، ۱۷۹۔

(۵۸) برنیر صفحہ ۲۹۰۔

(۵۹) "اکبر اور عیسائی مبلغ" صفحہ ۱۷۳

(۶۰) "جہانگیر اور عیسائی مبلغ" صفحہ ۵۷۔ دوسرے مقام پر وہی پلیا کہتا ہے۔ "اس تبلیغی جماعت کے ثمرات کے طور پر نئے بنائے ہوئے عیسائیوں کی تعداد کم تھی۔ یہ کچھ تو اس وجہ سے تھا کہ اس مورس سے پھر سے (مسلمان) ہوئے ملک میں پلپاؤں کو لوگوں کا اتنا کم اعتماد مل سکا کہ ان کو تبدیل مذہب کے بعد ان کو عیسائی بنانا دیمک کی کھائی ہوئی لکڑی سے تعمیری کام کرنا ہے"۔ مذکورہ بالا صفحہ ۲۴۔

(۶۱) ٹیری صفحہ ۲۲۸، ۴۲۲، ولیم فوسٹر کی تالیف کردہ کتاب "ہندستان میں ابتدائی سفر صفحات ۲۸۰، ۲۸۲ بھی دیکھئے۔ ولیم فوسٹر کی تالیف کردہ کتاب "ہندستان میں سر طامس رو کی سفارت" صفحہ ۲۸۷ دیکھئے۔

(۶۲) مانڈیلسلو صفحہ ۶۳، ایس۔ اے خاں کی تالیف کردہ کتاب "ہندستان میں جو ہن مارشل" صفحہ ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۴ دیکھئے۔

(۶۳) مانڈیلسلو صفحہ ۶۳ موازنہ کیجئے۔ ہندوؤں میں بھی وہی سخت گیری تھی۔ ٹیورنیر

باب I صفحہ ۲۷۳ بھی دیکھئے۔

(۶۴) تیری صفحہ ۲۵۵۔ اوکلٹن کہتا ہے "اپنی عبارت عامہ اور نماز میں وہ خود ہی نہایت خشوع و خضوع اور بہترین خلوص کا رویہ اختیار کرتے ہیں اور نماز کے ارکان کی سختی کے ساتھ پابندی کرتے ہیں۔ تعظیم کے عام لوازمات پر عمل کرتے ہیں اور مساجد میں حیرت انگیز احترام کا مظاہرہ کرتے ہیں آنکھوں یا ہونٹوں سے خود کو نجس نہیں کرتے ہیں۔ دیکھنے کی غرض سے اپنے سروں کو گھمانے کی ہمت نہیں کرتے ایک دوسرے سے ایک لفظ تک نہیں بولتے۔ جس کو نظر غائر تعظیم کے نظریہ سے بدگوئی تصور کرتی ہے۔ اور کچھ پاکیزہ تر علمائے دین اور زیادہ مقدس عقیدہ پر جائز ملامت کی جاتی ہے جن کا لاپرواہ مزاج اور جانا پہچانا خطبہ عبادت کے تمام مذہبی لوازمات کو نظر انداز کر دیتا ہے یہ عقائد ان منکروں کو یہ نتیجہ نکالنے پر مائل کرتے ہیں کہ سنجیدہ اور مقدس خیالات کے مقابلہ میں ہماری عبارت کس قدر ہلکا اطراف توجہ تھیں صفحہ ۲۴۴، صفحہ ۲۹۳ بھی دیکھئے۔

(۶۵) منوسی باب III صفحہ ۲۶۵ موازنہ کیجئے۔

(۶۶) "رواور فرائز" صفحہ ۳۰۴

(۶۷) اوکلٹن صفحہ ۲۴۲

(۶۸) مذکورہ بالا صفحہ ۲۴۴

(۶۹) تزک باب I صفحات ۱۳۴، ۱۳۵

(۷۰) "بہارستان" باب I صفحہ ۲۲۷ باب II ۲۱۷۔ بدایونی لکھتا ہے: "کچھ بندگان خدا نے ایسے صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا کہ انہوں نے دونوں کام کیے جہاں میں بھی ناموری حاصل کی اور پابندی سے روزہ بھی رکھا لیکن برخلاف اس کے میں اتنا کمزور تھا کہ میں نے اپنا حلق تر کرنے کے لیے پانی کا ایک گھونٹ لیا جس کی کمی کی وجہ سے کچھ لوگوں کا دم نکل گیا میرے بہت سے محمود دوست شہید ہو گئے"۔ (بدایونی از لو باب II صفحہ ۱۵۶)

(۷۱) "تفصیلات کے لیے ہفس "" فرہنگ اسلام" روزہ اور رمضان دیکھئے۔

(۷۲) "بہارستان" باب I صفحہ ۲۴۲، تیری صفحات ۲۷۱، ۲۷۲ سے بھی موازنہ کیجئے۔

(۷۳) جہانگیر کہتا ہے "میں نے فرمان جاری کیا تھا کہ تمام مشائخ اور متقی لوگوں کو لایا جائے تاکہ وہ میری موجودگی میں اپنا روزہ افطار کر سکیں"۔ تزک باب II صفحہ ۳۱۔ بہارستان باب I صفحات ۱۰۹، ۱۱۰ بھی دیکھئے۔ بدایونی از لو باب II صفحہ ۳۵۱۔

(۷۴) ٹیری صفحات ۲۷۲، ۲۷۳، سات قسم کے لوگوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے ان میں مسافروں کا بھی حصہ ہے مزید تفصیلات کے لیے "ہفس" فرہنگ اسلام "فن زکوۃ"۔

(۷۵) مراۃ سکندری صفحہ ۱۳۴۔

(۷۶) کریری حصہ III صفحہ ۲۵۱۔ مانڈیلسلو کہتا ہے۔ مورس اور مغل اس قدر خلوص و تقویٰ کے ساتھ حج کرنے جاتے ہیں کہ بولنے سے بچنے کے لیے اپنے منہ پر قفل ڈال لیتے ہیں اور کبھی نہیں منہ کھولتے صرف اس وقت منہ کھولتے ہیں جب وہ کھانا کھاتے ہیں"۔ صفحہ ۲۰۔ ناپسندیدہ شخص سے چھٹکارا حاصل کرنے یا ہندستان سے باہر جاکر پناہ لینے کے لیے ایک بہانہ کا مقصد بھی حج کرنے سے پورا ہوتا ہے۔ مثال کے لیے طبقات اکبری" ترجمہ باب II صفحہ ۶۴۸۔

(۷۷) "ٹیری" صفحہ ۲۳۲۔

(۷۸) "بہارستان" باب II صفحہ ۵۹۶ "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۱۴۲۔

(۷۹) "بہارستان" باب I صفحہ ۸۲ موازنہ کیجئے۔

(۸۰) مذکورہ بالا باب I صفحہ ۸۰۔ یہ کہا جاتا ہے کہ نواب جعفر خاں نے "دعاے سیفی" کا اس قدر پابندی سے ورد کیا تھا کہ جب وہ اس دعا کو پڑھنا شروع کرتا تھا تو اس کی تلوار خود میان سے نکل آتی تھی اور غیبی امداد کے ذریعہ وہ دشمنوں کو شکست دے دیا کرتا تھا جب اس نے کریم آباد کے میدان میں (بنگال) راشد خاں سے مقابلہ کیا تھا۔ اس دعا کے لغوی معنی تلوار کی دعا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ پیغمبر صاحب نے اس دعا کو جنگ بدر میں پڑھا تھا۔ روایت ہے کہ اس وقت فرشتے ان کی فوجوں کے دستوں میں لڑنے کے لیے اتر آئے تھے اور شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا تھا۔ (ریاض السلاطین ترجمہ صفحہ ۲۷۱)

(۸۱) "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۲۸۳۔ طہارت و تقویٰ کے مختلف طریقوں کے لیے (ملس "فرہنگ اسلام" صفحہ ۷۷-۴دیکھیے۔

(۸۲) برگس "فرشتہ" باب III صفحہ ۷۹

(۸۳) خاص طور سے دیکھیے۔

(۸۴) ٹیری صفحہ ۲۴۷دیکھیے۔

(۸۵) "ریاض السلاطین" ترجمہ صفحات ۲۷۰،۲۷۱،۲۷۹ موازنہ کیجیے جہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی نقل کر کے قلمی نسخہ تیار کرنا نواب جعفر خاں کی روزانہ کی زندگی کا معمول تھا۔ اس طرح قرآن شریف کے قلمی نسخے تیار کر کے وہ ان کو مقدس مقامات میں ہندستان کے اندر اور بیرون ہندستان بھیجا کرتا تھا۔

(۸۶) "بہارستان" باب II صفحہ ۴۶۰ موازنہ کیجیے۔

(۸۷) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحہ ۱۵۵ موازنہ کیجیے۔ مانڈیلسلو کہتا ہے "مشکل سے ہی کوئی اچھا آدمی ہوگا جو اپنی خاطر ایک خوبصورت باغ نہ بناتا ہو، جس کے اندر وہ عمدہ گھر نہ بناتا ہو، جس کے چاروں طرف بہت سی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہوتی ہیں جو ان کے لیے اور ان کے بعد ان کے خاندان والوں کے لیے قبرستان کا کام دیتا ہے صفحہ ۶۳۔

(۸۸) مثال کے طور پر معاصر عالمگیری از سرکار صفحہ ۱۰۲، ۱۴۶ موازنہ کیجیے۔

(۸۹) "میرے رخصت ہونے سے پہلے شام کو شہنشاہ (اورنگ زیب) نے اپنے سونے کے کمرہ کی کھڑکی کھول کر مجھ کو اپنے پاس بلایا اور کہا "اب ہم رخصت ہوتے ہیں اور ہماری دوبارہ ملاقات غیر معین ہے۔ جو کچھ میں نے تیرے خلاف دیدہ و دانستہ بغیر ارادہ کے کیا ہو تو مجھ کو معاف کر دے اور تین بار خلوص دل سے لفظ "میں معاف کرتا ہوں" زبان سے کہہ دے" ("تاریخ ارادت خانی") تالیف کردہ VII صفحہ ۵۳۶۔

(۹۰) "ٹیری" صفحات ۲۳۲، ۲۳۳ موازنہ کیجیے۔

(۹۱) "مانڈیلسلو" صفحہ ۶۲ "تزک" باب I صفحہ ۱۴۲ دیکھیے جہاں ایک مسلم ماں نے اپنے بیٹے کی موت پر افیوں کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

(۹۲) "مانڈیلسلو" صفحہ ۶۲

(۹۳) "بدایونی" (ہیگ) باب III صفحات ۹۲،۹۸۔

(۹۴) "معاصر عالمگیری" از سرکار صفحات ۳۱۸

(۹۵) "بدایونی" (ہیگ) III صفحہ ۴۰۸ صفحہ ۵۱۹ بھی دیکھیے۔

(۹۶) "مرأۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۲۴۷۔

(۹۷) "بہارستان" باب I صفحہ ۱۳۸۔

(۹۸) برعکس "فرشتہ" باب IV صفحات ۲۳۶، ۲۳۷

(۹۹) "بہارستان" باب II صفحہ ۶۳۷ موازنہ کیجیے۔ "بدایونی" (ہیگ) باب III صفحہ ۴۱۹، ۴۶۷۔ اوگلٹن صفحہ ۲۶۷ "آئین اکبری"۔ "بلوچمن" باب I صفحہ ۳۰۸ شطرنج کھیلنے کے مختلف طریقوں کے بیان کے لیے "بلانڈ" کی تصنیف شطرنج کا ایرانی کھیل لندن ۱۸۵۰ء دیکھیے۔

(۱۰۰) "تجزیہ الانصار" از عبداللہ واصف صفحہ ۱۶۳۔

(۱۰۱) "منوسی" باب II صفحہ ۴۶۰۔

(۱۰۲) "بدایونی" از "لو" صفحہ ۳۲۴

(۱۰۳) "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحہ ۵۷۹ باب II صفحہ ۵۳۴ جدید چوپڑہ کے لیے "قانون اسلام" صفحات ۳۳۳، ۳۳۵ دیکھیے۔

(۱۰۴) "آئین اکبری" متن باب I صفحہ ۲۱۹ چندل مندل کے بیان کے ضمن میں موازنہ کیجیے۔

(۱۰۵) ابوالفضل کہتا ہے "چوگان کا کھیل حملہ آوری اور دست بدست مقابلوں میں تقویت دیتا ہے اور زوردار حملوں کی تعلیم ملتی ہے گھوڑوں کے سلسلے میں اصلاح و درستی ہوتی ہے۔ جہاں پناہ وقت فرصت کھیل کود کی شکل میں محبوب مشغلہ کو عبادت تصور کرتے ہیں۔ "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحہ ۲۴۲ جدید کھیل "پولو" کی اصل "چوگان" ہے۔ چوگان کو عربی میں "ساؤلا جان" کہا جاتا ہے۔ یہ ایک لکڑی کا نام ہے، جس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے "گھونگر

والی زلفوں کو چوگان سنجل کہتے ہیں ٹٹو جو چوگان کے لیے موزوں ہوتا ہے "چوگانی" کہلاتا ہے۔ بحوالہ "برہان قاطع"

(۱۰۶) تزک باب II صفحہ ۶۰

(۱۰۷) "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۲۹۸ موازنہ کیجئے۔ "بدایونی" (ہیگ) باب III صفحہ ۲۲، باب II از "لو" صفحہ ۶۹۔ مسلم کھیلوں سے تفریح کے مشغلوں کے سلسلے میں "رواور فرائز" صفحہ ۳۱۰، ۳۱۱ دیکھئے۔

(۱۰۸) ان "تجزیہ الانصار" کے اختلاف و مباحثہ کے لیے صفحہ ۱۷۱ موازنہ کیجئے۔ "اعجاز خسروی" باب I صفحہ ۱۷۹ دیکھئے۔

(۱۰۹) "پردہ نسواں" پر اسلامی حکم کے لیے "سلطان جہاں بیگم دیکھئے، الحجاب" یا "پردہ کیوں ضروری ہے"؟

(۱۱۰) اسلام میں خواتین کا مرتبہ اور ضروری احادیث اور موضوع کی تصدیق سے متعلق قرآن شریف کے اقتباسات کے لیے "مفس فرہنگ اسلام من خواتین" دیکھئے۔

(۱۱۱) "بہارستان" باب I صفحہ ۴۴۳ دیکھئے۔

(۱۱۲) مارگولیو تھ "امیہ اور عباسیہ" صفحات ۲۲۹، ۲۳۱ دیکھئے۔

(۱۱۳) "خواتین اپنے شوہروں کی مرضی اور خواہشات سے مطابقت کرتی ہیں حقیقتاً ان کی خاص کنیزوں سے زیادہ نہیں ہوتیں کھانا فراہم کرنے والے کپڑے پہنتی ہیں اور خدمت میں حاضر رہتی ہیں جب تک ان کے آقا کھانا کھاتے ہیں۔ خود کھانا کھانے سے پہلے آقاؤں کو کھانا کھلاتی ہیں (رواور فرائز صفحہ ۴۵۰)

(۱۱۴) "مراۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۲۹۰ موازنہ کیجئے۔ برنیر صفحہ ۹۴۔ ٹیری کہتا ہے "اگر وہ (عورتیں) اپنے شوہروں کی رسوائی اور بے عزتی کرتی ہیں اگر وہ شہوت پرست پائی جاتی ہیں اور غلیظ کام کرتی ہیں سخت ترین سزا چاہنے کے مقابلے میں طہارت کا اظہار کرتی ہیں ان کے اپنے بھائیوں کے ہاتھ ان کے خلاف ان کی جان لینے کی غرض سے اٹھتے ہیں اور اس کام کے لیے ان کی تعریف کی جاتی ہے۔ ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوتی ہے۔ صفحہ ۲۸۴ دیکھئے"۔

(۱۱۵) "بدایونی" متن I صفحہ ۳۸۸ "سیر ترجمہ باب I صفحہ ۳۱۸۔

(۱۱۶) مذکورہ بالا صفحات ۳۱، ۳۲، ایک بار مرزا کامران برقع پہن کر فرار ہو گیا تھا بدایونی متن I صفحہ ۳۹۱، برقع کے لیے الفرادیکھیے۔

(۱۱۷) جب عورتیں باہر جاتی تھیں تو علیحدگی کی غرض سے برقع استعمال کیا جاتا تھا۔ برقع کے بیان کے سلسلہ میں مفس کی تصنیف "فرہنگ اسلام" صفحہ ۹۵ دیکھیے۔

(۱۱۸) مانڈیلسلو صفحہ ۵۱ "بہارستان" باب I صفحہ ۲۷۷، منوسی باب I صفحہ ۶۲ ڈی لیٹ صفحہ ۸۰ کریری حصہ III صفحہ ۲۵۲ ٹیری صفحہ ۲۰۳۔ اکبر نے اس کو لازم قرار دے دیا تھا کہ اگر عورتیں گلیوں اور بازاروں میں دوڑتی پائی جاتی تھیں ایسا کرنے میں اگر وہ بغیر برقع کے ہوتیں یا بے پردہ ہوتیں تو ایسی عورت کو دوسری طرف جاکر طوائف ہو جانا پڑتا تھا۔ (بدایونی) II "لو" باب II صفحہ ۴۰۵۔ امیر خاں اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا تھا کیونکہ اس کی بیوی نے برقع چھوڑ کر اپنی جان بچائی تھی۔ عہد اورنگ زیب کا مطالعہ از سرکار صفحات ۱۵۹، ۱۶۱۔

(۱۱۹) "مانڈیلسلو" صفحہ ۵۱ سیر ترجمہ II صفحہ ۵۸

(۱۲۰) اوکنگن صفحہ ۲۱۰ موازنہ کیجیے "برنیر" صفحہ ۸۹ ٹیری تذکرہ کرتا ہے "جن کی بہت سی بیویاں اور عورتیں ہوتی ہیں۔ ایسے مسلمان بہت زیادہ حاسد ہوتے ہیں۔ وہ یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ ان کی بیویوں کے بھائی اور باپ ان کی بیویوں کے سامنے آئیں یا ان سے بات چیت کریں بجز ان کی (شوہروں) کی موجودگی میں (صفحہ ۲۸۳)۔ منوسی کہتا ہے "مسلمان غیر معمولی طور سے اس بارے میں زیادہ تر کسی پر اعتماد نہیں رکھتے تھے۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں تک پر اعتماد نہیں کرتے وہ ان سے اسقدر حسد کرتے ہیں کہ وہ اپنی عورتوں کو اپنے بھائیوں کے سامنے نہیں آنے دیتے"۔ (جلد II صفحہ ۳۵۲)

(۱۲۱) "ریاض السلاطین" ترجمہ صفحہ ۳۱ موازنہ کیجیے۔ جہاں یہ تذکرہ کیا گیا ہے کہ نواب جعفر خاں کی نظامت کے دوران ایک انگریزی فیکٹری کا حاکم اعلیٰ ہگلی کے قریب دو تین منزل کی عمارت بنوانا چاہتا تھا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ تعمیری کام نواب کے

حکم سے روک دیا گیا بغیر اطلاع کے ہاتھیوں کو بھی مکانات سے گزرنے کی اجازت نہیں تھی۔ (بہارستان باب II صفحہ ۵۲۳ دیکھئے)

(۱۲۲) "سیر" ترجمہ باب II صفحات ۵۸، ۵۹ موازنہ کیجئے۔

(۱۲۳) مذکورہ بالا باب II صفحہ ۴۰۔

(۱۲۴) ترجمہ "لی" صفحات ۱۶۵، ۱۶۶، ڈی فریمیری "IV ۶۴، ۶۷"۔ تعلیم نسواں اور متعلقہ رسومات کے لیے "قانون اسلام" صفحات ۵۱، ۵۲ دیکھئے۔

(۱۲۵) معاصر عالمگیری از سرکار صفحہ ۳۱۸ دیکھئے۔

(۱۲۶) گل بدن بیگم کا "ہمایوں نامہ" مشہور ہے حیات نہانی (نہان سے ماخوذ ہے جس کے معنی پوشیدہ) نہانی ایک شاعرہ تھی اس کی تفصیل کے لیے بدایونی (ہیگ) باب III صفحات ۹۴، ۹۵، ۴۰۴ دیکھئے۔ اکبر کی دوسری بیوی سلطان سلیما بیگم، جہانگیر کی بیوی نور جہاں اور اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء سب نے ہی "مخفی" تخلص کے ساتھ شاعری کی تھی۔ (مخفی سے مراد چھپا ہوا)

(۱۲۷) "بدایونی" متن باب I صفحات ۳۹۷ موازنہ کیجئے۔ پی ڈیلا ویل باب I صفحہ ۶۹ دیکھئے۔

(۱۲۸) مانڈیلسلو صفحہ ۵۰ دیکھئے۔

(۱۲۹) "تزک" باب I صفحہ ۱۵۰ دیکھئے۔

(۱۳۰) اوگلٹن اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ بہر حال نہ تو ان کی دیکھ بھال بہت زیادہ احتیاط سے بھرپور ہوتی ہے اور نہ ان کی حیاء و شرم بہت زیادہ بے عیب ہوتی ہے وہ بھی کبھی کبھی تبدیل کا تجسس باہر ہی کرتی ہیں جیسا کہ ان کے شوہر گھومتے پھرتے ہیں صفحہ ۲۱۰۔ تھیوناٹ کا بیان ہے، دہلی کی عورتیں خوبصورت ہوتی ہیں۔ صفحہ حصہ III صفحہ ۴۷۔ مانڈیلسلو اپنا مشاہدہ پیش کرتا ہے۔ وہ (عورتیں) خواجہ سراؤں پر بھی بڑی مہربانی رکھتی ہیں۔ جن کے نگہداشت میں وہ رہتی ہیں تاکہ ان کی عائد کردہ پابندی میں وہ ان کو زیادہ سے زیادہ آزادی فراہم کریں۔ صفحہ ۶۴ دیکھئے۔

(۱۳۱) "اکبر ی" صفحہ III صفحہ ۲۵۱ موازنہ کیجیے۔

(۱۳۲) قرآن شریف IV صفحہ ۳

(۱۳۳) بدایونی از "لو" باب II صفحہ ۳۶۷ موازنہ کیجیے۔

(۱۳۴) "اقبال نامہ" متن صفحات ۲۳۰، ۲۳۱ موازنہ کیجیے۔ "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۳۲۷۔

(۱۳۵) "بدایونی" متن باب II صفحہ ۲۷۰

(۱۳۶) مذکورہ بالا صفحہ ۲۷۰۔ اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ہفس "فرہنگ اسلام" ایس وی "کثرت ازدواجی"۔

(۱۳۷) "مرأۃ سکندری" ترجمہ صفحات ۱۰۵، ۲۳۷۔ "بیر" ترجمہ باب I صفحہ ۱۳۵۔ منوسی باب II صفحہ ۳۴۶۔ مردوں اور عورتوں کے دو علیحدہ طبقات میں اتصال کی کڑی کا کام خواجہ سرا کرتے تھے یہ تذکرہ کرنا دلچسپ ہے کہ خواجہ سرا محبت کے جذبات محسوس کرتے تھے۔ اگرچہ مردانگی یا قوت باہ سے وہ قطعی طور سے مرحوم ہوتے تھے۔ (اکبر نامہ بیورج باب III صفحات ۵۱۴، ۵۱۵ موازنہ کیجیے) "برنیر" صفحہ ۱۳۱۔ منوسی باب II صفحات ۸۰، ۸۱۔

(۱۳۸) "اکبر ی" حصہ III صفحہ ۲۵۱ موازنہ کیجیے۔ مانڈیلسلو کہتا ہے ان کی کثرت ازدواجی میں یہ سہولت ہے کہ کوئی ایسی عورت نہیں ہے، جو اپنے شوہر کی محبت حاصل کرنے کے لیے تمام لائق تصور کاوش اور تدبیر استعمال نہ کرتی ہو اور اپنی رقیب عورتوں کو شکست نہ دیتی ہو۔ اپنے شوہر کی منظور نظر ہونے کے لیے اور اس کے دل میں جگہ پانے کے لیے ساری ناز برداری، محبت و مروت سے پیش آتی ہے جو اس کے تصور میں آسکے۔" صفحہ ۶۴ دیکھیے۔

(۱۳۹) "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحہ ۸۴۱۔ موازنہ کیجیے بیگم میر حسن علی "مشاہدات" وغیرہ صفحہ ۲۱۵۔ شادی سے متعلق اکبر کے قوانین کے لیے آئین اکبری بلوچمن باب I صفحات ۲۷۷، ۲۷۸ دیکھیے۔

(۱۴۰) "مرأۃ سکندری" ترجمہ ۲۰۳ دیکھیے۔

(۱۴۱) "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحہ ۲۱۲۔

(۱۴۲) "سیر" ترجمہ باب II صفحہ II موازنہ کیجئے۔

(۱۴۳) مذکورہ بالا متن صفحہ ۴۹۶ دیکھئے۔ برگس نے تاریخ "فرشتہ" کے اپنے ترجمہ میں "بابوجی خانم" نام دینے میں غلطی کی ہے۔ متن باب III صفحہ ۲۶ موازنہ کیجئے۔

(۱۴۴) برگس "فرشتہ" باب III، ۴۱، ۴۲

(۱۴۵) مارگولیو تھ "امیہ اور عباسیہ" صفحہ ۶

(۱۴۶) "پدماوت" تالیف کردہ ناگری پرچارنی سبھا صفحہ ۲۸۴

(۱۴۷) سید موسیٰ اور موہنی کی روایت کا موازنہ کیجئے۔ بدایونی از "لو" باب II صفحہ ۱۹۳۔

☆☆☆

آٹھواں باب

ابتدائی ہزار سالہ مدت میں اسلام ہند

مہدوی تحریک: ایک اصلاح یا ردعمل:

خدا نے اسلام میں روحانی بحران کے وقت ایک مہدی (غمخوار، شفیع، مجدد) بھیجنے کا وعدہ کیا ہے اس مسیح موعود پر اثر انداز ہونے والی متعدد روایات ہیں۔ کچھ روایات کو خود پیغمبر صاحب سے منسوب کیا جاتا ہے اور کچھ روایات اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی پیشین گوئی کی گئی تھی کہ مہدی علیہ السلام دنیا کو شر، ظلم و ستم اور فقدان خدا پرستی یعنی الحاد سے بھرپور پائیں گے۔ اور اللہ کا نام لینے والے آدمی کو مار ڈالا جائے گا۔ مہدی علیہ السلام دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ لوگوں کو مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ جب تک وہ خدا (الحق) کی طرف واپس نہیں آئیں گے۔ مسلمان ایسی خوشحالی اور مسرت سے لطف اندوز ہوں گے جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی ہو گی۔ وہ قرآن شریف کی ایسی انداز سے تفسیر و تشریح کریں گے، جس نوعیت سے ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا تھا۔ اس کے اصولوں کی پابندی تعمیل، تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل درآمد کرائیں گے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپسی کے تخیل اور ہزار سالہ مدت کے خواب سے متعدد عیاروں اور مکاروں نے نہایت ہوشیاری سے اپنا کام نکالا ہے۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف حصوں میں ایک سے زیادہ مہدی کی تشہیر کی گئی۔ ہمیشہ امید رہی۔ ظہور کبھی نہیں ہوا۔ حتی کہ تاخیر و تساہلی کے اظہار کے واسطے عربوں میں یہ ایک کہاوت زبان زد ہو گئی۔ "مہدی جیسی تاخیر و تساہلی" "بدایونی" اپنی تصنیف "نجات الراشد" میں بدخشاں میں مہدوی تحریک کے متعلق چند غیر معمولی

جذبات کا تذکرہ کرتا ہے۔ جہاں سے مہدوی تخیل ایران اور ہندستان میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ابو اسحاق ختلانی کے شاگرد سید محمد نور بخش (۷۹۵ھ-۸۶۹ھ) نے بدخشاں میں اس تحریک کا آغاز کیا، جن کے متعدد پیرو ہو گئے اور ایسی شورشیں، فسادات اور ہنگامے پیدا ہوئے کہ سلطان شاہ رخ (تیموری ۸۰۷ھ-۸۵۰ھ) کے زمانہ میں اس کے خلاف جنگ کرنے کے لیے فوجیں بھیجی گئیں۔ اس کو شکست ہوئی اور وہ عراق کی طرف فرار ہو گیا اور ملک کے پہاڑی اضلاع میں پوشیدہ ہوا۔ جہاں کہا جاتا ہے اس کے تیس ہزار پیرو ہو گئے۔ اس کو اکثر گورنروں سے جنگ کرنی پڑی۔ لیکن اس نے ان سب سے مقابلہ کیا۔ نور بخش نے اپنے مہدی ہونے کے اعلان کی نقلیں اپنے زمانہ کے تمام پیر اور مشائخ کو بھیجی تھیں، بدایونی نے نور بخش کے ارسال کردہ اعلان کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ رکھی تھی۔ مختلف اوقات میں ہندستان میں بھی متعدد فریبی اور خود ساختہ مکار جوشیلے لوگوں نے مہدی موعود کا دعویٰ کیا۔ دہلی میں رکن الدین نامی ایک شخص تھا، جس کا استقبال امام مہدی کی حیثیت سے کیا گیا۔ کیونکہ فرضی دعوے داروں کی ریاکاریوں کو سہارا دینے والے مذہبی احمقوں کی کسی زمانہ میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ رکن الدین کہتا تھا کہ اس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی (پیغمبر مکرمؐ کے وصف سے مطابقت کرتے ہوئے) وہ تمام چیزوں کے نام جانتا تھا۔ یہ ایسا علم تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے کسی پیغمبر نے حاصل نہیں کیا تھا۔ وہ مزید دعویٰ کرتا تھا کہ علم حروف کے رموز اس پر اس طریقہ سے نازل کیے گئے کہ ایسا علم کسی آدمی کو کبھی نہیں دیا گیا اور یہ کہ اس نے اس موضوع پر کتابیں لکھی تھیں۔ اس نے یہ کہہ کر کہ وہ رکن الدین (مذہب کا ستون) خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ لوگوں کو تصوف کے طور طریقوں کے غلط راستہ پر ڈالا اور گمراہ کن خیالات کو فروغ دیا۔ سلطان فیروز تغلق کے احکام سے اس کے کچھ حمایت کرنے والوں نے اس کو مار ڈالا۔ اس سے ایک صدی بعد میر سید محمد کا ظہور ہوا جس نے ہندستان میں مہدوی تحریک کو ایک معین شکل اور لائحہ عمل دیا۔ وہ جونپور کے میر سید خاں کے بیٹے تھے، جو آل رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اگرچہ جونپور کا زوال بار بار پٹھانوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔ لیکن ان کے خیال میں یہ زوال ایام آخرت کی علامت تھی۔ غیر معمولی واقعات، معجزات کی طرح معلوم

آٹھواں باب

ابتدائی ہزار سالہ مدت میں اسلام ہند

مہدوی تحریک: ایک اصلاح یا ردعمل:

خدا نے اسلام میں روحانی بحران کے وقت ایک مہدی (غمخوار، شفیع، مہدی[1] بھیجنے کا وعدہ[2] کیا ہے اس مسیح موعود پر اثر انداز ہونے والی متعدد روایات ہیں۔ کچھ روایات کو خود پیغمبر صاحب سے منسوب کیا جاتا ہے اور کچھ روایات اسلام کے چوتھے[3] خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب کی جاتی ہیں۔ اس کی پیشین گوئی کی گئی تھی کہ مہدی علیہ السلام دنیا کو شر، ظلم و ستم اور فقدان خدا پرستی یعنی الحاد سے بھرپور پائیں گے۔ اور اللہ کا نام لینے والے آدمی کو مار ڈالا جائے گا۔ مہدی علیہ السلام دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ لوگوں کو مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ جب تک وہ خدا (الحق) کی طرف واپس نہیں آئیں گے۔ مسلمان ایسی خوشحالی اور مسرت سے لطف اندوز ہوں گے جو انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی ہو گی۔ وہ قرآن شریف کی ایسی انداز سے تفسیر و تشریح کریں گے، جس نوعیت سے ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا گیا تھا۔ اس کے اصولوں کی پابندی[4] تعمیل، تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل درآمد کرائیں گے۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپسی کے تخیل اور ہزار سالہ مدت کے خواب سے متعدد عیاروں اور مکاروں نے نہایت ہوشیاری سے اپنا کام نکالا ہے۔ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے مختلف حصوں میں ایک سے زیادہ مہدی کی تشہیر کی گئی۔ ہمیشہ امید رہی۔ ظہور کبھی نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ تاخیر و تساہلی کے اظہار کے واسطے عربوں میں یہ ایک کہاوت زبان زد ہو گئی۔ "مہدی جیسی تاخیر و تساہلی"[5] "بدایونی" اپنی تصنیف "نجات الراشد" میں بدخشاں میں مہدوی تحریک کے متعلق چند غیر معمولی

جذبات کا تذکرہ کرتا ہے۔ جہاں سے مہدوی تخیل ایران اور ہندستان میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ ابو اسحاق خطلانی کے شاگرد سید محمد نور بخش (۷۹۵ھ-۸۶۹ھ) نے بدخشاں میں اس تحریک کا آغاز کیا، جن کے متعدد پیرو ہو گئے اور ایسی شورشیں، فسادات اور ہنگامے پیدا ہوئے کہ سلطان شاہ رخ (تیموری ۸۰۷ھ-۸۵۰ھ) کے زمانہ میں اس کے خلاف جنگ کرنے کے لیے فوجیں بھیجی گئیں۔ اس کو شکست ہوئی اور وہ عراق کی طرف فرار ہو گیا اور ملک کے پہاڑی اضلاع میں پوشیدہ ہوا۔ جہاں کہا جاتا ہے اس کے تیس ہزار پیرو ہو گئے۔ اس کو اکثر گورنروں سے جنگ کرنی پڑی۔ لیکن اس نے ان سب سے مقابلہ کیا۔ نور بخش نے اپنے مہدی ہونے کے اعلان کی نقلیں اپنے زمانہ کے تمام پیر اور مشائخ کو بھیجی تھیں، بدایونی نے نور بخش کے ارسال کردہ اعلان کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ رکھی تھی۔ مختلف اوقات میں ہندستان میں بھی متعدد فریبی اور خود ساختہ مکار جوشیلے لوگوں نے مہدی موعود کا دعویٰ کیا۔ دہلی میں رکن الدین نامی ایک شخص تھا، جس کا استقبال امام مہدی کی حیثیت سے کیا گیا۔ کیونکہ فرضی دعوے داروں کی ریاکاریوں کو سہارا دینے والے مذہبی احمقوں کی کسی زمانہ میں کمی نہیں ہوتی ہے۔ رکن الدین کہتا تھا کہ اس نے کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی (پیغمبر مکرمؐ کے وصف سے مطابقت کرتے ہوئے) وہ تمام چیزوں کے نام جانتا تھا۔ یہ ایسا علم تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے کسی پیغمبر نے حاصل نہیں کیا تھا۔ وہ مزید دعویٰ کرتا تھا کہ علم حروف کے رموز اس پر اس طریقہ سے نازل کیے گئے کہ ایسا علم کسی آدمی کو کبھی نہیں دیا گیا اور یہ کہ اس نے اس موضوع پر کتابیں لکھی تھیں۔ اس نے یہ کہہ کر کہ وہ رکن الدین (مذہب کا ستون) خدا کا بھیجا ہوا تھا۔ لوگوں کو تصوف کے طور طریقوں کے غلط راستہ پر ڈالا اور گمراہ کن خیالات کو فروغ دیا۔ سلطان فیروز تغلق کے احکام سے اس کے کچھ حمایت کرنے والوں نے اس کو مار ڈالا۔ اس سے ایک صدی بعد میر سید محمد کا ظہور ہوا جس نے ہندستان میں مہدوی تحریک کو ایک معین شکل اور لائحہ عمل دیا۔ وہ جونپور کے میر سید خاں کے بیٹے تھے، جو آل رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ اگرچہ جونپور کا زوال بار سا پٹھانوں کے ہاتھوں ہوا تھا۔ لیکن ان کے خیال میں یہ زوال ایام آخرت کی علامت تھی۔ غیر معمولی واقعات، معجزات کی طرح معلوم

ہوتے تھے۔ جس سے ان کی روش میں امتیازی شان پیدا ہو گئی تھی اور ایک آسمانی آواز نے نہایت آہستہ سے یہ الفاظ کہے (حالانکہ وہاں اس کے قریب کوئی غار حرا نہیں تھا) "اَنْتَ مَهْدِی"۔ تو مہدی ہے۔ کچھ لوگ واقعی کہتے ہیں کہ میر سید محمد کا تشہیر سے یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ مہدی موعود تھے۔ لیکن بلاشبہ انہوں نے صاحب زمان کی حیثیت سے اپنی تبلیغ پر زور دیا۔ اپنی عظیم خطیبانہ قوتوں کے ذریعہ خصوصی طور سے انہوں نے اپنے بہت سے حامی بنا لیے۔ لیکن دشمنوں سے مجبور ہو کر وہ گجرات چلے گئے۔ جہاں ان کو سلطان محمود اول ایک حامی ملا۔ بادشاہ کی استدعا پر وہ حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ چلے گئے، جس سے دشمنوں کو خوشی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے ان کو وہاں سے بھی بھگا دیا گیا۔ ان کی واپسی پر ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی تعلیم تکلیف دہ تھی۔ انہوں نے اپنے مریدوں سے جو ان کے ساتھ تھے کہا۔ "خدا نے میرے دل سے مہدی کے بوجھ کو دور کر دیا ہے اگر میں سلامتی کے ساتھ واپس پہنچتا ہوں تو سب سے دست بردار ہو جاؤں گا"۔ لیکن جب وہ بلوچستان کے فرخ شہر میں پہنچے، جہاں ان کی آمد نے ہیجان پیدا کر دیا تھا تو ان کا انتقال ہو گیا۔ (۹۱۱ھ۔۱۵۰۵ء) ان کا مقبرہ عام زیارت گاہ ہو گیا اگرچہ شاہ اسماعیل اور شاہ طہماسپ نے اس کو برباد کرنے کی کوشش کی تھی۔ ۴ اس کے بعد مہدویت کے وجود کو شیخ علائی اور میاں عبداللہ نیازی ۵ بروئے کار لائے۔ شیخ علائی ایک بنگالی مسلمان تھے۔ ان کے والد اپنے ملک میں عالم و درویش سمجھے جاتے تھے اور مکہ معظمہ جانے کے بعد اپنے چھوٹے بھائی نصر اللہ کے ساتھ جو ان کی طرح عالم تھے۔ بیانہ کے مقام پر ۹۳۵ھ میں سکونت اختیار کر لی۔ جنوبی مذہبی حرارت نے آگرہ کے مغرب میں سیاسی طبقہ میں شدت اختیار کی جہاں وہ معزز با اثر اور بارسوخ ہو گئے۔ شیخ علائی نے عہد جوانی سے ہی وکیل کی علمیت اور درویشی کی سخت گیری کا مظاہرہ کیا تھا اور اپنے والد کی وفات پر انہوں نے متعدد مریدوں کا حلقہ اپنے اردگرد قائم کر لیا۔ لیکن آخر میں صاحب عدل وانصاف کے ذہنوں سے قوت کا عشق پیدا ہوتا ہے۔ عید کے دن انہوں نے ایک با اثر شیخ کو ہودہ سے ٹھوکر مار کر گرا دیا تھا۔ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کی حمایت سے انہوں نے تشہیر کر دی تھی کہ وہی واحد شخص شہر کے شیخ ہونے کے لائق تھے۔

اسی زمانہ میں جونپوری مہدی کے ایک مرید میاں عبداللہ نیازی مکہ معظمہ سے آگئے اور بیانہ کے قریب سیکری کی ڈھلواں سطح سے ایک الگ تھلگ مقام پر سکونت اختیار کرلی۔ اپنے آقا کی طرح وہ خطیبانہ قوتوں کے حامل تھے اور انہوں نے شاہراہ کی تبلیغ کی اور کم وقت میں لکڑہاروں اور بہشتیوں میں متعدد پیرو بنا لیے۔ میاں عبداللہ کے موثر خطبوں سے شیخ علائی بھی مرعوب ہوئے، انہوں نے تعلیم دینا اور مقامی اثرورسوخ حاصل کرنے کی جدوجہد کرنا چھوڑ دیا۔ فقیر ہوگئے۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ یا تو وہ اس کے ساتھ صحرا نوردی کرے یا اپنا راستہ اختیار کرے۔ اپنی ساری جائداد اور اپنی کتابیں بھی نیازی کے غریب حمایت کرنے والوں میں تقسیم کردیں اور اس برادری میں شامل ہوگئے۔ جس کی تشکیل نیازی کے مریدوں نے کی تھی۔ اس حلقہ کے بھائیوں نے آپس میں ایک جائیداد کی ملت قائم کرلی تھی۔ بھیک سے حاصل کردہ آمدنی کو آپس میں تقسیم کرلیتے تھے اور سارا کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ قرآن شریف میں یہ کہا گیا تھا "لوگوں کو تجارت یا فروختگی کے لالچ حرص میں ذکر الٰہی ترک نہیں کرنا چاہیے"۔ پانچ وقت کی نماز باجماعت برادران ادا کرنے کے بعد روزانہ مذہبی جلسے منعقد کرتے تھے۔ جہاں کہیں بھی جاتے تھے مسلح نظر آتے تھے۔ جلد ہی انہوں نے خود کو اس قدر قوی محسوس کیا کہ میونسپلٹی کے معاملات میں دخل اندازی کرنے لگے۔ بازاروں کا معائنہ کرتے تھے زبردستی ممنوع چیزوں کو ہٹا دیا کرتے تھے۔ اگر مجسٹریٹ ان کی مخالفت کرتے تھے تو یہ لوگ مقابلہ کرنے کے لیے سامنے آجایا کرتے تھے۔ اگر مجسٹریٹ ان کی رائے سے اتفاق کرتے تھے تو وہ لوگ مدد کرتے تھے۔ ان کے مراتب روزانہ بڑھتے ہی جاتے تھے اور "بیانہ" میں معاملات کی یہ صورت حال ہوگئی کہ باپ خود کو اپنے بچوں سے الگ کرلیتے تھے اور شوہر اپنی بیویوں سے جدا ہو جایا کرتے تھے۔ شیخ علائی کے سابقہ مرتبہ اور ان کے کلی ایثار و قربانی کے جذبہ نے ان کو رہبر دوئم کے مرتبہ سے نواز دیا۔ درحقیقت مستعدی اور کامیاب گفتگو میں وہ جلد ہی میاں عبداللہ سے سبقت لے گئے اور آخر میں آخرالذکر نے چھ سو یا سات سو مسلح آدمیوں کے ساتھ اپنے رقیب کو مکہ معظمہ کی طرف روانہ کرکے چھٹکارا پانے کی کوشش کی۔ علائی نے اپنے گروہ کے ساتھ پیادور سے خواصپور کی

طرف کوچ کر دیا۔ راستہ میں تبدیلی مذہب کے ذریعہ لوگوں کو اپنا معتقد بناتے اور تبلیغ کرتے جاتے تھے۔ لیکن کچھ رکاوٹوں کی وجہ سے وہ سب "بیانہ" واپس آگئے۔ آخر میں شیخ علائی کی شہرت اسلام شاہ کے کان تک پہنچی جس نے ان کو آگرہ میں طلب کیا اور اگرچہ بادشاہ نے ان کو موت کے گھاٹ اتارنے کا پکا ارادہ کر لیا تھا کیونکہ وہ ان کو خطرناک فتنہ انگیز خطیب سمجھتا تھا۔ اور اس کی موجودگی میں علائی کے ناشایستہ رویہ نے اس کو آزردہ خاطر کر دیا تھا اور اس کے جذبات کو ٹھیس لگائی تھی۔ لیکن دنیا کے ہیچ پن، بے ثباتی اور نمائشی پن پر اور علماء کی ریاکاری اور ظاہرہ پن پر علائی کے فی البدیہہ اور برجستہ خطبہ سے وہ اس قدر سحر زدہ اور محظوظ ہوا کہ اس نے علائی کے آدمیوں کے واسطے پکے ہوئے کھانے اور اشیاء خورد و نوش بھیج دیں۔ ایک دوسرے موقع پر دربار میں افغانی امراء اور سپہ سالاروں کی لطف اندوزی کی غرض سے مہدی موعود کی بشارت ولادت سے وابستہ سوالات پر علائی نے علماء کو شکست دی اور روز بروز اسلام شاہ کو اطلاع دی جاتی تھی کہ کہ ایک اور امیر علائی جلسوں میں چلا گیا اور نئے مذہبی فرقہ میں شامل ہو گیا۔

بہر حال علائی کی کامیابی سے دربار میں علماء کو گھبراہٹ نہیں ہوئی اور دربار کے علمائے دین کے صدر مخدوم الملک عبداللہ سلطانپوری کا اثر اس قدر عظیم تھا کہ شیخ کو جلاوطن کر دینے کے معاملہ میں وہ آخر میں بادشاہ پر غالب رہا۔ علائی اور اس کے پیرو نے فوراً شاہی فرمان کی تعمیل کی اور دکن کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب اسلام شاہ کی سرحد سلطنت پر نربدا میں "ہنڈیا" کے مقام پر وہ لوگ پہنچے تو بہار خاں اعظم ہمایوں۔ اور ان کی نصف فوج کو ہم عقیدہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اس آخری کامیابی کی خبر سن کر بادشاہ نے اپنے احکام منسوخ کر دیئے اور شیخ علائی کو واپس بلوالیا۔ اسی زمانہ میں (۹۵۵ھ) پنجاب میں نیازی افغانیوں سے پیدا کردہ فتنہ و فسادات کو ختم کرنے کے لیے آگرہ سے چل دیا۔ اور جب "بیانہ" کے قرب و جوار میں پہنچا مخدوم الملک نے بادشاہ کی توجہ میاں عبداللہ نیازی کی طرف مبذول کی۔ شیخ علائی کی دکن کی روانگی کے بعد میاں عبداللہ نیازی تین سو یا چار سو مسلح آدمیوں کے ساتھ "بیانہ" ضلع کی پہاڑیوں میں گھومتے پھرتے تھے اور اپنے ہی قبیلہ

کے لوگوں پر عظیم اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لیے مشہور تھے۔ اور آخر میں انجام یہ ہوا تھا کہ نیازی باغیوں پر پنجاب میں اثر قائم ہو گیا تھا۔ اسلام شاہ نے "بیانہ" کے گورنر کو فرمان جاری کیا کہ وہ میاں عبداللہ کو اس کے حضور میں پیش کرے "بیانہ" کا گورنر مہدوی ہو چکا تھا۔ گورنر نے اپنے مذہبی پیشوا کو بذات خود پوشیدہ کر دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن میاں عبداللہ دلیری کے ساتھ بادشاہ کے سامنے آ گئے اور اس کے آداب مجلس سے غفلت شعاری کے باعث بادشاہ اس قدر ناراض ہوا کہ اسلام شاہ نے اس کو جان سے مار دینے کا حکم جاری کر دیا۔ بادشاہ نے گھوڑے کی پیٹھ پر سے ایک گھنٹہ تک سزا کے حکم پر عمل در آمد ہوتے دیکھا۔ اور بادشاہ اس وقت وہاں سے گیا جب میاں عبداللہ ظاہر طور پر بے جان ہو کر زمین پر گر پڑے۔ بڑی احتیاط اور دیکھ بھال سے اس کو زندہ کیا گیا۔ ایک طویل عرصہ تک انہوں نے خود کو روپوش رکھا۔ اور تمام مہدوی اصولوں کو ترک کر دیا اور ۹۹۳ھ (۱۵۸۵ء) تک تاخیر ہوئی۔ جب اکبر کی طرف سے ایک جاگیر ملی ۱۰۰۰ھ میں سرہند کے مقام پر نوے سال سے زیادہ عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ نیازی کے فتنہ و فسادات کو ختم کرنے کے بعد اسلام شاہ آگرہ واپس چلا گیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد ہی پنجاب میں پھر اس کی موجودگی ضروری ہو گئی اور وہیں شیخ علائی شاہی لشکر گاہ میں شامل ہو گئے۔ جب اسلام شاہ نے شیخ کو دیکھا تو اس نے ان سے نہایت پست آواز میں کہا "میرے کان میں آہستہ سے کہہ دو کہ تم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہو اور اپنی حرکتوں سے دست بردار ہوتے ہو اور میں تم کو تکلیف نہیں دوں گا"۔ لیکن شیخ علائی نے ایسا نہیں کیا اور اسلام شاہ نے اپنے اقتدار کو ظاہرہ طور پر برقرار رکھنے کے لیے ایک نوکر کو حکم دیا کہ سزا کے طور پر اس کی موجودگی میں اس کے چند کوڑے لگائے جائیں۔ شیخ علائی کو طاعون کے حملہ سے مشکل سے ہی افاقہ ہوا تھا۔ طاعون ہندستان میں کئی برسوں تک پھیلا رہا تھا۔ اس کی گردن پر چند بری طرح مندمل زخم تھے۔ جب کوڑے لگے تو ایک زخم کھل گیا۔ علائی بے ہوش ہو گیا۔ اور مر گیا۔ اب اس کے جسم کو ہاتھی کے پیروں کے نیچے ڈال دیا گیا۔ اور احکام جاری کیے گئے کہ کسی شخص کو اسے دفن نہیں کرنا چاہیے۔

"بدایونی" کی مقدس خوش اعتقادی کے مطابق ساری لشکر گاہ کو خوف و دہشت میں

ڈالنے کے لیے ایک نہایت تباہ کن طوفانی ہوا چلی اور بادشاہ اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ اس کو یقین ہو گیا کہ قیامت آگئی جب طوفان کم ہو گیا تو علائی کا جسم لغوی طور پر گلاب کے پھولوں اور دیگر قسم کے پھولوں میں دفن کیا ہوا پایا گیا۔ اور نعش[12] کو زمین میں دفن کر دینے کا حکم جاری کیا گیا۔ لوگوں نے پیشین گوئی کی کہ جلد ہی اسلام شاہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس کے خاندان کا زوال[13] ہو جائے گا۔

شیخ علائی کی موت درباری علماء کے لیے ایک عظیم فتح و کامرانی تھی اور تمام مہدوی عقائد کے ماننے والوں پر شدید مظالم کرنا فوری رد عمل ہوا۔ مظالم و اذیتوں کا سلسلہ اکبر کے عہد تک جاری رہا۔ در حقیقت مہدوی تحریک کی قسمت سید محمد کی زندگی کے زمانہ میں بھی مایوس کن رہی۔ راسخ العقیدہ مسلمان ان کو مکار اور عیار و فریبی تصور کرتے ہیں۔ مہدویوں نے سیاسی فرقوں کی تشکیل کرنے میں غلطی کی۔ جب ان کی روحانی اہمیت ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ گجرات کے سلطان مظفر اول (۱۵۱۳ء۔۱۵۲۶ء) اور اورنگ زیب نے اپنی احمد آباد کی گورنری کے دوران (۱۶۴۵ء) ان مہدویوں میں سے متعدد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مہدویوں کا عقیدہ ہے کہ سید محمد آخری امام اور مہدی موعود تھے انہوں نے سید محمد کو معجزات کی قوت سے مختص کیا۔ مردہ کو زندہ کر کے اٹھانا، اندھوں اور گونگوں کو ٹھیک کر دینا وغیرہ۔ مہدوی لوگ نہ تو اپنے مردوں کی ارواح کے حق میں دعا کرتے ہیں اور نہ اپنے گناہوں کے لیے پشیمان ہونے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ شادیوں اور اموات کے موقع پر وہ کچھ رسومات مناتے ہیں۔ جو ان ہی سے مخصوص ہیں۔ راسخ العقیدہ مسلمان (سنی) اور شیعہ حضرات یکساں طور پر مہدویوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور ان کو "منغیر مہدی" کہتے ہیں۔ (یعنی وہ لوگ جو ایک مہدی میں عقیدہ نہیں رکھتے جس کو اب بھی آنا ہے) لیکن مہدوی لوگ خود یہ لقب اپنے مخالفین کے لیے استعمال کرتے ہیں جو اس مہدی کو سچا ماننے میں عقیدہ نہیں رکھتے ہیں جس کا ظہور پہلے ہی ہو چکا ہے[14] اصلی اور آخری مہدی (مہدی آخر الزماں) کو ابھی آنا ہے۔ جب مسلم عقیدہ کے مطابق زمین اپنی گردش ختم کر دے گی۔ لیکن خود ساختہ مہدی کا اچانک منظر عام پر آ جانا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسلام کو ایک مہدی کی اشد ضرورت تھی۔ مہدوی

تحریک کی قابل ذکر خصوصیت یہ تھی کہ اس کا مقصد اسلام کو درباری علماء کے چنگل سے آزاد کرنا تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اسلام علمائے دین کی حکومت تسلیم نہیں کرتا۔ مخصوص علمائے دین کے خلاف پیغمبر کے عقیدہ پر ایمان رکھنے والے سادہ دل پیرو کی یہ عوامی بغاوت تھی۔ علمائے دین نے بلاشرکت غیرے ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا۔ ملت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے ہیں۔ نہ تو روحانی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ دنیاوی فائدہ ملتا ہے۔

جھوٹے دعوے داروں کا سلسلہ جنہوں نے اسلامی مہدی کا دعوی کیا یہاں ختم نہیں ہوا۔ ۱۵۶۹ء میں شیعہ ترغیب سے متاثر شاہ عارف نامی درویش جو شاہ طہماسپ سے رشتہ داری کا دعویٰ کرتے تھے۔ لاہور سے کشمیر پہنچے۔ جہاں وہ پنجاب کے گورنر حسین علی خاں کے تحفظ میں کچھ عرصہ تک رہ چکے تھے۔ کشمیری علی شاہ چک جو خود شیعہ تھا شاہ عارف سے اتنا خوش تھا کہ اس نے ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دی جب کہ دیگر لوگوں نے مخلصانہ طور سے ان کی پرستش کی اور ان کے امام مہدی ہونے کا اعلان کر دیا۔ یہ شیفتگی اور فریفتگی ان کو اس حد تک لے گئی کہ انہوں نے علی کو تخت سے اتار دینے اور شاہ عارف کو حکومت سے سرفراز کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ جس وقت بادشاہ نے یہ سنا اس نے درویش کو سزا دینے کی تدابیر کیں۔ مقدس شخص نے اظہار کیا کہ وہ اپنے تقدس، اپنی عظمت اور نیکی کے ذریعہ خود کو ایک دن لاہور پہنچا دے گا اور اگلی صبح کو وہ غائب ہو گیا۔ اس کے مریدوں نے نتیجہ نکالا کہ انہوں نے اپنی ہنر مندی کے ذریعہ خود کو کسی دوسرے ملک میں پہنچا دیا۔ لیکن ندی پار کرانے کی غرض سے اسے ملاح کو کثیر رقم دیتے ہوئے پایا گیا۔ اور اس کو "بارامولا" پہنچا دیا گیا جہاں وہ سفر کر چکا تھا وہ پھر فرار ہو گیا اور وہ مہر سلیمان کی پہاڑی پر گرفت میں آیا۔ بادشاہ نے اس پر ہزار اشرفیاں جرمانہ کیا۔ اس سے اپنی بیٹی واپس لے کر اس کو سلطنت چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔[۵۹] ۱۵۷۷ء میں "بدایونی" کے شریف اصولی نے ہزاروں کا مہدی ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔ بڑا جوش و خروش تھا۔ اکبر نے اس کو نجی ساعت کی غرض سے مدعو کیا۔ کوئی چیز رونما ہوئی۔ وہ اکبر کے پیرو کی حیثیت سے بھرتی ہو گیا۔ عبادت خانہ کے مذہبی تصادم و تنازعات کی تصوری اسٹیج غالباً ایک فلسفی حیثیت سے وہ "دبستان" میں نظر آتا ہے "بدایونی"[۶۰] ایک شعر

کے ذریعہ اس کو زندۂ جاوید بنادیتا ہے۔ "شریف نامی ایک احمق ہے۔ بڑی باتیں کرتا ہے۔ اگرچہ شہرت مشکوک ہے" بہرحال اکبر سے اس کا بڑا رسوخ تھا۔ اکبر نے ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ اس کو "بہار اور بنگال" بھیجا تھا۔ دور جدید میں بھی ایک سے زیادہ اشخاص مہدی موعود کی حیثیت سے "ہندستان" اور بیرون ممالک میں منظر عام پر آئے اور غالباً مستقبل میں اور بھی زیادہ آتے رہیں گے۔

راسخ الاعتقادی اور حریت پسندی کا تصادم:

اکبر کی تخت نشینی سے ہندستانی اسلام میں حریت پسندی کے فروغ میں تیزی آگئی۔ اکبر کے ابتدائی نشوونما میں اسلام کی طرف گہرے خلوص و عقیدت مندی کا عنصر غالب تھا۔ لیکن مشہور و معروف شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری جیسے علمائے دین کی دنیاداری، مکروفریب، شریعت کے متنازعہ نکتہ پر ان کا غیر صلح کن رویہ عبادت خانہ میں زبان سے گھونسوں اور گالی گلوچ میں بدل جانے والے جھگڑوں نے اکبر کو خود اسلام سے متنفر کردیا۔ اس نے متعصب ملاؤں کو اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیا۔ انہوں نے اپنی اصلاح نہیں کی اور ان پر شہنشاہ کا غیظ و غضب نازل ہوا اور وہ بداعتقادی کے مرتکب ہوگئے۔ شروع میں اکبر کے تصوف کی پیاس نے سرچشمہ اسلام سے روحانی تسکین کی تمنا کی تھی۔ لیکن الفاظ کی سحرکاری میں خلوص کی کمی، باہمی تضاد اور بغیر دلیل کے علیت کے پھوٹ پڑنے کی کیچڑ اکبر کو ملی۔ جس کو خود ساختہ علمائے اسلام کے ستونوں نے اچھالا تھا۔ دینیات کے دُھندلے پردہ کو ہٹاکر شریعت اور قرآن کے احکام کی بیرونی مطابقت سے آزاد ہوکر وہ روح اسلام سے چمٹ گیا۔ اس کے خلاف اسلام سے مرتد ہونے اور لامذہب ہونے کے الزامات لگانا مضحکہ خیز ہے۔ اکبر کے زمانہ کی آزاد پسندی مسلم علماء کے راسخ العقائد طبقہ کی آنکھوں میں خار تھی۔ جن کی تلاش و تحقیقات نوے فیصد لوگوں پر اگر پورا کافر نہیں تو معیار سے گرے ہوئے کی چھاپ لگادیتی تھی۔ اکبر کی آزاد پسندانہ گو غیر اسلامی رسومات پر "اسلام خطرہ میں" آواز اٹھائی۔ اکبر کی قلبی ماہیت کو برطرف کر کے اگر راسخ العقیدہ کے نقطہ نگاہ سے فیصلہ کیا جائے

تو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے کہ معاملات کی کیفیت ظاہرہ طور پر پیغمبر صاحب کے مذہبی عقیدہ کی پابندی سے پورا انحراف تھا۔ اکبر نے اپنے اصلاحی جوش و خروش میں احتیاط کے حدود سے تجاوز کیا تھا۔ سلطنت کی استقامت و استحکام کے لیے اس کی تمام نئی تدبیریں ضروری نہیں تھیں۔ اس نے غیر ضروری طور پر متعدد معاملات میں مسلم مذہب میں مداخلت کی۔ عبدالقادر بدایونی ایک مخصوص قسم کا ملا تھا۔ اس نے اپنے زمانہ کی تمام اختراعات بدعتوں کی تعداد و شمار لکھی ہے۔ اس نے رائج الوقت عام حالات کی مبالغہ آمیز تصویر قلمی تصویر ایسے طرز بیان میں کھینچی ہے۔ جو مورخ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے خصوصی مقالہ کا تعلق ہے یعنی "شریعت کے طریقہ سے انحراف" وہ یقینی طور پر اس کو ثابت کرنے میں[19] کامیاب رہا ہے۔ راسخ العقائد لوگوں نے اکبر کی حکمت عملی کی بہ نظر غیظ مذمت کی۔ ابوالفضل پھیلی ہوئی عام بے چینی و بے قراری کو پوشیدہ نہیں رکھ سکا۔ جب وہ کہتا ہے: "ہر طبقہ حماقت کی باتیں کرتا ہوا اور بدگوئی، تہمت اور افترا پھیلاتا ہوا جہالت کی شاہراہوں اور بدکاری فسق و فجور کے عقبی گلی کوچوں میں چلتا پھرتا تھا۔ ہر طرف ہیجان و ہنگامہ کی دھول اڑتی تھی اور تاریکی کا سیاہ دھواں اٹھتا تھا۔ فسق و فجور اور بدشعاری کی محفل میں ایک ساتھ[20] مجتمع تھے" ملا محمد یزیدی پہلے پکا شیعہ تھا اور اکبر نے اس کو جونپور کا صدر مقرر کیا تھا۔ انہوں نے فتویٰ دیا تھا کہ "دشمن اسلام کی حیثیت سے اکبر کے خلاف بغاوت کرنا شرعی ہے"۔ بطور انجام محمد معصوم کابلی، محمد معصوم خاں فرنخودی، میر مغیر الملک، نیابت خاں، عرب بہادر اور دیگر لوگوں نے متعدد مقامات پر میان سے تلوار نکالی۔ اور کچھ جان توڑ کر بے تحاشہ[21] مایوس کن لڑائیاں بھی ہوئیں۔ بنگال میں باباخاں جباری اور وزیر جمیل کی سرکردگی میں بغاوت بھی اپنی اصلیت کے اعتبار سے جوابی عمل تھا۔[22] اسی زمانہ میں کابل کے مرزا محمد حاکم نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی حمایت سے اکبر کے خلاف بغاوت کر دی اور ہندستان کی خوشگوار زمین کو مخالفت و مزاحمت کی دھول سے بھر دیا۔[23] بہرحال اکبر رد عمل کرنے والی قوتوں کو اپنے قابو کے اندر رکھنے میں کامیاب ہوا۔ لیکن اس کی موت کے بعد راسخ العقیدہ طبقہ کامیاب و کامراں رہا۔

تشریحات حاشیہ

آٹھواں باب

(۱) "المہدی" لغوی معنی "ہدایت شدہ" لہٰذا جو شخص دوسروں کو ہدایت کرنے کے لیے موزوں و مناسب ہو۔ رہبر، رہنما، قائد، ایک حکمراں جو آخری دنوں میں روئے زمین پر ظاہر ہوگا۔ شیعہ حضرات کے عقیدہ کے مطابق بارہویں امام حضرت محمد ابوالقاسم کی شخصیت میں پہلے ہی ظہور ہو چکا ہے۔ ان کے بارے میں عقیدہ ہے کہ وہ کسی پوشیدہ مقام پر پوشیدہ ہیں۔ دنیا کے ختم ہونے سے پہلے پھر ایک بار تازہ دم ظہور کے منتظر ہیں۔ لیکن سنی حضرات کہتے ہیں کہ ان کا ظہور ابھی نہیں ہوا ہے (ہفس کی تصنیف "فرہنگ اسلام" صفحہ ۳۰۵ دیکھئے ان کو "صاحب زماں" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے)۔

(۲) دوسرے مذہبوں میں بھی مہدی کا تخیل عام ہے۔ ہندو "کالکی اوتار" کی آمد میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہودی، عیسائی اور نصرانی لوگوں کا بھی ایسا ہی عقیدہ ہے۔

(۳) موزوں و مناسب روایات کے ضمن میں ہفس کی تصنیف "فرہنگ اسلام" ایس وی دیکھئے۔ "المہدی" "قاموس اسلام" ایس وی "روضۃ الائمہ" بحوالہ "آئین اکبری" ترجمہ بلوچمن باب I iii iv

(۴) "قاموس اسلام" باب III صفحہ ۱۱۴

(۵) "مشتر" کے قاضی نور اللہ کی تصنیف "مجلس المومنین" میں سید محمد نور بخش کی مفصل سوانح عمری موجود ہے "آئین اکبری" ترجمہ از بلوچمن حاشیہ تشریح IV "قاموس اسلام" باب III صفحہ ۱۹۶ موازنہ کیجئے۔

(۶) غالباً اس کو لکھنا بھی اللہ نے سکھایا تھا۔

(۷) "فتوحات فیروز شاہی" ایڈیشن III صفحات ۳۷۸۔۳۷۹

(۸) سید محمد جونپوری کے تذکرہ کے ضمن میں "مرأۃ احمدی" انگریزی ترجمہ صفحات ۲۱۸،۲۱۷ دیکھئے۔ برگس کا ترجمہ "فرشتہ" باب III صفحہ ۲۷۷ "مرأۃ سکندری" ترجمہ صفحہ ۹۰۔۹۱ "آئین اکبری" بلوچمن I IV V "جیریٹ" باب III صفحہ ۳۷۳، "بدایونی" متن باب I صفحہ ۳۱۹ "ہیگ" باب III صفحہ ۵۹،۵۸ بمبئی کی ادبی مجلس کی کارروائیاں II مضمون شمارہ XIV صفحات ۲۹۷،۳۱۱ دیکھئے۔

(۹) پروفیسر بلوچمن نے "آئین اکبری" (جلد I) کے دیباچہ میں شیخ علائی اور میاں عبداللہ نیازی کا تذکرہ مہدیوں کی حیثیت سے کیا ہے۔ وہ مہدی نہیں بلکہ وہ مہدوی تھے۔ (طبقات اکبری ترجمہ باب II صفحات ۱۹۵،۱۹۶ حاشیہ کی تشریح دیکھئے)

(۱۰) وہ "شیخ الاسلام" اور صدر الصدور تھے اور شیر شاہ کے زمانہ سے لے کر اکبر کے عہد تک ان کو "مخدوم الملک" (سلطنت کا خدمت یافتہ) کے خطاب سے نوازا گیا تفصیل کے لیے "بدایونی" متن I صفحہ ۳۹۳ "لو" باب II صفحہ ۶۸۷ "ہیگ" باب III صفحات ۱۱۳،۱۱۸، حاشیہ کی تشریحات ۹۸،۹۹ ملاحظہ کیجئے۔

(۱۱) بدایونی نے ان سے سرہند میں ملاقات کی تھی اور موت سے پہلے میر سید محمد کی پشیمانی کی بات بدایونی عبداللہ سے سن چکا تھا ("آئین اکبری" بلوچمن باب I VIII حاشیہ کی تشریح)

(۱۲) یہ واقعہ ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں پیش آیا تھا۔ علائی کی موت سے وابستہ حالات، جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے عہد میں "سدی مولا" کے انجام سے مشابہ ہیں (بدایونی متن باب I صفحات ۱۷۱،۱۷۲،۴۰۹)

(۱۳) شیخ علائی اور عبداللہ نیازی کے تذکرہ کے لیے "طبقات اکبری" ترجمہ II صفحات ۱۹۱،۱۹۶ دیکھئے۔ بدایونی (ہیگ) باب III صفحات ۷۳،۷۷ ملاحظہ کیجئے۔ متن باب I صفحات ۳۹۴،۴۰۹ دیکھئے۔ "آئین اکبری" بلوچمن باب I دیباچہ "ڈورن" "افغانیوں کی

تاریخ"کی تشریحات حصہ II صفحات ۱۱۲، ۱۱۴دیکھئے۔

(۱۴) "قاموس اسلام" III iii "قانون اسلام" صفحات ۲۰۸، ۲۰۹دیکھئے۔

(۱۵) برگس "فرشتہ" باب IV صفحات ۵۲۱، ۵۲۲

(۱۶) بدایونی متن باب II صفحہ ۲۴۵، "لو" باب II صفحات ۲۵۲، ۲۵۳

(۱۷) "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۵۲۴ جہاں گیر اپنی سوانح عمری میں اس کی بہت تعریف کرتا ہے ("تزک" باب I صفحات ۴۷، ۴۸، ۹۰ دیکھئے۔

(۱۸) بدایونی تذکرہ کرتا ہے "ہندستان میں اسلام کے استحکام واستقامت کے وقت سے خدا نے اس ملک کے عظیم مشائخ پیدا کیے۔ جو دنیادار شہزادوں سے فطرت میں متضاد ہیں۔ یعنی ہمیشہ کسان جیسی طبع رکھتے تھے۔ مزاج میں انکساری تھی۔ ذہن میں عاجزی تھی اور کیونکہ ان کی شان وشوکت، کروفر اور طرہ امتیاز تلوار کے جوہر دکھانے میں نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ دوسروں کی چاپلوسی اور ملائمت سے پیش آنا ان کا شیوہ تھا۔ "لو" باب II صفحات ۲۲، ۲۳دیکھئے۔

(۱۹) ۱۶۱۷ء میں طامس رو، اجمیر سے لکھتے ہوئے واضح طور پر اظہار کرتا ہے۔ اکبر اپنے مذہبی فرقہ کی رسومات کے مطابق مرا۔ (سر طامس رو کی ہندستان میں سفارت صفحہ ۲۴ دیکھئے، ایک ہمعصر غیر ملکی پاپا تیلھو نے لکھا تھا "وہ (اکبر) جیسا پیدا ہوا تھا ویسا مرا۔ ایک مسلمان "شہنشاہ اکبر" کے حضور میں عیسائی مذہب کی تبلیغی جماعتیں "JASB حصہ I جلد LXV ۱۸۹۶ء اسی صاحب اقتدار نے بیجاپور کے عادل شاہی سلطان کو جواب دیا تھا۔ جب اکبر کے مذہبی عقیدہ کے بارے میں سوال کیا گیا تھا۔ کیونکہ بیجاپور میں یہ اعتقاد مروج تھا کہ اکبر عیسائی کی حیثیت سے مرا تھا "میں چاہتا تھا کہ خدا ایسا ہی کرتا۔ لیکن اسنے ہم کو ایسی امیدوں کے سبز باغ دکھائے کہ وہ عیسائی ہو جائے گا اور وہ آپ کے حضرت محمدؐ صاحب کی امت میں ہو کر مرا تھا"۔ (ہوسٹن صفحہ ۱۵۱) اپنے خلاف الحاد کے الزام لگانے کے سلسلہ میں اکبر خود اپنا دفاع کرتا ہے "توران" کے حکمران عبداللہ ازبیگ کو جب اس کے منکر ایمان ہونے کا علم ہوا تو اس نے معاملے کی تحقیق کرتے ہوئے اس کو لکھا تھا۔ اکبر نے جواب دیا تھا۔ جیسا کہ

ابوالفضل کے قلم سے اشارہ ملتا ہے "خدا کے بارے میں لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے ایک بیٹا تھا۔ پیغمبر کے بارے میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ جادوگر تھے۔ لوگوں کے تہمت سے نہ تو خدا بچا اور نہ پیغمبر بچا ہے"۔ (اکبر نامہ) بیورج باب III صفحہ ۷۵۶۔

(۲۰) مذکورہ بالا صفحہ ۳۹۷ تفصیل کے لیے صفحات ۳۹۶، ۴۰۰ دیکھئے۔

(۲۱) بدایونی "لو" باب II صفحہ ۲۸۴ دیکھئے صفحات ۲۱۴، ۲۶۷ بھی ملاحظہ کیجئے اور ملا محمد یزیدی کے لیے "آئینِ اکبری" بلوچمن باب I صفحہ ۵۴۱ دیکھئے۔ اکبر نے اس کو گرفتار کروایا تھا اور میر معز الملک کے ساتھ اس کو جمنا میں غرق کروایا تھا۔ بدایونی "لو" باب II صفحہ ۲۸۵ دیکھئے۔

(۲۲) "اکبر نامہ" بیورج باب III صفحہ ۴۲۹، اور حاشیہ کی تشریح ۴۳۲۔

(۲۳) مذکورہ بالا صفحہ ۵۳۲۔

☆☆☆

نواں باب

مجدّد الف ثانی

ایک مجدّد کی ضرورت:

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا آخری آئین مذہب ہے اور یہ کہ آنحضرت رسول اکرمؐ ان پیغمبروں کے سلسلہ میں جن کو خدا نے وقتاً فوقتاً ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں بھیجا، آخری پیغمبر (خاتم النبیین) ہیں۔ لہٰذا انکی امت (قوم یا مملکت) کی تخلیق کے لیے کسی نئے مذہب یا نئے پیغمبر کی امید نہیں ہے۔ لیکن یہ عقیدہ تھا کہ اسلام کی پرکھ اور مکمل تطہیر کر کے اس کو اس کی اصلی پاکیزگی و نفاست پر پھر سے لانے کی غرض سے روحانی تنزل وانحطاط اور مذہبی بحران کے وقت خدا مجدد بھیجے گا۔ متعدد پیشین گوئیوں اور یقین دہانیوں کو خود پیغمبر صاحب سے ہی مخصوص کیا گیا۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہر صدی میں مجدد پیدا ہوئے اور مسلمان ان کے مصلح اسلام ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ مہدی اور مجدد کا امتیاز نمایاں ہے مہدی سے مفہوم شفیع آرام دینے والا، شفع دینے والا ہے۔ اور مجدد کو "مصلح" یا تجدید کرنے والے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روایات کے مطابق جب دنیا میں اسلام دم واپسیں کے لمحات سے گزرے گا تو حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ وہ ایمان وعقیدہ کی شان و شوکت کو پھر سے لائیں گے۔ تجدید (احیائے مذہب) کا کام اسلام کو جہالت کی تاریکی سے محفوظ رکھنا ہے۔ جو اس کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ یعنی اسلام کو غیر اسلامی خارجی زوائد سے پاک کر دینا تجدید ہے۔ دوسرے مذاہب سے

مصالحت کرنے کی کوشش کرنا یا عقائد کا امتزاج کرنا تجدید نہیں ہے۔ لہٰذا ایک شخص جو اسلامی اصولوں کی قربانی کر کے مسلم ملت کی فلاح و بہبودی کا نظام عمل کا منصوبہ بناتا ہے مجدد نہیں ہے۔ وہ معاشرتی مصلح ہو سکتا ہے۔ دوسرے دو ہزار سالہ بشارت سے اسلام کے مجدد کے سوال نے ہندستان میں مسلم ملت کے ذہنوں کو نہایت مضطرب کر دیا۔ ہندستان میں اسلام کے اندر بدترین تبدیلی آئی جب سے اس کی اشاعت اس ملک میں ہوئی اس نازک وقت پر راسخ العقیدہ اسلام کی خاطر ہندستان میں ایک مجدد ایمان پیدا ہوئے۔ جن کو مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کہتے ہیں مجدد نے خود ایک عظیم مصلح کی ضرورت شدت سے محسوس کی تھی اور ذمہ داری کی قبا خود ان کے ہی شانوں پر آگئی۔ مسلمان ان کی حمایت میں متعدد روایات اور ممتاز مشائخ کی پیشین گوئیاں بطور حوالہ پیش کرتے ہیں۔ خود ان کے والدین کے متعدد خوابوں کی تعبیریں کی جاتی ہیں یہ خواب ایک عظیم مذہبی قائد کی بشارت دیتے ہیں اور مقرر کردہ مجدد کی حیثیت سے شیخ احمد کی نشاندہی یا شناخت کرتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندیؒ کی روش حیات:

بروز جمعہ بتاریخ ۱۴ رشوال ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) بوقت نصف شب بمقام سرہند شیخ احمد کی ولادت ہوئی۔ ان کا خاندان روحانی عظمت کے لیے مشہور تھا۔ اور وہ حضرت عمر ابن الخطاب اسلام کے خلیفہ دوم کی اولاد سے تھے۔ شیخ احمد صاحب کو خود اپنے حسب نسب پر فخر تھا۔ ان کے والد عبدالاحد صاحب ایک پارسا درویش اور مشہور صوفی تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ چشتی سے انہوں نے تصوف کی تعلیم حاصل کی۔ شیخ عبدالقدوس کی وفات کے بعد عبدالاحد صاحب شیخ قدوس صاحب کے بیٹے اور جانشین شیخ رکن الدین صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ رکن الدین نے قادریہ اور چشتیہؒ خاندانوں کا خرقہ (پیوند لگا ہوا چغہ) شیخ عبدالاحد کو عطا کیا۔ شیخ احمد نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی تھی اور ان کے والد سے ہی ان کو عظیم ترین فیضان ملا۔ چشتیہ اور قادریہ خاندانوں سے متعارف تھے۔ اور خلافت دونوںؒ سے حاصل کی۔ شیخ احمد اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد دہلی گئے اور نقشبندیہ خاندان میں

شامل ہو گئے۔اور کابلؒ کے خواجہ محمد باقی باللہ سے اس کی خلافت جلد ہی حاصل کرلی۔ جنہوں نے اس خاندان کو ہندستان میں متعارف کرایا۔ شیخ احمد شہرت اور تقدس میں اپنے آقا سے سبقت لے گئے اور ایک نئے خاندان کے بانی ہوئے جن کو مجددین کہتے ہیں جو نقش بندیہ خاندان کی چھوٹی شاخ ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خواجہ باقی باللہ کو (کسی غیبی پیغام کے ذریعہ) ہندستان کی طرف جانے کی خصوصی ہدایت دی گئی تھی جہاں وہ ایک بہت بڑے شخص سے متعارف ہوں گے یعنی شیخ احمد صاحبؒ اور وہ آخر الذکر کے سامنے مرید کی حیثیت سے بیٹھا کرتے تھے۔ چالیس سال کی عمر میں مجدد سرہندی نے اسلام کی تجدید شباب کی تبلیغ اور سچی اسلامی مملکت کو مستقل بنیاد پر قائم کرنے کے کام کا آغاز کردیا جو اپنی تمام کارروائیوں میں اسلامی خیالات اور دستور سے مطابقت رکھے۔ انہوں نے مغلیہ سلطنت کے امراء اور شرفاء سے وسیع مراسلت شروع کی اور ان لوگوں سے بھی خط و کتابت کی جو تخت شاہی کے قریب تھے انہوں نے ملک اور بیرون ملک کے تمام حصوں کے ممتاز اور نمایاں اشخاص کو مرعوب اور متاثر کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ اسلام کو بربادی کے چنگل سے بچانے کے لیے اجتماعی اور انفرادی کوشش ضروری تھی۔ان کے مکتوبات کے مطالعہ اور معائنہ سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اکبر اور جہانگیر کے دربار کے سب ہی ممتاز و نمایاں امراء کو خطوط لکھے تھے۔ انہوں نے خان خاناں، خان اعظم، خاں جہاں، سکندر خاں لودی، مہابت خاں، مرتضی خاں، قلیج خاں، جباری خاں، صدر جہاں، تربیت خاں، اسلام خاں، قاسم خاں اور دیگر حضرات کو خطوط پر خطوط لکھے اور اسلام کی افسوس ناک زبوں حالی کی توضیح و تشریح کی توجہ نہ دینے کی صورت میں آنے والے خطرات سے باخبر کیا۔ان کو اسلام محکم سنبھالنے کے حلقہ میں آجانے کی دعوت دی۔ ذمہ داری سنبھالنے کی ان سے استدعا کرتے ہوئے ان کو خطوط ارسال کیے۔ دینی کامل مسرت کا وعدہ کرتے ہوئے ان کو خطوط لکھے گئے۔ انہوں نے ان کے فرض کا احساس بار بار جتلایا کہ وہ اپنے حلقہ میں انقلاب پیدا کریں اور شہنشاہ پر اثر ڈالیں کہ دل کی تبدیلی کی جائے۔ مجدد نے اس مفروضہ پر عمل کیا کہ "شریعت تلوار کے سایہ کے نیچے ہے"۔(الشریعت تحت السیفؒ)ان کو مخلصانہ طور سے یقین کامل تھا کہ "بادشاہ روح ہے اور

باقی سب لوگ جسم کی ہی طرح ہیں۔ اگر روح پاکیزہ ہے تو جسم بھی موزوں و مناسب حالت میں ہوگا۔ اگر کسی بیماری کی حملہ آوری روح پر ہو جاتی ہے تو جسم بھی اس کا تابع ہو جاتا ہے۔ اس طرح بادشاہ کی اصلاح کرنا سب لوگوں کو ایک ساتھ صحیح راستہ[۷] پر ڈال دینا ہے"۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے پہلے ہونے والے واقعات خسرو کی موافقت میں اس کو ہٹا دینے کی سازش، سلیم کی موافقت میں شیخ فرید بخاری[۷]، مرتضیٰ خاں نے اہم ترین کام انجام دیا تھا یہ واحد شخص تھا جس کو شیخ احمد صاحب نے سب سے زیادہ تعداد میں خطوط لکھے تھے۔ یہ واقعات توضیح و تشریح طلب کرتے ہیں یہ ناممکن نہیں ہے کہ اسلام کے تحفظ کے وعدہ کا جہانگیر سے مواخذہ ہو۔ ہندوستان کی مسند اس کے حق میں دلانے کی حمایت کرنے کی قیمت کے طور پر یہ وعدہ کیا گیا ہو۔ تحفظ اسلام کا وعدہ مجدد سرہندی[۷] کی سرگرم کارروائیوں کا نتیجہ تھا۔ مجدد بہت خوش ہوا تھا جب جہانگیر کی تخت نشینی کی خبر اس کو پہنچائی[۷] گئی تھی۔ اکبر کی موت پر راسخ العقیدہ لوگوں نے راحت کی سانس لی لیکن یہی سب کچھ نہیں تھا۔ مجدد کا مقصد یہ تھا کہ مملکت میں جہانگیر مکمل طور پر اسلامی حکمت عملی کو تبدیل کر کے لائے کیونکہ مسلمانوں کے مفاد کے تحفظ کی خاطر موثر آلہ کار ہوگا۔ تحریک کو اور بھی زیادہ زوردار طریقہ سے چلایا گیا۔ مجدد نے لالہ بیگ[۷] کو لکھا "اگر عہد کے (جہانگیر) شروع سے ہی اسلام قدم جما لیتا ہے اور مسلمان اپنا اقتدار قائم کر لیتے ہیں تو خوب اچھا ہے، لیکن اگر معاملہ میں تاخیر کی جاتی ہے تو (اسلام کی تجدید اور مسلمانوں کی عزت آبرو) اصلی حالت پر لانے کا کام مسلمانوں کے لیے بہت مشکل ہو جائے گا[۷]"۔ صدر جہاں[۷] کو دعائیں دیتے ہوئے اور اکبر کے عہد میں اسلام کے برباد ہونے پر افسوس کرتے ہوئے آگے چل کر لکھتا ہے "اب جب کہ سلطنت میں تبدیلی آ چکی ہے (یعنی اکبر کا زمانہ ختم ہو چکا ہے) دوسرے مذہبوں کے ذریعہ اسلام کی مخالفت میں بھی انتشار ہو چکا ہے۔ اسلام کے عظیم لوگوں پر علماء پر اور وزراء پر لازم آتا ہے کہ وہ پوری قوت اور توجہ کے ساتھ قوانین شریعت کے فروغ کے لیے متحد و مصروف ہو جائیں۔ پہلے ہی موقع پر اسلام کے اصول جن کو منسوخ کر دیا گیا تھا محکم و مستقل کر دینا چاہیے کیونکہ تاخیر میں تحفظ نہیں[۷]"۔ وہ خان جہاں[۸] کو ایک خط میں لکھتے ہیں "جب شہنشاہ تمہارے الفاظ

سکتا ہے اور تمہاری رائے کو وزن دیتا ہے تم کو اس عمدہ موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ (مناسب وقت پر) براہ راست یا بالواسطہ اہل شریعت وجماعت کے عقائد کے مطابق اسلام کا پیغام اس تک پہنچانا چاہیے۔ جب تم کو وقت ملے اسلام کے اصولوں کی وضاحت کرو۔ جب بحث ومباحثہ میں مذہبی معاملات کا موڑ آجائے تم ہمیشہ اسلام کی پاکیزگی وتقدس کی پیروی کرنے کے اور دوسرے مذہبوں کی مذمت کرنے کے مناسب مواقع کی جستجو میں رہو"۔ شیخ فرید بخاری پر وہ زور ڈالتے ہیں۔ اب جب شہنشاہ کو کفار سے کوئی ہمدردی نہیں رہی ہے کفر کی رسومات کا رواج جن کو گزشتہ زمانہ میں متعارف کرایا گیا تھا مسلمانوں کے لیے نہایت نفرت انگیز ہے یہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ بادشاہ کو کافروں کی رسومات کی خرابیوں سے مطلع کرے اور ان کو خرابیوں کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ شہنشاہ کو کافروں کی بدعتیں اور اختراعات کی خرابیاں معلوم نہ ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اسلام کے بعض علماء کو بھی مطلع کردو تاکہ وہ آسکیں۔ اور کفار کی خرابیوں کی وضاحت کرسکیں"۔ مجدد کا اختیار کردہ دوسرا مفید طریقہ اپنے مریدوں کو پیروکار (خلفاء) کی حیثیت سے تربیت دینا اور ایسے مبلغوں کی بڑی تعداد جمع کرنا تھا، جو اصلاح کا کام اور تبلیغ تو کرسکیں۔ سچے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کی غرض سے انہوں نے ان کو ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا اور بیرون ہندستان بھی۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنا نمائندہ بناکر روانہ کیا اور لوگوں کو ترغیب دی کہ وہ مقدس پیغمبر صاحب کے نمونہ کی تقلید کریں۔ دوسرے الفاظ میں اسلام کی تبلیغ اپنی صحیح روح کے ساتھ چلائی گئی۔ ہندستان کے اندر تاریخ اسلام میں منظم تبلیغ کا کام پہلی بار شروع ہوا۔ شہنشاہی[۲] لوگوں میں محکم ومستقل اسلام کی تبلیغ کی خاطر مجدد نے شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو آگرہ کے دارالخلافہ میں اپنا نمائندہ بناکر متعین کردیا۔ شیخ فرید بخاری اور میران صدر جہاں[۳] کے مدعو کرنے پر کبھی کبھی مجدد صاحب خود آگرہ جایا کرتے تھے۔ ہندستان کے ہر کونہ میں مجدد الف ثانی کی سرگرمیوں کا اثر محسوس کیا گیا۔ جہانگیر کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہوا اور اس نے ان کو دربار میں بلایا "تزک" جہانگیری میں دیئے ہوئے شیخ سرہندی کے حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے بارے میں اس کو بہت

ناموافق اور مضرت رساں خبریں دی گئی تھیں[۲] لیکن یہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ شیخ احمد کو برا سمجھنے والوں میں جہانگیر ہی پہلا یا واحد شخص نہیں تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے ممتاز علمائے دین نے بھی[۳] مجدد صاحب کے خیالات کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت ہزار سالہ مجدد کے خلاف ایک عام شک پیدا ہو گیا تھا۔ مجدد صاحب اس بات کو خود جانتے تھے اور غلط فہمی[۴] کو دور کرنے کی انہوں نے بار بار کوشش کی۔ مجدد کا نہایت متنازعہ خط جس کا حوالہ جہانگیر نے بھی "تزک" میں دیا ہے وہ خط ہے جس میں مجدد پر الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت ابو بکر اسلام کے خلیفہ اول کی ہمسری کا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہ وہ خود کو آخر الذکر[۶] سے زیادہ بڑے سمجھتے تھے۔ مجدد کے خطوط تصوف کی اصطلاحات سے بھرے ہیں، جن کا تعلق اندرونی خودی (باطن) کی تربیت سے ہے، معمولی آدمی کے لیے جس کی تربیت اسلامی تصوف میں نہیں ہوئی ان کا پرکھنا اور سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ ان کے کہنے کا اصلی مفہوم یہ تھا کہ ان کو حضرت ابو بکر کے مقام کی عظمت کو دیکھنے کا اعزاز حاصل تھا۔ ان کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ ان کی ہمسری کا دعویٰ کرتے تھے یا خود کو ان سے زیادہ بڑے سمجھتے تھے۔[۷] دارا شکوہ اپنی تصنیف "سفینۃ الاولیاء" میں شیخ احمد کے متعلق بڑی موافقت کی باتیں کہتا ہے۔ دارا نے مجدد کے خلاف اس الزام کا بھی حوالہ دیا ہے، لیکن اس نے آگے چل کر تذکرہ کیا ہے کہ شیخ میرک جو شہزادہ خرم کے اتالیق تھے ایک بار "سرہند" گئے تھے اور شیخ احمد سے سوال کیا تھا۔ شیخ احمد نے الزام کی تردید کر دی تھی اور متنازعہ خط پیش کیا تھا اور شیخ میرک اس[۸] محاسبہ میں بالکل مطمئن ہو کر واپس آئے تھے۔ جہانگیر کی باریابی میں جب مجدد سرہندی سے مذکورہ بالا الزام کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ اپنے جواب کی اور زیادہ وضاحت کرنے کی غرض سے انہوں نے ایک مثال کا حوالہ دیا: "جہاں پناہ اگر ایک معمولی آدمی کو اپنی خدمت کی غرض سے طلب کرتے ہیں اور اس کی عزت افزائی کے لیے اس کو راز کی باتیں بتاتے ہیں یقینی طور پر امراء کے پنج ہزاری مراتب طے کرنے کے بعد وہ حضور کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے مقام پر واپس آ جائے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آدمی پنج ہزاری امرا کے مرتبہ سے اعلیٰ و ارفع

ہو جائے گا"۔[93] جیسا وہ کہتا ہے کہ جہانگیر ان کے جوابات سے مطمئن نہیں ہوا اور شیخ کو انی رائے سنگھ دالان کے سپرد کیا گیا تاکہ ان کو گوالیار کے قلعہ میں مقید کر دیا جائے[94] شیخ احمد کا سوانح نگار، شیخ بدر الدین سندھی کہتا ہے کہ شیعہ چغل خوروں اور فتنہ پرداز لوگوں نے پہلے سے ہی جہانگیر کے کان بھر دیئے تھے۔ جب مجدد جہانگیر کے سامنے تمام الزامات سے بری الذمہ ہو گئے تو فتنہ پردازوں اور چغل خوروں نے آخر الذکر (جہانگیر) کو راغب کیا کہ وہ شیخ احمد کو سجدہ کرنے کی رسم ادا کرنے کا حکم دے۔ شیخ احمد نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ شاہی دربار کے آداب بجالانے سے تغافل کرنے سے شہنشاہ کے غیظ و غضب[95] کے شعلے اور بھڑک گئے۔ "روضۃ القیومیہ" کے مصنف نسبتاً بعد کی مستند شخصیت نے شیخ احمد کے مقید ہونے کے اور زیادہ واضح وجوہات پیش کیے۔ اس کے بیان کے مطابق ایرانی اثر پذیر جہانگیر کا دربار شیخ احمد کی شیعہ مخالف سرگرمیوں کیوجہ سے ان سے دشمنی رکھتا تھا۔ وزیر اعظم آصف خاں نور جہاں کا بھائی اور شیعہ تھا۔ اس نے راسخ العقیدہ تحریک کے اٹھتے ہوئے مد و جزر کے خلاف جہانگیر کو آگاہ کر دیا تھا۔ جس کا انجام سلطنت کا زوال ہو گا۔ وزیر نے مشورہ دیا کہ فوجیوں کی شیخ کے مریدوں سے ملاقاتیں روک دینا چاہیے اگر شیخ کو پھانسی نہیں دی جاتی تو ان کو مقید تو کر ہی دینا چاہیے۔ جب مجدد دربار میں تشریف لے گئے تو ان کے خلاف عائد کردہ الزامات غلط ثابت ہوئے۔ تب آصف خاں نے شہنشاہ پر زور ڈالا کہ وفاداری کے ثبوت کی حیثیت سے شیخ سے سجدہ کرنے کی مانگ کی جائے۔ انجام یہ ہوا کہ شیخ کے انکار نے قید کی[96] صورت اختیار کی۔ یہ سچ ہے کہ شیخ نے شیعیت کی شدید مذمت کی تھی اور شیعوں کو بت پرستوں سے بھی بدتر[97] سمجھتے تھے۔ اگر اس حقیقت کا کچھ لحاظ رکھا جائے تو یہ زیادہ مفروضہ بات نہیں ہو گی۔ مجدد نے قید میں اپنے دن کامل صبر و تحمل کے ساتھ گزارے جیسا کہ ان کے خطوط سے ظاہر[98] ہے جو وہاں سے لکھے گئے تھے ان کے حمایتیوں نے شہنشاہ کو متاثر کرنے کی کوشش کی کہ شیخ کو رہائی بخشی جائے لیکن[99] رائیگاں۔ اس سے یہ بات مزید معلوم ہوتی ہے کہ مجدد کی قید و رہائی میں ایک سے زیادہ فرقے دلچسپی لیتے تھے۔ بہر حال ایک[100] سال کے بعد ان کو قید سے رہائی بخشی گئی۔ خلعت فاخرہ عطا ہوا۔ اور ایک ہزار روپے اخراجات کے لیے دیئے گئے۔

یہ بات ان کے انتخاب پر چھوڑ دی گئی خواہ وہ شاہی لشکر گاہ میں قیام کریں یا تشریف لے جائیں۔[27] مجدد صاحب نے قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجدد صاحب کے خطوط سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ براہ راست شہنشاہ کے ساتھ ربط وضبط رکھنے کے موقع کے متمنی رہتے تھے اور جن کو یہ خصوصی استحقاق ملا ہوا تھا ان کو نصیحت کرتے تھے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں اور شہنشاہ کو محکم العقیدہ نظریہ کی موافقت میں لے آئیں مجدد صاحب اکثر شاہی بارگاہ میں جاتے تھے اور پیش کردہ موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے اپنے بیٹوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو ایک خط میں لکھتے ہیں "ان دنوں حالات موافق ہیں غیر معمولی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں۔ خدا کے فضل وکرم سے مذہبی معاملات اور اسلامی اصولوں کی وضاحت کرنے میں کوئی تساہل یا نرمی میں نے ظاہر نہیں کی ہے۔ جس کی تبلیغ مخصوص صحبتوں اور خلوتوں میں کی جاتی تھی یہاں ان اہم مباحثوں میں ان پر ہی زور دیا جاتا ہے۔ اگر ان ملاقاتوں میں ایک کا بھی تذکرہ کروں تو اس کے لیے ایک کتاب کی ضرورت ہوگی۔ خاص طور سے اس رات بادشاہ نے صبر و تحمل کے ساتھ سماعت کی اور الحمدللہ خصامت یا نفرت کی کوئی علامت[28] ظاہر نہیں کی"۔ "زبدۃ المقامات" کے مصنف کے قول کے مطابق مجدد صاحب تقریباً تین سال[29] تک شاہی لشکر گاہ کے ساتھ رہے جہانگیر نے اپنے عہد[30] کے اٹھارہویں سال دو ہزار روپے عطا کر کے مجدد صاحب کی عزت افزائی کی۔ "روضۃ القیومیہ" کا مصنف تو اظہار رائے اس حد تک کرتا ہے کہ شیخ اب سے اپنی باقی زندگی تک[31] شہنشاہ کا خصوصی مشیر ہو گیا۔ لیکن اتنا تو یقین ہے کہ مذہبی معاملات میں جہانگیر نے مجدد سرہندی کے مشورہ سے فائدہ اٹھایا۔ جیسا اس خط سے ظاہر ہے جو اول الذکر کو آخر الذکر نے لکھا تھا۔ وقتاً فوقتاً جہانگیر کی مذہبی سخت گیری، غیر مسلموں کی مخالفت میں اظہار جذبات اور حکمت عملی میں بالآخر متلون ذہن جہانگیر پر مجدد صاحب کے اثر کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ بوقت صبح، بروز جمعرات، بتاریخ ۲۸ / صفر ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۴ء) تریسٹھ سال کی عمر میں مجدد سرہندی نے وفات پائی (پیغمبر صاحب کی وفات کی بھی یہی عمر تھی) ان کے بیٹوں اور مریدوں کے لیے ان کے آخری الفاظ یہ تھے "شریعت کو اپنے دانتوں[32] سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو۔

ان کو سرہند کے مقام پر دفن کیا گیا ہے ان کے (سالانہ جشن) عرس کے موقع پر ساری دنیا کے ہزاروں مسلمانوں کے لیے یہ مقام باعث کشش بن جاتا ہے۔

مجدّد صاحب کے معاصرین:

اپنے والد صاحب کی زندگی میں شیخ احمد صاحب آگرہ تشریف لے گئے تھے۔

ایام اکبری کا آگرہ مذہبی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا تھا اور اس زمانے کے علماء شاہی تخت کے ارد گرد ایک کہکشاں کی تشکیل کرتے تھے۔ یہاں انہوں نے اسلام محکم کے مخالف اکبر کے دربار کے جڑواں ستونوں ابوالفضل اور فیضی سے رابطہ قائم کیا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ابوالفضل شیخ احمد کے اکتساب و استعداد سے متاثر تھا اور ان کا بہت احترام کرتا تھا" برہان پور کا ملا ہاشم کشمی کہتا ہے کہ ایک دن شیخ احمد ابوالفضل کی محفل میں موجود تھے۔ ابوالفضل نے فلسفیوں کی اس قدر مبالغہ آمیز پیرائے میں تعریف کی کہ اس سے مراد پھیر اور چکر کے ساتھ علمائے اسلام پر حملہ کرتا تھا۔ شیخ احمد اس کو برداشت نہیں کر سکے۔ انہوں نے پیش کش کی کہ امام غزالی ؒ نے اپنے مکالمات میں سے ایک میں ظاہر کیا کہ مفید علوم جیسے نجوم و طب وغیرہ جن کے ماہرین ہونے کا فلسفی دعوٰی کرتے ہیں، در حقیقت انہوں نے ماضی کے پیغمبروں کے اقوال اور تصانیف سے ان تمام علوم کو لے کر ان پر اپنا تصرف کیا۔ اور وہ علوم جو خود ان کی اپنی تخلیق ہیں جیسے حساب وغیرہ ان کی علمی طور سے قدر و قیمت نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوالفضل کو طیش آگیا اور اس نے بہ آواز بلند کہا: "غزالی نے لغو باتیں کہی ہیں" اس رائے زنی پر شیخ احمد آزردہ خاطر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے محفل سے چلے گئے "اگر آپ میں علماء کی صحبت کا فطری رجحان ہے تو ایسی بدتمیزی کے الفاظ کہنے سے اپنی زبان کو قابو میں رکھئے"۔ جب تک خود ابوالفضل نے ان کو نہیں بلوایا اور افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ شیخ احمد ابوالفضل کے گھر نہیں گئے۔ شیخ احمد شیخ فیضی سے ملنے جاتے تھے اور یہ کہا جاتا ہے کہ شیخ احمدؒ نے قرآن شریف کی بے نقطہ تفسیر "سواطع الالہام" لکھنے میں آخرالذکر کی مدد کی تھی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نام خاص طور سے ذکر کرنے کے لائق ہے کیونکہ شیخ سرہندیؒ کے

ہمعصروں میں ان کی شخصیت نہایت اہم تھی وہ مجدد کے پیر بھائی تھے اور ان کو خواجہ محمد باقی باللہ نے نقش بندیہ سلسلے میں داخل کیا تھا وہ خواجہ کے روحانی حلقہ کے ایک ممتاز اور مخلص رکن تھے۔ انہوں نے نقش بندیہ سلسلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے اور اس کو روحانی معراج حاصل کرنے کا بہترین سلسلہ بتایا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں روحانی رہنما خود ایک ہی پیر سے بیعت تھے لیکن ان کے مرید مخالفانہ لشکر گاہوں میں نمایاں طور سے منقسم ہو گئے۔ ہندستانی اسلام کی متزلزل ساخت کے لیے یہ اور بھی زیادہ بدنصیبی کی بات تھی کہ اس شخص کی مسلسل مخالفت کی گئی۔ جس نے تجدید اسلام کی ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر لے لیں تھیں مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی تردید میں شیخ عبدالحق نے دوسرا رسالہ لکھا ہے۔ خود اسلام کے کچھ بنیادی اصولوں کے متعلق شیخ احمد صاحب اور عبدالحق صاحب کی باہمی جنگ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے خالص مذہبی تھی یہ جنگ نہ تو شخصی تھی اور نہ اس میں اپنے حریف کو پست کرنے کا کوئی مقصد تھا "تذکرہ آدمیہ" کے مصنف شیخ عبدالخالق کہتے ہیں: "ایک دن میں (شیخ عبدالخالق) شیخ عبدالحق سے ملنے گیا شیخ احمد صاحب کی روحانی عظمت (کرامات) کے متعلق بات چیت چل رہی تھی۔ شیخ عبدالحق، مجدد کو کوئی وقعت دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے میں نے برجستہ کہا کہ مذہب کے ستونوں کے لیے حریفانہ احساس کی پرورش کرنا پسندیدہ بات نہیں ہے۔ ہمیں اپنے مابین قرآن شریف کو عادل بنانا چاہیے۔ ہم کو وضو کرنا چاہیے اور مقدس کتاب کو کھولنا چاہیے۔ کوئی بھی آیت جو پہلے صفحہ پر آتی ہے (اس کو کھولنے کے بعد) شیخ احمد کی فال سمجھی جائے گی" وہ مزید کہتا ہے کہ فال شیخ احمد کی موافقت میں نکلی اور پھر شیخ عبدالحق نے ان کی مزید مخالفت نہیں کی شیخ نورالحق نے شیخ احمد سرہندی کی سوانح عمری کے ساتھ ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا تھا، جس کو ان کے والد شیخ عبدالحق نے اپنی تصنیف "اخبار الاخیار" سوانح عمری میں حذف کر دیا تھا۔ شیخ نورالحق مزید کہتے ہیں کہ ان کے والد اپنی زندگی کے آخری برسوں میں اس رائے پر نادم تھے، جو انہوں نے مجدد صاحب کے بارے میں پہلے قائم کی تھی انہوں نے مزید شیخ عبدالحق کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے جو انہوں نے خواجہ حسام الدین کو لکھا تھا جس میں انہوں نے تذکرہ کیا تھا کہ مجھے شیخ احمد

سے کوئی عداوت نہیں ہے اور یہ کہ میں ان کی جانب کشش محسوس کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ اس کے بعد ان میں مصالحت ہو گئی تھی اور اپنی باقی زندگی میں ان کے مابین دوستانہ تعلقات رہے۔ گوالیار کے قلعہ میں اپنی قید کے دوران شیخ احمد نے عبدالحق کو ایک خط لکھا تھا جس میں آخرالذکر کی ارسال کردہ ہمدردی و حوصلہ افزائی کے شکریہ کا اظہار کرتے ہوئے یہ خط لکھا گیا تھا۔

مجدد کی تعلیمات:

مجدد اسلام کی حیثیت سے شیخ احمد کے مقام کی قدردانی اور وقعت کو مناسب طور سے نہیں سمجھا جاسکتا ہے جب تک کہ ہم ان کی سرگرمیوں کے مذہبی پہلو پر غور نہ کریں۔ ایک ماہر طبیب کی طرح انہوں نے خرابیوں کی جڑ تک گہری چھان بین کرنے کی کوشش کی جنہوں نے اسلام محکم کی عظمت و وقار اور جاہ جلال کو گھن لگادیا تھا۔ مجدد کے مطابق علمائے سوء یادنیادار ذہنیت کے درویش فتنہ و فساد کا خاص وسیلہ تھے جنہوں نے فقہہ یا علم قانون کی ہی خصوصی طور سے سارا مذہبی علم سمجھ لیا تھا۔ مجدد کی رائے ہے کہ "ہر غفلت شعاری اور بے قاعدگی جو اس زمانہ میں شریعت کے معاملات میں واقع ہو گئی ہے اور ہر رکاوٹ جس نے اسلام کے فروغ اور وسعت کو روک دیا ہے علمائے سوء کی بداعمالی و بدشعاری کی وجہ سے ہے اور ان کی نااہلیت کا نتیجہ ہے"۔ ان کی رائے میں علماء قرآن اور حدیث کا حوالہ اس طرح دیتے تھے اگر غیر پاکیزہ جزو جملہ کا استعمال کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے جیسے شیطان الہامی کتاب کا حوالہ دے سکے۔ بلاشبہ وہ جو کچھ بھی کہتے تھے اس کو مستند و مسائل کی بنیاد پر ثابت کرنے کا فریب دیتے تھے لیکن ان کی آرزومندانہ تشریح و تفسیر کی وجہ سے ایک مصیبت پیدا ہو جاتی تھی۔ اپنے آقاؤں کی صورت حال و ضروریات سے مطابقت و موزونیت پیدا کرنے کی غرض سے علماء قرآن شریف و حدیث کی زبان کے ساتھ فاضلانہ شعبدہ بازی کرتے تھے اسلام میں داخل کردہ اختراع کو انہوں نے "بدعت حسنہ" کے نئے نام سے موسوم کیا۔ یعنی اگرچہ یہ اختراع تھی لیکن قابل گناہ نہیں اس فریب کے تحت قرآن و شریعت کے ہر تحریف کردہ

ترجمہ یا کسی بامقصد تشریح کو مناسب تصور کر کے اسے قابل قبول قرار دیا جاتا تھا۔ مجدد صاحب نے اس برائی کے خلاف ایک باقاعدہ جنگ کا آغاز کیا۔ ان کے مکتوبات اس قسم کے حوالہ جات سے پُر ہیں۔ خواجہ مفتی عبدالرحمٰن کابلی کے نام اپنے ایک خط میں وہ مندرجہ ذیل دلیل پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بدعت دو طرح کی ہوتی ہے۔ حسنہ اور سیۂ............ یہ حقیر فقیر کو ان دونوں قسم کی بدعتوں میں کوئی مستحسن یا ربانی چیز نہیں ملتی۔ پیغمبر صاحب کا ارشاد ہے: "ہر وہ بدعت جو میرے دین میں داخل کی جائے مذموم ہے" جب ایک چیز کو پہلے سے ہی قابل نفریں قرار دیا جا چکا ہے تو اس میں کوئی وزن کیسے ہو سکتا ہے۔ رسول اکرم نے ہمیں بدعت سے بچنے کے لیے متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ اسلام میں ہر نئی چیز کا رواج دینا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ لہٰذا کسی بدعت[43] میں کوئی فضیلت ہونے کے کیا معنی ہیں"۔ غیر محتاط ملاؤں کی سرگرمیوں کی مجدد نے شدت کے ساتھ مذمت کی تھی۔ انہوں نے اسلام کے علمائے دین کو اس غیر اسلامی رجحان کے فروغ کے خطرات کے متعلق تنبیہ کر دی تھی اور کہنا چاہیے کہ عقلی دلائل دے کر تشریح کرنے کی خرابیوں سے آگاہ کر دیا انہوں نے ان کو نصیحت کی کہ وہ قرآن و حدیث کی اسی طرح تشریح کریں جس طرح ماضی کے علمائے دین نے قرآن و حدیث کی تشریح کی تھی اور اس کو سمجھا تھا اور اپنے اعمال[44] کے ذریعہ پیش کردہ نظیر کی روشنی میں اس کی تفہیم کی تھی۔ جب جہانگیر نے شیخ فرید بخاری کو حکم دیا تھا کہ چار متقی اور عالم ملاؤں کا تقرر کیا جائے جو مذہبی معاملات میں اس کو مشورہ دیں۔ اس خبر سے شیخ احمد کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے پوشیدہ خطرہ کو فوراً ہی محسوس کر لیا تھا۔ کچھ شرعی نکات پر علماء کے جھگڑوں اور اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث اکبر شریعت کا کم احترام کرتا تھا۔ مجدد کو اندیشہ تھا کہ خود تاریخ شکست اسلام کو دہرا سکتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے شیخ فرید کو لکھا تھا کہ چار کے بجائے صرف ایک لائق شخص کا تقرر ہونا چاہیے ورنہ جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے[45] ضائع ہو جائے گا۔ تصوف (صوفیانہ تجربہ یا براہ راست خدا کے بارے میں معلومات) نے مسلم ملت کے دلوں پر مکمل قبضہ کر لیا تھا۔ اسلام کے توحید پرستانہ ذات واحد ماورائے اوراک خدا کے برخلاف ہمہ اوست خدا کا تصور بدلے میں لایا جا چکا تھا۔ لہٰذا

آزاد خیال اور کشادہ دل صوفیائے کرام میں سے زیادہ تر نے واضح طور پر عام اعلان کر دیا کہ طریقت شریعت سے قدر مختلف ہے طریقت کو حقیقی شے سمجھتے تھے اور شریعت کو اس کا محض سایہ سمجھا جاتا تھا۔ انجام یہ ہوا کہ شریعت سے ناموافقت پیدا ہو گئی بلاواسطہ خدا کا تجربہ حاصل کرنے کے ضمن میں رسول اکرم کا اختیار کردہ مسلک ان کو روحانی رابطے کے لیے نااہل قرار نہیں دیتا تھا۔ لہٰذا مجدد کے مطابق صوفیائے کرام نے تصوف کی قبا کے تحت لوگوں کو شریعت کے راستہ سے گمراہ کر دیا تھا۔ وہ کسی بھی طرح کے مذہبی احکام کی پابندیوں سے اپنی ذات کو تقریباً آزاد تصور کرتے تھے اور اسلام کے صوفیائے کرام میں شیخ احمد پہلے اور عظیم ترین شخص تھے جنہوں نے توحید کے ہمہ اوست کے تخیل کی نمایاں طور سے نہایت جانفشانی کے ساتھ مخالفت کی جس کو وحدت وجود یا توحید وجودی کہا جاتا ہے۔ مجدد نے پرزور طریقہ سے بتایا کہ انسان محض وجدان یا صوفیانہ تجربہ (کشف و شہود) کے ذریعہ خدا کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا۔ فرد کو الہام اور علمائے ظاہر کی تعلیمات کی جانب رجوع کرنا چاہیے یا مستند اسلام کے علمائے دینیات سے استفادہ کیا جائے کیونکہ علما براہ راست الہام سے معرفت الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ مجدد کا پیش کردہ توحید کا تخیل حسب ذیل ہے:

"مقدس وجود الٰہی بذات ہے ہر طرح کی دوسری چیزیں اس کی اپنی مخلوق ہیں۔ خدا اپنی ذات (وجود) اور صفات (خصوصیات) میں واحد ہے اور واقعی ان میں سے کسی صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، خواہ وہ وجودی ہو یا غیر وجودی ہو۔ نہ نام میں اور نہ مشابہت میں"۔[31]

نتیجہ یہ ہے کہ مجدد صاحب مستند اسلام کے علمائے دینیات کے مسلک کے تحت ذات اور صفات الٰہی یا وجود اور خصوصیات ربانی کی بحث کرتے ہیں مجدد سرہندی نے اسلامی تصوف کو یقینی طور پر ایک نئے مسلک پر گامزن کر دیا۔ اور اس کو اس کے مفروضہ حقیقی[32] حلقہ کی جانب واپس لانے کی کوشش کی۔ ہندستان کے مسلم معاشرہ میں شیعہ حضرات نے ایک مستقل اور نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی، نور جہاں ایک ایرانی خاتون کے عہد عروج میں ایرانی اثر ہندستان میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔ مجدد صاحب شیعیت کو بدترین قسم کا رفض سمجھتے تھے اور اس کے پیروؤں کی شدید مذمت کرتے تھے۔ شیعہ حضرات کے بنیادی اصول کی اشاعت

کو روکنے کے لیے انہوں نے شہ بات میں اپنی پوری قوت لگا دی تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ رسول اکرمؐ کے صحابہ کے باہمی تنازعات کو بھول جائیں جس کی وجہ سے اسلام میں تفرقہ پیدا ہو گیا تھا۔ مجدد صاحب نے "رڈ روافض" یا "انکار شیعیت" جس کی وسیع نشر و اشاعت ہندستان اور بیرونی ممالک میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ان مسائل پر خود اپنے مکتوبات میں بھی بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی تھی۔ مجدد صاحب نے شیعہ علماء کے ساتھ مناظرہ میں بھی شرکت کی تھی اور ان کے بنیادی[48] اصولوں کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ مجدد صاحب نے غیر سنیوں کے خلاف عام طور سے اور غیر مسلمانوں کے خلاف خاص طور سے نفرت جاریہ کی تبلیغ کی تھی۔ بیرون حلقۂ اسلام محکم ان کو کسی سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ اور رواداری کو احسان خموشی سمجھتا تھا ایک متقی سنی کی حیثیت سے شیخ سرہندی کا عقیدہ تھا کہ شریعت[49] کی سختی سے پابندی کرنا ہی جنت تک پہنچنے کا واحد زینہ ہے۔ ان کے کہنے کے مطابق نقش بندیہ سلسلہ صوفی طبقہ کی صحیح شکل تھی۔ جو شریعت[50] سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان کے خیال میں دنیا کی محبت اور حصول مسرت آفرین (نجات) دو متضاد چیزیں ہیں۔ لہٰذا نجات حاصل کرنے کی غرض سے دنیاوی وابستگیوں کو ترک کرنا ضروری ہے۔[51]

ایک تجزیہ:

مجدد سرہندی کا تبلیغی مقصد سترہویں صدی کی مسلم ملت کی مذہبی اور سیاسی تاریخ میں وسیع مقام کا حامل ہے۔ مجدد صاحب بلاشبہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے۔ وہ اکبر کے کام کو تباہ و برباد کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کے جانشینوں کو راسخ الاعتقاد اسلام کے نظریات میں اپنا ہم خیال بنالیا۔ ایک جہانگیر کو ایک ہی قلابازی میں اورنگ زیب ہو جانے کے لیے بلاشبہ وقت کی ضرورت تھی۔ جہانگیر کی بڑھتی ہوئی راسخ الاعتقادی مطالعہ کے لیے ایک دلچسپ مظہر فطرت ہے۔ اکبر کا بیٹا اور جانشین بیل کا ذبح کرنا مفاد[52] اسلام تصور کرتا ہے ہندستان میں شیخ سرہندی راسخ الاعتقاد اسلام کی مذہب و سیاست کی اصلاحی تحریک کے بابا

آدم ہیں۔ مسلم امراء کے طبقہ اور اعلیٰ طبقات میں ایک عام نظریاتی تبدیلی پیدا کرنے کی تحسین اور آفریں یقینی طور پر ان ہی کو ملنا چاہیے۔ اعلیٰ طبقہ کی سرایت غیر سنیوں اور غیر مسلموں کی جانب قلبی تبدیلی اور اکبر کے جانشینوں کی حکمت عملی نے عام آدمی کے ادنیٰ طبقہ کو متاثر کیا۔ بایں ہمہ اس نے آنے والی نسلوں کے لیے فرقہ وارانہ نفرت، مذہبی تنگی، تعصب و تشدد کو بطور میراث چھوڑا۔ مجدد صاحب کی تبلیغ کردہ رد عمل کی شدید گرفت اور عدم رواداری کے باعث شیعہ سنیوں کے فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور بعدہٗ ہندو مسلم فسادات اکثر و بیشتر ہوتے تھے۔ تصوف کے میدان میں ان کی کوششوں اور ابتدائی کامیابیوں کو ان کے شایان شان سراہا جائے۔ مجدد صاحب کی پیش کردہ توحید کے تخیل میں کوئی غلطی نہیں تھی۔ زمانہ کا تعظیم کردہ وحدانیت ربانی کا تخیل تھا لیکن انہوں نے قدیم صوفیانہ علم اصطلاحات کو برقرار رکھنے اور پیری مریدی کے نظام کو جاری رکھنے میں غلطی کی۔ اس نے پھر مرید کو پیر کی ذہنی غلامی اور انحطاط میں جتلا پیر مریدوں کو گمراہ کرتے تھے۔ بہر حال تصوف اپنے ہمہ اوست کے ہندوستانی مقرر کردہ راستہ کی جانب واپس چلا گیا۔ مرض لاعلاج ثابت ہوا۔ مجدد صاحب کا بہ بانگ دہل اعلان تھا "پلوطینس اور اس کے لشکر سے منقطع ہو جاؤ اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو۔ آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بغیر رجوع کیے ہوئے مجدد صاحب کے اعلان نے صوفی کے جوش و خروش میں تازیانے کا کام کیا۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

نواں باب

(۱) ایک نہایت مقبول عام روایت ہے: "ہر صدی کے عنقریب خدا اس قوم میں (اسلام میں) ایک شخص پیدا کرے گا، جو مذہب کی تجدید کرے گا" (بحوالہ ابوداؤد الطبرانی الحکیم صباح) ایک دوسری روایت ہے: "ہر آنے والے دور میں کچھ پارسا اور لائق اشخاص ہوں گے، جو اس مذہب کا تحفظ اور حمایت کریں گے۔ جو انتہا پسند اور جاہل لوگوں کی رائج کردہ بدعتوں اور بدعتی لوگوں کے دعویٰ کی تردید کریں گے اور ان سے مذہب کا تحفظ کریں گے"۔ (بحوالہ البیہقی)

(۲) اپنی اپنی صدیوں کے بالترتیب حسب ذیل مجدد تھے، عمر بن عبدالعزیز (۶۱۔۱۰۱ھ) ائمہ اربعہ (چار امام) امام ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) امام مالک (۹۵۔۱۷۹ھ) امام شافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (۱۶۴۔۲۴۱ھ) ابن سریج (وفات ۳۰۶) امام باقیلانی محمد بن طیب (وفات ۴۰۳ھ) یا امام اسفرائینی احمد بن محمد (وفات ۴۰۶ھ) امام غزالی ۴۵۰۔۵۰۵ھ) امام فخر الدین رازی (وفات ۶۰۶ھ) امام ابن تیمیہ ۶۶۱۔۷۲۸ھ) اور ابن دقیق عید محمد بن علی (وفات ۷۰۲ھ) امام بلقینی سراج الدین (وفات ۹۰۵ھ) جلال الدین السیوطی (وفات ۹۱۱ھ) اور دیگر ابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف "تجدید واحیاء دین" سے موازنہ کیجئے۔ یہ ذہن نشین رہے کہ شیخ احمد سرہندی سے پہلے ہندستان میں کوئی مجدد پیدا نہیں ہوا تھا اس ملک میں وہ اسلام کے پہلے مجدد ہیں۔

(۳) مذکورہ تصنیف صفحات ۲۸، ۳۴ موازنہ کیجئے۔ بینی پرشاد نے شیخ احمد سرہندی

پر غلط الزام لگایا ہے کہ انہوں نے مہدی موعود ہونے کا دعوی کیا تھا شیخ سرہندی مجدد تھے مہدی نہیں تھے جن کا ظہور آخری برسوں میں ہوگا (تاریخ جہانگیر نوٹ صفحات ۷۷-۸۳ دیکھئے، مجدد سرہندی نے خود واضح طور پر اعلان کیا تھا کہ کسی مستقبل کی تاریخ میں مہدی موعود کا ظہور ہوگا (زبدۃ المقامات متن صفحات ۱۹۰، ۲۳۸) "حضرت القدس" اردو ترجمہ باب II صفحات ۵۲، ۶، ۷۷، ۷۷، ۱۴۴ "مکتوبات" I نمبر ۳۲ ڈاکٹر بنی پرشاد مزید لکھتے ہیں: "شیخ احمد کی کتاب (یعنی مکتوبات) کے بعد میری تحقیقات فضول ثابت ہوئیں" یہ اندیشہ ہے کہ مغلیہ سیاست پر مجدد کے اثر کا بغیر کوئی حوالہ دیئے ہوئے جہانگیر کی تاریخ مکمل نہیں ہوگی جہانگیر کے مورخ نے شیخ احمد سرہندی کو ذہن نشین رکھا ہے اور حاشیہ کی ایک تشریح میں تذکرہ کیا ہے جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا ہے۔

(۴) "مجدد الف ثانی" کا مفہوم ہے "دوسرے ہزار سالہ میں تجدید کرنے والا" ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے سب سے پہلے اس وصف کو استعمال کیا تھا۔ (وفات ۱۰۶۷ھ) شاہجہاں کے عہد کے نہایت ممتاز عالم اور ہندوستان کے شیخ الاسلام تھے (زبدۃ المقامات متن باب II صفحہ ۱۷۶) ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے لیے ("بادشاہ نامہ" باب I حصہ II صفحات ۳۴۰، ۳۴۱ II حصہ ۷۵۵) معاصر الامراء، ۳ وی شیخ احمد صاحب بذات خود اپنے مجدد الف ثانی ہونے کے وقار کا دعوٰی کرتے ہیں۔ وہ میر محمد نعمان کو مزید لکھتے ہیں: "یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہر صدی کے بعد (زمانہ گزشتہ) میں مجددین تھے لیکن ایک ہزار سال (الف) بعد والا مجدد ایک صدی والے مجدد سے ایک مختلف مقام و مرتبہ رکھتا ہے فرق جو سو اور ہزار میں ہے ان دو قسموں کے مجددین کے معاملہ میں نسبتاً زیادہ صحیح ثابت ہوتا ہے" (مکتوبات باب II نمبر ۴ صفحات ۱۴، ۱۵) شیخ احمد کو امام ربانی کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ یعنی ہزار سال کا قائد یا "پارسا قائد" ربانی کے مختلف مفہوموں کے لیے (اکبر نامہ بیورج باب I صفحات ۱۵۲، ۱۵۳ حاشیہ کی تشریح دیکھئے)

(۵) اپنے ایک خط میں اپنے بیٹے خواجہ محمد صادق (۱۰۰۰......1025) پر وہ زور ڈالتے ہیں) یہ وقت ہے جب کہ گزشتہ زمانہ کی امتوں میں اس جیسے تاریک دور میں مذہب کی تجدید

کی غرض سے حالی وغیور پیغمبر بھیجا جایا کرتا تھا۔ اس امت (یعنی اسلام) میں جو سب سے آخری امت ہے اور جس کا پیغمبر آخری پیغمبر ہے۔ اس امت کے علماء کو بنی اسرائیل (حضرت یعقوب کی عرفیت) کے پیغمبروں کا رتبہ دیا گیا ہے اور علماء کی موجودگی کو ہی کافی سمجھا گیا ہے لہٰذا ہر صدی میں شریعت کا احیاء و تجدید کرنے کی غرض سے اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد کا تقرر کیا جاتا ہے خاص طور سے ایک ہزار سال کے بعد کا عرصہ ایسا وقت ہے کہ اس میں گذشتہ زمانہ میں ایک عظیم پیغمبر کا ظہور ہوا کرتا تھا اسی طرح سے اس وقت ایک عارف الٰہی پارسا روح کی ضرورت ہے جو گزشتہ امتوں کے پیغمبرون کے قائم مقامی کا کام کریں"۔ (مکتوبات باب I نمبر ۲۳۴ صفحہ ۲۵۵)

(۶) مجدد سرہندی کی جانب اشارہ کرنے والی کوئی مخصوص حدیث نہیں ہے لیکن جمیع الدار اور جمیع الجوامع میں بیان کردہ حدیث سے بالواسطہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ "گیارہویں صدی کے شروع میں ایک ہستی پیدا ہوگی اور یہ ایک عظیم نور ہوگا۔ اس کا میرا جیسا ہی نام ہوگا ظالم بادشاہوں میں اس کا ظہور ہوگا۔ اس کی شفاعت سے ہزاروں لوگ جنت میں داخل ہوں گے"۔ رسول مقبول نے فرمایا تھا "میری امت میں ایک شخص جس کو جوڑنے والا کہا جائے گا۔ جس کی شفاعت پر فلاں فلاں حضرات جنت میں داخل ہوں گے یعنی لوگوں کی ایک بڑی تعداد جنت میں جائے گی"۔ موازنہ کیجئے "حضرت القدس باب II ۱۹ "زبدۃ المقامات" متن صفحہ ۱۸۱ "روضۃ القیومیہ" حصہ I صفحات ۳۸،۳۷۔ شیخ احمد کی پیدائش سے پہلے اور بعد کو پیش آنے والے کراماتی واقعات اور اہم پیشین گوئیوں کے لیے "زبدۃ المقامات" متن صفحہ ۱۲۷ موازنہ کیجئے۔ حضرت القدس باب II ۱۹ الف۔

(۷) دہلی کے صوبہ میں اسی نام کی سرکار کا شہر خاص تھا۔ اب پنجاب کے اندر پٹیالہ ریاست میں ہے "آئین اکبری" جیرٹ باب II صفحہ ۲۸۱ تشریح حاشیہ ۲۹۵ دیکھئے۔ شاہی جریدہ XII، ۵۵۲ (سرہند) ۷۶۰ھ میں فیروز شاہی تغلق کے شاہی فرمان سے سامانہ سے سرہند کو علیحدہ کرنے کے بعد اس کو ایک الگ پرگنہ بنادیا گیا تھا۔ (خلاصۃ التواریخ متن صفحات ۳۴،۳۵ دیکھئے)

(۸) ۲۸ پشتوں کے بعد خاندانی شجرہ حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو شیخ احمد فاروقی بھی کہتے ہیں "حضرات القدس باب II صفحات ۶، ۷ دیکھئے۔ شیخ شہاب الدین علی المعروف فرخ شاہ کابلی شیخ احمد صاحب کے پندرھویں جد امجد تھے اور اول الذکر کی بدولت کابلی کہلاتا تھا اس لیے شیخ احمد کو شیخ احمد کابلی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے (زبدۃ المقامات متن صفحات ۸۸، ۸۹ موازنہ کیجئے)

(۹) مکتوبات باب I نمبر ۱۰۰ صفحہ ۱۲۲ اباب II نمبر ۱۵ صفحہ ۲۹

(۱۰) ابو الفضل نے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کا حسب ذیل تذکرہ کیا ہے۔ وہ اپنے بارے میں ابو حنیفہ کے ورثا میں سے ہونے کا دعوی کرتے تھے وہ شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مرید تھے۔ انہوں نے دنیاوی اور روحانی علوم حاصل کیے اور دینیات میں شہرہ آفاق ہو گئے۔ اس کی بہت سی صوفیانہ امثال قلم زد ہیں۔ ہمایوںؔ چند علماء کے ساتھ ان سے ملنے کے لیے ان کے حجرہ میں گیا تھا اور ایک پر زور مناظرہ ہوا تھا۔ ان کا ۹۵۰ھ (۱۵۴۳ء) میں وصال ہو گیا۔ اور گنگوہ میں ان کو دفن کیا گیا تھا۔ "آئین اکبری" جیرٹ III صفحہ ۴۷، ۴، بدایونی (ہیگ) III صفحہ ۵ بھی دیکھئے۔ گنگوہ سہارنپور ضلع میں ایک قصبہ ہے (یوپی) اس میں کچھ پرانا اور کچھ نیا حصہ ہے۔ اول الذکر کو روایتی سوروپر راجہ گنگ نے بنوایا تھا اور آخر الذکر حصہ کو شیخ عبدالقدوس نے بنوایا تھا جنہوں نے مغربی علاقہ کو اپنے ہی نام سے موسوم کیا تھا جہاں اب بھی ان کا مقبرہ موجود ہے اور دیگر مزارات بھی ہیں بحوالہ شاہی جریدہ۔

(۱۱) "آئین اکبری" میں اول درجہ کے علماء میں سے ان کا پانچواں نمبر ہے (بلوچمن I صفحہ ۵۳۸) بدایونی متن III صفحہ ۵۰ ہیگ ترجمہ صفحات ۸۲، ۸۳، ان کی وفات ۹۸۳ھ میں ہوئی۔

(۱۲) "زبدۃ المقامات" متن صفحہ ۹۲ "حضرات القدس" II ۵۴، ۷، ۸ شیخ عبدالاحد کی وفات ۱۰۰۷ھ میں ہوئی۔

(۱۳) "خلافت" تصوف کی اصطلاح میں ایک تصدیق نامہ ہے جس کو پیر نے تسلیم کر لیا کہ مرید نے صوفیانہ سفر مکمل کر لیا ہے اور وہ ارتقاو فروغ کے اس اعلی مرتبہ تک پہنچ گیا

ہے کہ وہ دوسروں کو مسلک پر چلا سکتا ہے۔

(۱۴) "حضرات القدس" II ،۸،۷ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی مجدد صاحب کی سیرت کا مختصر خاکہ دیتے ہوئے کہتے ہیں "ان کو ان سے (اپنے والد) چشتیہ اور سہروردیہ خاندانوں کی خلافت ملی تھی، جو غلط ہے۔(مجدد صاحب کی تصنیف "توحید کا تخیل" صفحہ ٦) دیکھئے۔

(۱۵) خواجہ باقی باللہ کی تفصیلات کے لیے "زبدۃ المقامات" اور "حضرات القدس" (جلد I ۱۰۱۲ھ میں ان کی وفات ہوئی) ان کی تقریباً چالیس سال کی عمر تھی۔

(۱٦) مذکورہ بالا II صفحات ۲۰، ۲۱ "زبدۃ المقامات" "متن صفحات ۱۴۰، ۱۴۱۔

(۱۷) مذکورہ بالا صفحہ ۱۵۳ "حضرات القدس" II صفحہ ۲۵۔

(۱۸) خاص طور سے مکتوبات I نمبر ۲۳، ۲۵، ۳۴، ۴۳، ۵۴، ٦۵، ۷۲، ۸۱، ۱۱۹، ۱۲۱، ۱۹۱، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۸، ۲۰۹، ۲۱۴، ۲۲۸، ۲۳۱، ۲۳۸، II نمبر ۵۴۰ III نمبر ۵۴۔

(۱۹) مذکورہ بالا I نمبر ٦۵ صفحہ ۸۲...... مذکورہ بالا II نمبر ۵۷ صفحہ ۱۳۵ ازمانہ وسطیٰ کا مقبول عام مقولہ تھا۔ "جیسا راجہ ویسا پرجہ" (الناس علی دین ملوکھم) دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم ہے کہ رعایا اپنے بادشاہ کی نقل یا مظہر ہوتی ہے۔ مذکورہ I نمبر ۱۹۵ صفحہ ۱۹۴

(۲۰) "اڑیسہ" افغانیوں کے خلاف جنگ وجدل میں شیخ فرید نے ابتدا ہی میں بذات خود امتیازی حیثیت حاصل کرلی تھی اور اکبر کے عہد میں ۱۵۰۰ کے منصب تک ترقی کرلی تھی۔ اس کا تقرر میر بخشی کے عہدہ پر بھی کردیا گیا تھا اور کچھ عرصہ کے لیے دفتر تان بھی ان کی سپردگی میں رہا تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی پر اس کو میر بخشی کے عہدہ پر سرفراز کیا گیا اور اس کو صاحب السیف والقلم (تلوار اور قلم کے مالک) کا لقب دیا گیا تھا۔ خسرو کی بغاوت کے دوران خدمات انجام دینے کے صلہ میں بطور انعام مرتضیٰ خاں کا رفیع الشان خطاب شیخ فرید کو ملا جہانگیر کے عہدے کے آٹھویں سال اس کے منصب کو بڑھا کر ٦۰۰۰ کردیا گیا۔ (تفصیلات کے لیے ایڈیشن I V صفحات ۱۲۹، ۱۳۵، ۱۸۲ "آئین اکبری" بلوچمن باب I صفحات ۴۱۳، ۴۱٦ "تزک" باب I صفحات ۱۳، ۲۰، ٦۹، ۲۳۹ "اقبال نامہ" متن صفحات ۵۴، ۵۵ خافی خاں باب I صفحہ ۲۴۸ "معاصر الامراء" ایلس وی۔

(۲۱) پاپا جیرک کہتا ہے چنانچہ دوسروں کی طرف سے بطور ان کا نمائندہ بھیجا ہوا نمایاں واہم امیر (شیخ فرید) شہزادہ کے پاس آیا (سلیم) اور ان سب کی طرف سے وعدہ کیا کہ سلطنت اس کے ہاتھوں میں دے دی جائے گی شرط یہ ہے کہ وہ شرع محمدی کا تحفظ کرنے کی قسم کھائے.................(اکبر اور عیسائی مبلغ صفحہ ۲۰۴)

(۲۲) "شیخ فرید بخاری" کے نام خط مکتوبات ا نمبر ۴۷

(۲۳) جہانگیر قلی خاں المعروف لالہ بیگ ہمایوں کے مہتمم کتب خانہ نظام کا بیٹا تھا وہ اکبر کی ملازمت میں داخل تھا جس نے اس کو شہزادہ سلیم کے ملازمین میں رکھوایا تھا۔ جب جہانگیر شہزادہ تھا تو اس کو "باز بہادر" کا خطاب دیا گیا تھا جب سلیم نے اپنے والد کے خلاف بغاوت کی تھی اور الہ آباد پہنچا تھا تو اس نے نظم و نسق کرنے کے لیے اس کو جونپور بھیج دیا تھا۔ تخت نشینی کے وقت جہانگیر اس کے ساتھ لطف و کرم اور فیاض دلی سے پیش آیا تھا۔ اس کا منصب ۴۰۰۰ کر دیا گیا تھا اور اس کو "بہار" کی صوبہ داری دیدی گئی تھی "اقبال نامہ" متن صفحات ۲۴ "تزک" باب I صفحات ۵۱۲، ۵۱۴۔

(۲۴) "مکتوبات" باب I نمبر ۸۱ صفحہ ۱۰۶

(۲۵) جہانگیر اپنے "تذکرہ" میں اس طرح کہتا ہے میں نے میران صدر جہاں کے منصب کو بڑھا کر ۲۰۰۰ سے ۴۰۰۰ کر دیا میں اس کو اپنے بچپن میں جانتا تھا جب میں نے شیخ عبدالنبی کے ساتھ چالیس حکایات پڑھی تھیں۔ ان ابتدائی دنوں سے اب تک میران صدر جہاں نے مستقل وفاداری کے ساتھ کام کیا اور میں اس کو مذہبی معاملات میں اپنا خلیفہ سمجھتا ہوں۔ جب میں شہزادہ تھا، میرے والد محترم کی بیماری سے پہلے اور اس وقت جب وزراء (مملکت کے ستون) اور اعلیٰ امراء نے ہلچل مچادی تھی اور ہر شخص اپنے ذاتی فائدہ کا کچھ نہ کچھ تصور قائم کر چکا تھا اور کسی ایسے کام کا بانی ہو جانا چاہتا تھا جس سے مملکت پر محض تباہی آئے اس نے اپنی خدمت کے انجام دینے میں ناکامی نہیں ظاہر کی اور اس کے خلوص میں کمی نہیں آئی۔ ("تزک" I ۲۲، ۲۳) بعد میں اس کو بڑھا کر ۵۰۰ کا منصب اور ۱۵۰۰ گھوڑے رکھنے کا رتبہ دیا گیا۔ مذکورہ بالا صفحہ ۱۴۰

(۲۶) مکتوبات I نمبر ۱۹۵ صفحہ ۱۹۵

(۲۷) خان جہاں حقیقی طور سے بیرم خاں کے نام سے معروف تھا یہ دولت خاں لودی کا بیٹا تھا۔ اکبر کے عہد کا مشہور جنگ آزمودہ سپاہی تھا۔ اس نے راجہ مان سنگھ، شہزادہ دانیال اور شہزادہ سلیم کے ماتحت رہ کر کامیابی کے ساتھ خدمت انجام دی۔ جہانگیری عہد کے دوسرے سال اس کو ۳۰۰۰ ذات اور ۱۵۰۰ گھوڑے والا منصب دیا اور صلابت خاں کا خطاب دیا گیا اور برخورداری کے امتیاز سے نوازا۔ (فرزندی) اعلیٰ ترین شاہی لطف و کرم کے ساتھ سلوک کیا گیا اور دربار میں اس کا بڑا اثر قائم ہوا ۱۶۰۸ء میں اس کو خان جہاں کا خطاب دیا گیا اور ۵۰۰۰ کا منصب عطا کیا گیا۔ جہانگیری عہد کے بارہویں سال اس کا منصب بڑھا کر ۶۰۰۰ ذات و سوار کر دیا گیا۔ ("تزک" I صفحات ۸۷، ۸۹، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۹، ۱۶۱، ۲۹۶، ۲۹۹، ۳۷۲)

(۲۸) مکتوبات II نمبر ۶۷ صفحہ ۱۳۵

(۲۹) مذکورہ بالا II نمبر ۱۳۹ صفحہ ۱۹۴

(۳۰) "زبدۃ المقامات" صفحات ۳۴۶، ۳۵۴، "حضرات القدس" II صفحات ۳۰۳، ۳۱۰۔

(۳۱) "مکتوبات" I نمبر ۴۵، ۴۷، ۱۹۷

(۳۲) "تزک" باب II ۹۱، ۹۳۔

(۳۳) "انفر" دیکھیے۔

(۳۴) مکتوبات I نمبر ۱۹۲ دیکھیے۔ اس الزام کے جواب میں ایک بار مجدد صاحب نے کہا تھا "جب میں حضرت علیؓ کو جو عظیم اوصاف تھے دوسرے خلفاء پر ترجیح نہیں دیتا ہوں تو میں اپنے کو خود ان سے بڑا کیسے سمجھ سکتا ہوں معرفت (خدا کے بارے میں علم) اس شخص کے لیے ممنوع ہے جو اپنے کو فرنگی سے بہتر سمجھتا ہے ایسی صورت میں مذہب کی (اسلام) عظیم حیثیتوں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے۔ (حضرات القدس) باب II صفحہ ۶۲

(۳۵) مجدد صاحب کے پیر خواجہ باقی باللہ کے نام خط (مکتوبات I نمبر ا دیکھیے)

(۳۶) مجدد صاحب کے خلاف الزامات کی پوری تردید کے لیے "حضرات القدس"

II ۱۶۰،۸۷ اور دیکھئے ("زبدۃ المقامات" متن صفحات ۲۴۹، ۲۵۱ ملاحظہ کیجئے۔

(۳۷) "سفینۃ الاولیاء" متن صفحات ۱۹۷، ۱۹۸، دیکھئے "حضرات القدس" II صفحات ۱۵۶، ۱۵۷ بھی ملاحظہ کیجئے۔

(۳۸) مذکورہ بالا صفحات ۸۹، ۹۰ دیکھئے

(۳۹) "تزک" II صفحہ ۹۳ ملاحظہ کیجئے۔

(۴۰) "حضرات القدس" II صفحات ۹۰، ۱۵۸، ۱۶۵، ۱۷۶ اور دیکھئے۔

(۴۱) "روضۃ القیومیہ" حصہ I صفحات ۱۷۰، ۱۸۶

(۴۲) "نفرا" ملاحظہ کیجئے۔

(۴۳) "مکتوبات" III نمبر ۲، ۵، ۶، ۱۳، ۸۳

(۴۴) مذکورہ بالا نمبر ۱۵

(۴۵) عہد جہانگیری کے چودھویں سال مجدد صاحب کو مقید کیا گیا تھا اور عہد جہانگیری کے پندرھویں سال آزاد کر دیا گیا تھا۔

(۴۶) "تزک" II صفحہ ۱۶۱ "اقبال نامہ" متن صفحہ ۲۷۳

(۴۷) "مکتوبات" III نمبر ۴۳، صفحہ ۷۶

(۴۸) "زبدۃ المقامات" متن صفحہ ۱۵۹ "ایک سفر میں مصنف شیخ کے ساتھ گیا تھا"۔ حضرات القدس" II صفحات ۷۹، ۸۰ بھی دیکھئے مکتوبات III نمبر ۸۳

(۴۹) "تزک" II صفحہ ۲۷۶

(۵۰) "روضۃ القیومیہ" حصہ I صفحات ۱۹۹، ۲۰۹

(۵۱) مکتوبات III نمبر ۷۴

(۵۲) مجدد کی وفات کے واضح تذکرہ کے لیے "حضرات القدس" II صفحات ۱۷۷، ۱۸۱ اور دیکھئے "زبدۃ المقامات" متن صفحات ۲۸۲، ۳۰۰ ملاحظہ کیجئے۔

(۵۳) "زبدۃ المقامات" متن صفحات ۱۳۱، ۱۳۲

(۵۴) مذکورہ بالا صفحہ ۱۳۲، "حضرات القدس" II صفحات ۱۰، ۱۱ اور دیکھئے

(۵۵) شیخ عبدالحق دہلوی کو طلباء ان کی "تاریخ حقی" کے توسط سے اچھی طرح جانتے ہیں وہ فراوانی سے لکھنے والے مضمون خیز مصنف اور اپنے زمانہ کے دینیات کے ممتاز عالم تھے۔ جہانگیر نے اپنی "تزک" میں ان کا تذکرہ نہایت تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے ۱۰۰ سال کی عمر پائی اور دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی کے مقبرے کے پاس ان کو دفن کیا گیا تھا۔ "تاریخ حقی" ایڈیشن VI صفحات ۷۵، ۷۸، ۱۶۶، ۳، ۸۳، ۴، ۹۲، ۴۹۲ "تزک" II III "بادشاہ نامہ" I حصہ II صفحات ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۴ خافی خاں I صفحات ۲۴۰، ۵۵۱ "طبقات اکبری" ترجمہ II صفحہ ۲۹۲ دیکھئے۔

(۵۶) "خزینۃ الاصفیہ" I صفحہ ۶۱۵ "حضرات القدس" II صفحہ ۱۴۲

(۵۷) شیخ نورالحق دہلوی "زبدۃ المقامات" کے مصنف ہیں جو ان کے والد صاحب کی "تاریخ حقی" کا بڑا ایڈیشن ہے جیسا کہ مصنف ہم کو مطلع کرتا ہے کہ یہ اس غرض سے لکھا گیا تھا تاکہ اسلوب بیان بہتر بنا کر اور محذوف امور کی فراہمی کر کے اس کو اچھے محسن و مربی کی قبولیت کے لائق کیا جاسکے۔ ان کے محسن و مربی شیخ فرید بخاری، مرتضیٰ خاں تھے جن سے شادی کے ذریعہ ان کی وابستگی ہو گئی تھی اور ان کے محسن و مربی نے اس کام کو کرنے کی رائے دی تھی (زبدۃ التواریخ ایڈیشن VI صفحہ ۱۸۲ دیکھئے۔ خافی خاں I صفحہ ۵۵۱ مجدد صاحب نے شیخ نورالحق کے سوالات کے جواب میں ان کو ایک بہت طویل خط لکھا تھا "مکتوبات III نمبر ۱۰۰ دیکھئے)

(۵۸) عہد جہانگیری کے چودھویں سال میں کتاب کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا("تزک" II III دیکھئے)

(۵۹) "اخبار الاخیار" مجتبائی پریس دہلی صفحات ۳۱۳ف شیخ عبدالحق کے خط کے لے "روضۃ القیومیہ" حصہ I صفحات ۲۱۱، ۲۱۲ سے بھی موازنہ کیجئے۔

(۶۰) مکتوبات II نمبر ۲۹ مذکورہ بالا I نمبر ۱۱۵ بھی دیکھئے جس میں شیخ عبدالحق کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک مضمون "ہندستان میں صوفی تحریک" "ہندستانی تہذیب ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء جلد II ۱۷، ۲۲ میں ڈاکٹر محمد انعام الحق نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے کہ شیخ احمد صاحب کے تبلیغی

کام کو شیخ عبدالحق دہلوی نے جاری رکھا۔(وفات ۱۶۴۲ء میں ہوئی) بیان گمراہ کن ہے مجدد صاحب کی سجادہ نشینی ان کے تیسرے بیٹے خواجہ محمد معصوم کو ملی تھی(انفرا دیکھیے)

(۶۱) مکتوبات I نمبر ۳۳ صفحہ ۷۴ ملاحظہ کیجیے مذکورہ بالا I نمبر ۷۴ بھی دیکھیے ۱۸۶، ۱۹۳، ۲۶۱۔

(۶۲) مذکورہ بالا I نمبر ۱۸۶

(۶۳) مکتوبات I نمبر ۱۵۸، ۲۸۶۔ II نمبر ۲۳ ملاحظہ کیجیے۔

(۶۴) مذکورہ بالا I نمبر ۵۳ صفحہ ۷۱ دیکھیے۔

(۶۵) مذکورہ بالا I نمبر ۲۶۶ صفحہ ۳۱۱

(۶۶) مذکورہ بالا I نمبر ۳۰، ۳۱، ۳۹، ۹۵، ۲۲۱، ۲۷۲، ۲۹۱، ۲۹۳ II نمبر I، ۳۱، ۴۴ III نمبر ۸۹ دیکھیے۔

(۶۷) مذکورہ بالا I نمبر ۱۲۰، ۲۶۶، II نمبر ۱۵، ۲۷، ۳۶، ۶۷، ۹۶ سے موازنہ کیجیے۔

(۶۸) مذکورہ بالا I نمبر ۵۴، ۸۰، ۱۲۳، ۱۶۵، ۱۹۳ دیکھیے۔

(۶۹) مذکورہ بالا I نمبر ۳۶، ۴۰، ۴۴، ۵۹، ۷۸ دیکھیے۔

(۷۰) مذکورہ بالا I نمبر ۲۱، ۲۷، ۳۷، ۵۸، ۶۶، ۹۰، ۱۳۱، ۲۲۱، ۲۳۷، ۲۴۳، II نمبر ۲۳ ملاحظہ کیجیے۔

(۷۱) مذکورہ بالا I نمبر ۷۲، ۷۳، ۱۱۶، ۱۳۸، ۱۸۹، ۱۹۷، ۲۰۶، ۲۱۵، ۲۳۲ دیکھیے۔

(۷۲) ”تزک“ II صفحہ ۲۲۳ دیکھیے۔ جہانگیر کی بڑھتی ہوئی راسخ الاعتقادی کے لیے مذکورہ بالا I ۷۱، II ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۳۶، ۱۸۱، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۳۴۔

☆☆☆

دسواں باب

مجدّد صاحب کی تبلیغ جاریہ

شاہجہاں کے عہد میں راسخ الاعتقاد اسلام کی تجدید واحیاء:

مجدد صاحب کی وفات کے بعد مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے آغاز کردہ اسلام کے پھر سے شباب آوری کے کام کو ہندستان میں ان کے بیٹوں اور خلفاء نے جاری رکھا۔ ان کے خلفاء ملک کے مختلف حصوں سے وابستہ تھے انہوں نے بھی اپنے دور میں لوگوں کو مرید کر کے اپنے حلقے میں داخل کیا اور خود اپنے خلفاء کی تخلیق کی۔ ہم کو مجددیہ اور نقشبندیہ سلسلہ کے خلفاء کی ایک بہت طویل فہرست دستیاب ہوئی ہے۔ لیکن شاہ جہاں کا شہنشاہِ ہندستان ہونا ہندستان کے راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے حق میں ایک نعمت غیر متوقعہ ثابت ہوا۔ راسخ العقیدہ لوگوں نے نئے شہنشاہ کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ شاہ جہاں مجدد صاحب کے مداحوں کے حلقہ سے وابستہ تھے۔ جب جہانگیر نے مجدد سرہندی کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا تو شاہ جہاں کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ دربار کے آداب کی بجا آوری نہ کرنے کی وجہ سے جو راسخ العقیدہ اسلامی شریعت پر محکم رہنے والوں کے لیے ایک عام بات تھی، مجدد صاحب پر مصیبت نازل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس نے افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کو فقہ پر کچھ کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا اور شیخ احمد سے استدعا کی تھی کہ وہ شہنشاہ کے سامنے سجدہ کرلیں۔ کیونکہ شریعت میں بادشاہوں کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن مجدد صاحب نے تجویز کو رد کر دیا کیونکہ وہ خدا کے سوائے کسی اور کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتے تھے۔ شاہجہاں کی تخت نشینی سے ہندستانی اسلام میں راسخ العقیدہ تحریک

اصلاح کی توقعات وامکانات روشن ہو گئے۔ شاہجہاں کو اپنے زمانہ کا مجدد سمجھا جاتا ہے اور بلاشبہ اس کی ساری زندگی زیرِ سوال حقیقت کی مثال ہے۔ شاہ جہاں نے اسلام کو مصفّٰی کرنے کے لیے اور اس میں شریعت کی مطابقت لانے کے لیے اپنی حتی المقدور کوشش کی تھی۔ اگرچہ مسلم ضمیر وایمان کی خاطر اپنے تخت کو خطرہ میں نہ ڈالنے کے لحاظ سے وہ کافی دانشمند تھا۔ نظم ونسق کا آہنگ تبدیل ہو گیا اور اکبر کے دور کی آزاد خیالی اور فراخدلی یقینی طور پر زوال پذیر ہوئی۔ جہانگیر اور اورنگ زیب کے درمیان متوسط راہ شاہجہاں اختیار کرتا ہے۔ راسخ الاعتقاد لوگ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے، جب تک انہیں تختِ طاؤس پر ہو بہو انہیں جیسا شہنشاہ نہیں مل گیا۔

خواجہ محمد معصوم کی سرگرمیاں:

خواجہ محمد معصوم (۱۰۰۷ھ، ۱۰۷۹ھ) شیخ احمد سرہندی کے تیسرے بیٹے تھے، سب بھائیوں میں وہ سب سے زیادہ ہونہار اور فہیم تھے۔ بچپن سے ہی ان سے عظمت کے علائم ظاہر تھے۔ ۱۰۳۳ھ میں شیخ احمد نے اپنی وفات سے ایک سال پہلے خواجہ محمد معصوم کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ خواجہ معصوم نے اپنے والد کی حکمت عملی کو جاری رکھا، مملکت اور معاشرہ دونوں میں ممتاز لوگوں سے مراسلت کو برقرار رکھا۔ انہوں نے بیرونِ ہند کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔ اورنگ زیب نے اپنی شہزادگی کے زمانہ میں خواجہ محمد معصوم سے رابطہ قائم کیا تھا۔ "روضہ القیومیہ" کے مطابق شہزادہ خواجہ کا مرید ہو گیا تھا۔ قندھار کی مہم سے پیشتر کامیابی کی دعا کرنے کے لیے اورنگ زیب نے خواجہ معصوم کو خط لکھا تھا۔ خواجہ معصوم نے اس کو جوابی تحریر بھیجی تھی کہ مہم مبارک ہے اور یہ بدعتی شیعوں کے خلاف مقدس جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ انہوں نے اس کے واسطے جہادِ اصغر اور جہادِ اکبر کی خوبیوں اور اہمیت کی تشریح کی۔

اپنی تخت نشینی کے بعد اورنگ زیب نے خواجہ محمد معصوم سے استدعا کی تھی کہ اسلامی مراسم کے مطابق اس کو سلوک کی منازل طے کرا دیں۔ گویا وہ صوفیانہ سفر سے گزرنا چاہتا

تھا۔ غالباً خواجہ اپنی ضعیفی اور خرابی صحت کی وجہ سے اورنگ زیب کی استدعا کی تکمیل نہیں کر سکے۔ لہٰذا انہوں نے اورنگ زیب کی روح کو منور[12] کرنے اور اس کو روشن ضمیری بخشنے کے لیے اپنے بیٹے خواجہ محمد سیف الدین(۱۰۴۹ھ-۱۰۹۶ھ) کو بھیجا تھا۔ اس عنایت کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اورنگ زیب نے خواجہ معصوم کو ایک خط لکھا تھا اور خواجہ نے اس کو جواب لکھا تھا: "الحمد للہ۔ کہ اس فقیر حقیر کا بیٹا آپ کی صحبت میں قبول کیا گیا اور اس کا نتیجہ کچھ اچھا ہی ہوا۔ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرنا اور بداعمالی سے بچانا ہی ہمارا کام ہے۔ اس کے لیے آپ نے اپنے شکریہ اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ میں نے اللہ کا شکریہ ادا کیا اور (مستقبل میں) آپ کے حق میں اور بھی زیادہ دعا کروں گا۔ اللہ کی رحمت بھی کیا شے ہے کہ اس قدر شاہانہ شان و شوکت اور کروفر کے ہوتے ہوئے بھی آپ نے حقیقت (صوفیانہ حقیقت) تسلیم کر لی۔ اور (مجھ جیسے) ناچیز شخص کے الفاظ نے کچھ تو تاثیر پیدا کی[13]"۔ اورنگ زیب کی روحانی ترقی کے بارے میں خواجہ سیف الدین اپنے والد صاحب کو پابندی کے ساتھ مطلع کیا کرتے تھے۔ ان کے تاثرات کے مطابق شہنشاہ نے روز بروز نمایاں ترقی کی۔ خواجہ سیف الدین کے خطوط میں سے ایک کے جواب میں خواجہ معصوم صاحب حسب ذیل ہدایت ارسال کرتے ہیں: بادشاہ، محافظ ایمان کے بارے میں تم نے تمام باتیں لکھی ہیں تو تم کو تعلیم تصوف پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے (یعنی اسلامی راسخ الاعتقادی کے اصولوں کی تعلیم پوری طور سے شہنشاہ کو دی جانی چاہیے) بادشاہوں کے طبقہ میں اس رجحان کی موجودگی (یعنی صحیح اسلامی تعلیم کی جانب میلان اور اس کے مطابق ڈھل جانے کی آرزو کرنا) دنیا کے عجائب میں سے ایک[14] ہے"۔ ایک دوسرے مقام پر تزکیہ روح میں اورنگ زیب کی تیز رفتار ترقی کے بارے میں خواجہ سیف الدین خواجہ معصوم کو لکھتے ہیں۔ خواجہ معصوم جواب میں تحریر کرتے ہیں: "تم نے لکھا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اورنگ زیب کے علم معرفت اور تزکیہ روح میں روز افزوں ترقی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب خدا کا محبوب ترین بندہ (اورنگ زیب) دین و دنیا کا سر تاج ہے اور ان کو علم[15] معرفت مکمل طور سے دینے کی ہم کوشش کر رہے ہیں" اورنگ زیب کو مکمل طور سے شریعت کے

مطابق ڈھالنے اور راسخ الاعتقاد اسلام کی موافقت میں اس کے دل کو مکمل طور سے تبدیل کر دینے کی اپنی ذمہ داریوں سے خواجہ معصوم بخوبی واقف تھے۔ اپنے خطوط میں سے ایک میں وہ سیف الدین سے بیان کرتے ہیں: "فقیروں کے طور طریقے کے مطابق یہ درویش تفکر اور عبادت سے آزاد نہیں ہے (سیف الدین کے مقصد تبلیغ میں کامیابی کے لیے اس کے واورنگ زیب) تزکیہ روح اور اس کے اعمال کی شریعت کے ساتھ ظاہری مطابقت دیکھنا اس کی تمنا ہے (اس زمانہ کے) متعدد عظیم مذہبی لوگوں سے جب اس کا موازنہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل (اورنگ زیب) مذہبی جوش و خروش سے لبریز ہے۔ اس کو امید ہے کہ تمہاری رفاقت میں وہ روحانی اعتبار سے وصل الٰہی حاصل کرلے گا جو قرب الٰہی کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔ اس کو یہ آسان معلوم ہوتا ہے (یعنی اورنگ زیب کے لیے اس مقصد کا حاصل کرلینا[17]) علاوہ ازیں اورنگ زیب نے خواجہ معصوم سے باقاعدہ مراسلت برقرار رکھی۔ وہ مسلم دینیات کے اہم نکات کے ضمن میں ان کی جانب رجوع ہوتا تھا اور ان کے مشورہ کی جستجو کیا کرتا تھا۔[18] اورنگ زیب وقتاً فوقتاً خواجہ محمد معصوم اور مجدد سرہندی کے دوسرے بیٹے خواجہ محمد سعید کو خلعت فاخرہ اور تحائف عطا کرنے کا اعزاز بخشا تھا۔ اورنگ زیب کی حکمت عملی سے خواجہ معصوم بالکل مطمئن تھے۔ خود شہنشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے ایک خط میں انہوں نے اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے: (یہ حقیر فقیر) اداب بجالاتا ہے۔ اسلام کی شان و شوکت اور اسلامی اصولوں کے استحکام کے لیے اپنے شکریہ کا اظہار کرتا ہے (جو اورنگ زیب کی حکمت عملی کا نتیجہ ہے) وہ طویل زندگی خوشحالی اور ہمہ گیر کامیابی کی اللہ سے (اورنگ زیب کے لیے) ہمیشہ دعا کرتا ہے کیونکہ زمانہ ماضی میں اس کی اس سے گہری وابستگی اور طویل قریبی تعلقات رہے ہیں۔ فقیروں کے گروہ کے ساتھ عاجزی وانکساری اور نفس کشی کے دور دراز گوشوں میں اپنا وقت گزارتا ہے۔ اور اسی لیے یہ دعا دل کی گہرائی سے نکلتی ہے اور اس کو امید ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اس کی دعائیں قبول ہوں گی۔ اور یہ کہ حکمرانی اور شان و شوکت کا آفتاب عظمت کی افق پر ہمیشہ روشن رہے گا"۔[19]

اورنگ زیب بحیثیت مصلح:

ہندستانی اسلام میں راسخ الاعتقاد اصلاحی تحریک کے میدان میں عمل ہی سے مصلح اسلام کی حیثیت سے اورنگ زیب کے کار منصبی کی مکمل ذہنی تصویر کشی کی جاسکتی ہے۔ مذہبی طور پر سخت محتاط اور مصلح کی حیثیت سے اورنگ زیب کو دفعتاً یا اتفاقیہ حاصل نہیں ہو گئی تھی بلکہ یہ طویل المدت جوابی کارروائی کے رجحانات کا منطقی نتیجہ تھا۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ اورنگ زیب کے ذہن وفکر کے پس منظر میں سرہندی کی نوائے فکر کار فرما تھی۔ جس نے اسے مملکت کی حکمت عملی کی ترغیب دی تھی۔ سنی طبقہ کے علمائے دین نے اس کے احکام اور ہدایت کو منظوری دیدی اور تصدیقی دستخط کر دیے۔ اس کی تمام اخلاقی اصلاحات اور تجدیدی واحتیاطی قوانین وضوابط بنانے کی رغبت کا سبب مملکت اور مسلم ملت کی زندگی کو سختی کے ساتھ شریعت کے دائرہ میں لاتا تھا۔ اورنگ زیب سکون کی موت مرا کہ اس نے اپنی ساری زندگی سچے اسلام کی تبلیغ میں صرف کی۔ لیکن تاریخ اس حقیقت کی شہادت پیش کرتی ہے کہ اسلامی نصب العین وتصورات کو ٹھوس شکل دینے میں اورنگ زیب ناکام رہا۔ اپنی ان تھک کاوشوں کے باوجود اورنگ زیب کو زبردست ناکامی رہی اور ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زمانہ میں لوگ نہ تو اچھے انسان تھے اور نہ اچھے مسلمان۔ وہی واحد اچھا مسلمان تھا۔ لیکن مشترکہ نسلوں، مذہبی عقیدوں اور تہذیبوں کی مملکت کا براحکمراں تھا۔ ایک مجدد کے نقطہ نظر سے اورنگ زیب کی تدبیر علاج عمدہ ہوسکتی تھی بایں ہمہ اس نے مریض کو مار ڈالا۔ اسلام کے ٹھوس جوہر کی سعی حصول میں آخری سانس لینے سے قبل ہی اورنگ زیب نے مسلم سلطنت کو سایہ کی شکل میں تحلیل کر دیا اور آنے والی نسلوں کے لیے تفرقہ اندازی کی تلخی بطور میراث چھوڑی۔ بایں ہمہ اورنگ زیب نے ایک خاص طبقہ کے عوام کے دل جیت لیے جو اس کو عالمگیر زندہ پیر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی اور بعدہٗ:

مجدد الف ثانی کی تبلیغ الاعتقاد و تصورات کے مطابق نصب العینی مسلم مملکت قائم کرنے کی مستند اسلام کی مذہب و سیاست کے ضمن میں اصلاحی تحریک کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ہاتھوں میں لے کر جاری رکھا جو ہندستان میں اسلام کے ایک اور مجدد تھے۔ ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۳ء) بتاریخ ۱۴ شوال، بوقت فجر بمقام دہلی شاہ ولی اللہ کی پیدائش ہوئی۔ ان کا نام عظیم الدین رکھا گیا۔ جس سے ان کی تاریخ پیدائش بھی نکلتی ہے حالانکہ بعد میں وہ ولی اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ (نائب خدا)۔ جب ان کی عمر صرف پانچ سال کی تھی ان کو مدرسہ میں داخل کر دیا گیا۔ ساتویں سال ان کی رسم ختنہ ادا کی گئی اور انہوں نے رمضان شریف کے روزے رکھنا اور روزانہ نمازیں پڑھنا شروع کر دیں۔ اسی سال انہوں نے قران شریف ختم کر لیا اور تب ان کو فارسی کی تعلیم دی گئی۔ انہوں نے دس سال کی عمر میں فارسی زبان پر دسترس حاصل کر لی۔ چودھویں سال ان کی شادی ہو گئی۔ اپنے ہی والد شیخ عبدالرحیمؒ نقشبندیہ سلسلے میں داخل ہو گئے اور اپنا وقت تصوف پر عمل پیرا ہونے میں صرف کیا۔ شاہ ولی اللہ کے والد نے ہی ان کو خلافت عطا کی، جب ان کی عمر سترہ سال کی تھی۔ اس کے بعد ہی ان کے والد کی وفات ہو گئی شاہ ولی اللہ بارہ سال تک اپنے مریدوں کو ہدایت دینے میں مصروف رہے۔ اس کے بعد وہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں سال بھر سے زیادہ قیام کیا اور اس زمانہ میں انہوں نے ۱۱۴۳ھ اور ۱۱۴۴ھ میں دو مرتبہ حج کیا تھوڑے ہی عرصہ بعد وہ ہندستان واپس آئے اور ۱۱۴۵ھ بتاریخ ۱۴ رجب بروز جمعہ دہلی پہنچ گئے انہوں نے اپنی باقی زندگی ہندستان میں گزاری اور اس ملک میں راسخ الاعتقاد اسلام کی تبلیغ میں اپنی ذات کو مصروف رکھا۔ ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۳ء) بتاریخ ۲۹ محرم اس دنیا سے رحلت کر گئے۔ وہ دہلی میں مدفون ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے تاریخ اسلام اور اپنے زمانہ کے ہندستان کے مسلمانوں کے حالات کا تحقیقی تجزیہ کیا۔ انہوں نے واضح طور سے دیکھا کہ بادشاہت کی موافقت میں خلافت کے

ادارہ کا غائب ہو جانا ہی ساری پریشانی کی وجہ ہے۔ صاحب اقتدار شہنشاہ کی اندھی اطاعت کرنے کے لوگ عادی تھے۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے تھے کہ شہنشاہ اس اطاعت کا مستحق بھی ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ مسلم ملت میں اجتہاد کا جذبہ عملی طور سے مر چکا تھا۔ اسلام میں اختلافات اور ابہام جہاں کے تہاں باقی تھے۔ شاہ ولی اللہ نے پیچیدہ مسائل کا صحت بخش حل نکالنے اور مستند اسلام میں متنازعہ اختلافات میں مصالحت کرانے کی کوشش کی۔ انہوں نے رائج الوقت خرابیوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کی اور اسلام کی سطح سے بدعت اور بے اعتنائی کے گرد و غبار کی پرت کو ہٹا دینے کے لیے کوشاں رہے۔ انہوں نے احادیث، دینیات اور تصوف پر متعدد کتابیں لکھیں۔ وہ حدیث اور تفسیر کے ایک مدرسہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے قرآن شریف کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ یہ بذات خود تنگ نظر سخت گیر تعصب کے لیے ایک دلیرانہ للکار ہے۔ شاہ ولی اللہ نے انسان کامل کے اسلامی تخیل کے مطابق مسلمانوں کی زندگی کو ڈھالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کی کوششیں ان کے پیش روؤں کی کوششوں سے زیادہ کامیاب نہ رہیں۔ اگرچہ شاہ ولی اللہ اپنے زمانہ کے مسلم معاشرہ کی تشکیل نو کرنے میں ناکام رہے۔ ان کی تصنیفات آج بھی ملت اسلامیہ کا فرحت بخش اور مفید اثاثہ ہیں۔ سیاسی میدان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی سرگرمیاں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آخری مغلوں کے زمانہ میں مغلیہ سلطنت کا انتشار مکمل ہو گیا تھا۔ دربار میں ہندستانی اور تورانی ٹیموں کے درمیان ایک خطرناک کھیل کی فٹ بال مغلیہ تاج ہو گیا تھا اور شہنشاہ ایک محض مجبور و معزور تماشائی کی حیثیت رکھتا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے زمانہ کی سیاست میں گہری دلچسپی لی اور عظیم سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے نتیجہ نکالا تھا کہ مالی انحطاط اور ادنیٰ جابر و ظالم مطلق العنان حکمرانوں کے ظلم و ستم، سیاسی ہیجان اور بغاوت[25] کے ذمہ دار ہیں۔ انہوں نے حکمرانوں اور طبقہ امراء کی توجہ ان خرابیوں کی جانب مبذول کرائی۔ اور غلطیوں[26] کی تلافی کرنے کی ان کو تلقین کی۔ لیکن مرض لاعلاج معلوم ہوتا تھا شاہ ولی اللہ کے مطابق جب تک سیاسی نزاع کے اہم اجزاء اور خاص طور سے جاٹوں، سکھوں اور مرہٹوں کے خس و خاشاک کی صفائی، سیاسی میدان سے نہیں کی جائے گی مغلیہ شہنشاہ کا سیاسی اقتدار واپس

نہیں لایا جاسکتا۔ شاہ ولی اللہ نے تیموریوں کو اس کام کے لیے نااہل و ناموزوں پایا لہٰذا انہوں نے اپنی امیدوں کو احمد شاہ ابدالی اور روہیلہ سردار نجیب الدولہ سے وابستہ کر دیا۔ وہ ان کو ہندستان میں ہلال فتح کے معیاری علمبرداروں کی حیثیت دیتے تھے۔ ملک کی سیاسی تصویر پیش کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو ایک طویل خط لکھا تھا مسلمانوں کی افسوس ناک زبوں حالی کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے اور ابدالی کو اس کی کامیابی کا یقین دلاتے ہوئے اس کی ذمہ داری سونپی تھی۔ پھر وہ مزید لکھتا ہے: "اس زمانہ میں آپ کے سوائے کوئی اور نہیں۔ (مسلم حکمرانوں میں) جو جنگ و جدل میں دانش مند اور تجربہ کار ہو، سوائے آپ کے کوئی نہیں جس کے پاس قوت و اقتدار ہو جو کفار اور مخالفانہ و مخاصمانہ قوتوں کو کچل دے۔ ہندستان میں فوج کشی کرنا، مرہٹوں کی مملکت کو پاش پاش کرنا اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے چنگل سے آزاد کرنا یقینی طور سے آپ کے لیے ایک لازمی فرض ہے۔ اگر کفر کا غلبہ اسی رفتار سے جاری رہتا ہے (جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں واضح کیا گیا) تو مسلم قوم اسلام ترک کر دے گی اور مسلمان ایسے ہو جائیں گے کہ ان کے لیے اسلام اور غیر اسلام میں امتیاز کرنا ممکن نہیں ہو گا۔ یہ بھی ایک عظیم آفت آسمانی اور بدبختی ہے۔ اس بلائے سماوی کو ٹالنے کا کارنامہ سرانجام دینے کے لیے آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ ہم آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر استدعا کرتے ہیں کہ اس معاملہ کی جانب آپ اپنی توجہ مبذول کیجئے اور جہاد کرنے کی شہرت کمائیے (جہاد فی سبیل اللہ) اور کفار کے ہاتھوں سے مسلمانوں کا تحفظ کیجئے۔ مہم کو نادر شاہ کے حملے سے مشابہ نہیں ہونا چاہیے۔ (۱۷۳۹ء) جس نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر ڈالا اور مرہٹوں اور جاٹوں کو ثابت و سالم چھوڑ دیا۔ مجھے اس دن کا اندیشہ ہے جب اگر مسلمان اور بھی زیادہ کمزور ہو گئے تو اسلام کا نشان نہیں رہے گا" دشمنان اسلام کے خلاف جہاد کرنے کی فضیلت کی مزید وضاحت کر دی اور اس سے غفلت کا رویہ اختیار کرنے کی صورت میں قیامت کے دن ذلت کے انجام کی بھی تشریح کر دی۔

نجیب الدولہ سے شاہ ولی اللہ گہرا رابطہ قائم کیے ہوئے تھے۔ روہیلہ سردار ہر مشکل میں شاہ سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ شاہ ولی اللہ اپنی پیش بینی و دور اندیشی سے یہ کہہ کر اس کی حوصلہ

افزائی کرتے تھے کہ اول الذکر کو اس کے خواب میں (کسی آسمانی پیغام کے ذریعہ) اطلاع دیدی گئی تھی کہ مرہٹوں، جاٹوں اور سکھوں کی قوت آخر میں برباد ہو جائے گی۔ انہوں نے نجیب الدولہ سے کہا کہ وہ ان کو (ابدالی) دشمنوں کے خلاف فوج کشی کرنے کی اطلاع دے تاکہ وہ آخر الذکر (ابدالی) کی خاطر ان کے [14] (دشمنوں) کے خلاف ان کی کامیابی کے لیے بذات خود دعاؤں میں مصروف ہو سکے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے دیگر سیاسی شخصیتوں سے رابطہ قائم کیا اسلام کی [15] مخالف قوتوں کو دبانے کی غرض سے ان کی اپنی حتی المقدور کوشش، قوت اور اثر استعمال کرنے کی ان کو ترغیب دی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے اثرات کی قدر و قیمت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ مغلیہ شہنشاہ احمد شاہ (۱۷۴۸ء-۱۷۵۴ء) اور ملکہ مادر، نواب قدسیہ بیگم، اپنے بیٹے کے عہد حکومت میں ہمہ گیر صاحب اقتدار ہستی شاہ ولی اللہ کے پاس آئیں اور شہنشاہ نے ان کے ساتھ کھانا بھی کھایا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہندستان پر نو مرتبہ حملے کیے تھے اس کے چھٹویں حملے کا نتیجہ مرہٹوں کے خلاف پانی پت کی جنگ تھی (۱۷۶۰ء-۱۷۶۱ء) اس حملے کو یقینی طور پر شاہ ولی اللہ صاحب کی انجام بینی و عاقبت اندیشی تصور کیا جاسکتا ہے۔ بلا شبہ احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کی طاقت کو ضرب کاری لگائی اور زبردست دھچکا پہنچایا اور مرہٹہ رہبروں کا تقریباً دو نسلوں تک صفایا ہی رہا لیکن زوال پذیر اور انحطاط انگیز مغلیہ سلطنت اس سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا سکی۔ دوسری جانب پانی پت کے مقام پر مرہٹوں کی شکست فاش سے جنگ پلاسی کے فاتحین نے ثمرہ پایا۔ برطانوی شہنشاہیت کے بڑھتے ہوئے مدو جزر نے ہندستانی نظام سیاست کے سب ہی متصادم عناصر کو نگل ڈالا۔ اور ہندستان میں مغلیہ اقتدار کو دوبارہ واپس لانا بہت ہی دور کی بات ہو گئی۔ زمانہ جدید میں شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے تقریباً نصف صدی بعد ایک اور راسخ الاعتقاد و رجحانات ولی و پر جوش ہستی سید احمد رائے بریلوی (۱۷۸۶ء-۱۸۳۱ء) کی شخصیت میں ظاہر ہوئی۔ عقیدہ میں سرایت کردہ نقائص اور اسلام کے اختیار کردہ طرز عمل کے عیوب کی اعلانیہ مذمت کرنے کے لیے ۱۸۱۹ء میں سید احمد صاحب نے پیش قدمی کی اور جلد ہی ان کے ارد گرد متعدد مریدوں کا اجتماع ہو گیا۔ جنہوں نے ایک اور مجدد کی حیثیت

سے ان کا استقبال کیا۔ سید احمد صاحب نے پٹنہ اپنا مرکز بنالیا۔ لیکن کلکتہ میں بھی ان کی بڑی تقلید کی گئی۔ مکہ معظمہ سے حج کر کے واپسی پر اور بھی زیادہ پرجوش ہو گئے انہوں نے جہاد کی ضرورت کا اعلان کر دیا کیونکہ وہ ہندستان کو دارالحرب سمجھتے تھے۔ سید احمد نے سکھوں کے خلاف جہاد جاری کر دیا پشاور کے قریب ان سے جنگ کرتے ہوئے ۱۸۳۱ء میں ان کی وفات ہو گئی۔ یہاں ہندستان میں اسلام کے مجددین کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے نئے دور کے آغاز سے مسلم مذہبی نظریہ نسبتاً زیادہ روشن خیال روش اختیار کر لیتا ہے متاخرین مصلحین ایک استدلالی اسلام پر محکم ہو گئے ہیں حالانکہ اب بھی مسلم آبادی کا ایک طبقہ ہے جو قرآن شریف اور شریعت کے سوائے کسی اور طرح کی ہدایت سے انکار کرتا ہے۔

☆☆☆

تشریحات حاشیہ

دسواں باب

(۱) ("زبدۃالمقامات"متن صفحہ ۲۸۱، ۲۸۲۔ "بہارستان"متن I صفحہ ۹۵)

(۲) حضرات القدس II صفحہ ۹۰۔ "روضۃالقیوی" حصہ I صفحات ۱۷۹، ۱۸۰۔

(۳) "عمل صالح" متن I صفحہ ۳۔

(۴) شاہجہاں کی مذہبی حکمت عملی کے لیے سری رام شرما کی تصنیف "مغلیہ شہنشاہوں کی مذہبی حکمت عملی" میں شاہجہاں پر باب دیکھیے۔

(۵) خواجہ محمد معصوم کو "عروۃالوثقیٰ" سے موسوم کیا جاتا ہے جس کا مفہوم مضبوط و محکم گرفت سے لیا جاتا ہے۔ اصطلاح کی اہمیت یہ ہے کہ وہ مومنین کے عقیدہ کا محور تھے۔ "روضۃالقیومیہ" کے مطابق کسی آسمانی خبر کے توسط سے خواجہ معصوم صاحب کو ان کی تبلیغ کے دوسرے سال اس عظیم خطاب کا اعزاز بخشا گیا تھا۔ (حصہ II صفحات ۱۵، ۱۶)

(۶) شیخ احمد کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں مجدد صاحب کی اولاد کی تفصیل کے لیے "زبدۃالمقامات" متن صفحات ۳۰۰، ۳۲۶۔ "حضرات القدس" باب II صفحہ ۱۸۸ اف

(۷) مذکورہ بالا II صفحات ۲۳۵، ۲۳۶۔ "روضۃالقیومیہ" حصہ II صفحات ۶۰، ۷۔

(۸) خاص طور سے مکتوبات معصومیہ کانپور ایڈیشن نمبر ۳۳"۔ ۵۰، ۱۶۴، ۱۷۱، ۲۰۷، ۲۲۴ دیکھیے۔

(۹) مذکورہ بالا امرتسر ایڈیشن بلخ کے حکمراں کے نام مکاتیب نمبر ۱۳۹، ۱۴۵

(۱۰) "روضۃ القیومیہ" حصہ II صفحات ۳۸، ۳۹

(۱۱) "مکتوبات معصومیہ کانپور ایڈیشن نمبر ۶۴ صفحات ۱۱۳، ۱۱۷۔ "روضۃ القیومیہ" حصہ II صفحات ۴۲، ۴۳۔ "جہاد ادب" "ایک سعی یا ایک کاوش" پیغمبر صاحب کی تبلیغ کفار سے مذہبی جنگ کرنا ایک عائد کردہ مذہبی فرض ہے۔ جس کو قرآن شریف اور احادیث کے مطابق ایک مقدس ادارہ کی حیثیت سے مستقل بنیاد پر قائم کیا گیا ہے اور مسلمانوں میں سے شر کو رفع کرنے کے مقصد سے اس کی خصوصی تاکید کی گئی ہے صوفی مصنفین کہتے ہیں کہ جہاد کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ "جہاد اکبر" زیادہ بڑی جنگ جو اپنی نفسانی خواہش کے خلاف کی جاتی ہے۔ اور "جہاد اصغر" زیادہ چھوٹی جنگ جو کفار کے خلاف کی جاتی ہے۔ ("مفس فرہنگ اسلام" صفحہ ۲۴۳۔

(۱۲) خواجہ محمد معصوم صاحب کے پانچویں بیٹے خواجہ سیف الدین صاحب تھے مغلیہ دربار میں شیخ سیف الدین کے استقبال اور ان کے قیام کی تفصیلات کے بارے میں "روضۃ القیومیہ" حصہ II صفحات ۱۴۰، ۱۴۲ دیکھئے۔ اس مستند تصنیف کے مطابق خواجہ سیف الدین نے اپنی باقی زندگی اورنگ زیب کے دربار میں گزاری۔ عہد عالمگیری کے گیارہویں سال شہزادہ اعظم کی شادی میں ایک گواہ کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ (۱۶۶۹ء) "معاصر عالمگیری" سرکار صفحہ ۴۹۔ عہد عالمگیری کے بارہویں سال کے حالات میں یہ تذکرہ ہے "جمعرات کے دن مورخہ ۳ر جون ۱۶۶۹ء (۱۳ر محرم) رات کے ایک پہر کے بعد شہنشاہ "حیات بخش" باغ کے راستہ سے دربان کی رہائش گاہ پر تشریف لائے جو درویش شیخ سیف الدین سرہندی کو رہنے کے لیے دے دیا گیا تھا۔ ایک گھنٹہ درویشوں کے ساتھ مصروف گفتگو رہ کر اور عزت افزائی کر کے وہ اپنے محل واپس چلے گئے"۔ مذکورہ بالا صفحہ ۵۳

(۱۳) ("مکتوبات معصومیہ" امرتسر ایڈیشن نمبر ۲۲۱ صفحہ ۲۶۸۔

(۱۴) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۲۴۲ صفحہ ۲۸۷

(۱۵) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۲۳۲ صفحہ ۲۷۹

(۱۶) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۲۲۰ صفحہ ۲۶۶

(۱۷) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۱۲۲، ۱۲۷۔ اورنگ زیب کے نام تحریر کردہ خطوط۔

(۱۸) "عالمگیر نامہ" متن صفحات ۲۹۳، ۵۹۵

(۱۹) "مکتوبات معصومیہ" امرتسر ایڈیشن نمبر ۶، صفحہ ۲۴

(۲۰) منوسی کے مطابق اورنگ زیب نے اپنی وفات سے قبل کہا تھا "میں خوشی سے مرتا ہوں کیونکہ دنیا کم سے کم کہہ سکے گی کہ میں نے دین محمدی کے دشمنوں کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی" جلد چار صفحہ ۳۹۸

(۲۱) شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے "قائم الزماں" (قائد زماں) اور اپنے دور کے مجدد ہونے کا اعلان کیا ("تفہیمات") بحوالہ تذکرہ شاہ ولی اللہ۔ "الفرقان" بریلی، صفحات ۳۵۴، ۴۱۰، ۴۱۱۔ "شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات" صفحہ ن

(۲۲) شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر الفاروق اسلام کے دوسرے خلیفہ کی اولاد کے پدری سلسلے سے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ ان کی تصنیف ،امداد فی معاصر الاجداد شیخ عبدالرحیم اپنے زمانہ کے مشہور شیخ اور صوفی تھے یہ کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کے عہد میں "فتاویٰ عالمگیری" کی تکمیل میں ایک نمایاں حصہ لیا تھا۔ اورنگ زیب کے عہد میں شاہ ولی اللہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین ایک منصب پر فائز تھے تفصیلات کے لیے۔ "حیات ولی I" (اردو) صفحات ۳۴، ۶۶، ۱۱۳، ۷۱۶ دیکھئے۔

(۲۳) شاہ ولی اللہ نے ایک مختصر خود نوشت سوانح عمری "الجزو لطیف فی ترجمات العبد ضعیف" جس سے مندرجہ بالا تذکرہ ماخوذ ہے۔ "تذکرہ شاہ ولی اللہ" صفحات ۲۲۶، ۴۰۳، ۴۰۶ بھی دیکھئے۔

(۲۴) "اجتہاد" ادب "کاوش" ایک مجتہد یا عالم دین کا شرعی یا دینی سوال پر منطقی نتیجہ نکالا "اجمع" سے مختلف ہے جو ملت کا عام طور سے ایک مجموعی رائے ہے۔ اصول فقہ میں تحقیق کرتے وقت کسی حد تک مستندبات کے حاصل کرنے کا یہ طریقہ احادیث کی رو سے جائز قرار دیا گیا ہے تفصیلات کے لیے ہلمس کی تصنیف "فرہنگ اسلام" ایس وی دیکھئے۔

(۲۵) "حجتہ اللہ البالغہ" باب "سیاست المدینہ" تذکرہ شاہ ولی اللہ صفحہ ۳۴۹ بھی

(۲۶) "سیاسی مکتوبات نمبر ا۔

(۲۷) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۶۔

(۲۸) "نجیب خاں" (۱۷۰۰ء۔۱۷۷۰ء) ان کی شاہی وفادار خدمات کے صلہ میں "نجیب الدولہ" کا اعلیٰ خطاب اور پنج ہزاری منصب مغلیہ شہنشاہ احمد شاہ (۱۷۴۸ء۔۱۷۵۴ء) نے عطا کیا تھا۔ جادو ناتھ سرکار کے مطابق اس زمانہ میں "احمد شاہ ابدالی کے علاوہ کوئی اور نجیب الدولہ کا ہمسر نہیں تھا"۔ ("مغلیہ سلطنت کا زوال باب II صفحہ ۱۵۴۔ نجیب الدولہ مذہبی ذہنیت کا شخص تھا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے بیٹے شاہ عبدالعزیز کے مطابق اس کی صحبت میں نو سو علماء رہتے تھے اور وہ ان کی صلاحیت کے مطابق ان کے اخراجات کی کفالت کیا کرتا تھا (ملفوظات عزیز صفحہ ۸۱) انہوں نے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی تھی جو بعد میں شاہ ولی اللہ صاحب کی سیاسی تحریک کا مرکز ہو گیا۔ نجیب الدولہ شاہ ولی اللہ کے پرستار تھے اور آخر الذکر سے پریشان کن حالات میں مشورہ لیتے تھے۔ پانی پت کی جنگ (۱۷۶۱ء) میں احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کے اول دستہ کے سپہ سالار اعلیٰ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے پانچویں حملہ کے بعد ہندستان سے واپسی کے وقت امیر الامراء کے عہدہ پر اس کا تقرر کیا تھا۔ (سیاسی مکتوبات صفحات ۱۹۹، ۲۰۳ دیکھئے)

(۲۹) خط یا تو ۱۷۵۶ء میں لکھا گیا تھا یا کچھ عرصہ بعد یعنی عالمگیر ثانی کے عہد حکومت میں (۱۷۵۴ء۔۱۷۵۹ء) جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۳۰) سیاسی مکتوبات نمبر ۲

(۳۱) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۳، ۹، موازنہ کیجئے۔

(۳۲) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۱۹، ۲۶

(۳۳) مذکورہ بالا تصنیف نمبر ۱۰۔

☆☆☆

گیارہواں باب

اختتامیہ

مقالہ میں اختتامیہ کا اضافہ کرنا اگرچہ ایک روایتی طریقہ ہے، یہ نہ تو مصنف کے حق میں اچھا ہے اور نہ تاریخی تحقیق کی روح سے مطابقت رکھتا ہے۔ کوئی بھی دو علماء غالباً ایک ہی زمرہ کے حقائق سے ہو بہو ایک ہی نتیجہ نہیں نکالتے ہیں۔ قاری کو بھی رائے قائم کرنے میں غیر جانب دار اور آزاد ہونا چاہیے۔ جس طرح جماعت عدلیہ جج کے جاری کردہ ہدایات سے تشکیل رائے میں آزاد ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کیونکہ ایک روشن دماغ قاری تاریخی شہادت کے قوانین میں اتنا ہی ماہر ہو سکتا ہے جتنا مصنف خود پس بہترین صورت یہ ہے کہ ہم ان صفحات میں اختیار کردہ تحقیق کے نتائج کو بطور خلاصہ پیش کر سکتے ہیں۔ تاریخ کے جرمن مکتب کے برخلاف ہم نے کسی نظریہ سے آغاز نہیں کیا۔ مفروضہ تک قائم نہیں کیا جو ہمیں حقائق میں پہلے سے کسی تصور کردہ نظریہ کے ساتھ موزونیت پیدا کرنے کی جانب راغب کرتا۔ انسانیت کے اوصاف کا سرد مہر سائنسی مطالعہ کرنے میں نہ تو ہم کسی جارحیہ ازم میں یقین رکھتے ہیں اور نہ ہم کو قوم پروری پر اعتماد ہے۔

۱۔ زیر مطالعہ دور میں ہم کو ایسے حقائق مشکل سے ہی ملے، جو اس نظریہ کی توثیق و تصدیق کرتے کہ مسلمانوں نے بذات خود ایک ممیز و مختلف قوم کی تشکیل کی تھی۔ مذہبی یکسانیت، معاشرتی رسوم، خصائل اور ملبوسات سے متاثر ہو کر اگرچہ غیر ملکی لوگوں نے مسلم

قوم کی حیثیت سے ان کا تذکرہ کیا ہے، ہندستان کی مسلم ملت لازمی طور سے ہندستانی لوگوں کا ایک جزء لاینفک تھا بیرون ہندستان کے لوگوں کے بہ نسبت ان میں ہندستان کی دیگر اقوام کی باتیں زیادہ مشترک تھیں۔

۲۔ یہ تذکرہ کرنا دلچسپ ہے کہ مسلمانوں میں کل ہند فرقہ وارانہ حب الوطنی کا کوئی نشان ہی نہیں تھا۔ ان میں علاقائی طبقات کا امتیاز، علاقائی حب الوطنی اور عادات زندگی ویسے ہی تھے، جیسے غیر مسلم اقوام میں تھے۔ جس طرح خود ہمارے زمانہ میں بنگالی، پنجابی، پوربیا اور دکنی ہیں۔

۳۔ مسلمانوں میں شعور نسل اور احساس برتری ایک ممیز اور ٹھوس قومی جمعیت کی تشکیل میں حائل تھا۔

۴۔ بیرون ہندستان کے مسلمانوں کے بیچ میں بھی بے تکلف ہونے کا احساس ہندستانی مسلمانوں کو کبھی نہیں ہوا۔ اور نہ ایک صوبہ کے لوگوں کو دوسرے صوبہ میں ملازمت کرنے پر مجبور کیا گیا خاص طور سے بنگال اور دکن میں۔

۵۔ اگرچہ مسلم معاشرہ نظریہ کے اعتبار سے بغیر ذات پات کا معاشرہ ہے، بایں ہمہ سیاسی، معاشرتی عناصر نے مسلم ملت کی ترتیب میں قطع برید کرکے ذاتوں جیسے ہی سخت گیر طبقات میں منقسم کر دیا، جس طرح امیہ حکمرانوں کے عہد میں عرب لوگ تابعین اور غلاموں کے طبقات میں منقسم ہو گئے تھے۔ ہندستان کے اندر ذات پات کے تعدی نظام سے اسلام قطعی طور سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ یہ ایسا نظام ہے، سپاہی اور پروہت کی مسلمہ برتری کا تحفظ کرتا ہے۔ اونیٰ طبقہ کے ہندستانی نومسلم اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کے مقابلے میں احساس کمتری کو قطعی طور سے مٹا نہیں سکے۔ حالانکہ معاشی اور سیاسی اعتبار سے ان کا نصیب سدھر گیا۔ مسلم ملت کے عناصر ترکیبی کے درمیان خلیج چوڑی اور گہری ہو گئی تھی۔

۶۔ علماء کے دینی شور و غل اور ہنگامہ و ہیجان کے باوجود بادشاہ اور طبقہ امراء نے معاشرہ کے آہنگ کو درست کیا۔ وہ لوگ ثقافت، تہذیب اور شائستگی کے سرچشمۂ حیات تھے۔ ان کے خصائل، تفریحی مشاغل اوصاف اور عیوب عوام الناس میں پھیل گئے۔ اگرچہ حسنات

و برکات پیچھے رہ گئے۔

۷۔ زیر مطالعہ دور اکبر کے عہد کی شفق شام اور رد عمل کے امنڈتے ہوئے بادلوں کی نشاندہی کرتا ہے جس کا آغاز خاص طور سے شیخ احمد سرہندی نے کیا تھا جو مجدد الف ثانی کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کا مقصد مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا تھا۔ انہوں نے مملکت کے توسط سے مسلمانوں کے اخلاقی اور مذہبی انحطاط کو ایک مذہبی وسیاسی تحریک شروع کی تھی۔ انہوں نے اس مغالطہ کے تحت مشقت وکاوش کی تھی کہ "بادشاہ روح ہے" اگر بادشاہ سچے اسلام (اس کے تخیل کے بموجب) کی طرف رجوع کر لیتا ہے تو ہر چیز خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ شہنشاہ، طبقہ امراء اور ساتھ ہی ساتھ عوام الناس کی کثیر تعداد کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع کرنے میں مجدد صاحب یقینی طور پر کامیاب ہوئے۔

عالمگیر شاہی دور دورہ کے بعد حکمراں اور امراء اخلاقی طور سے پست اور تباہ حال ہو گئے تھے۔ ان کو خدا کی پروا کم تھی وہ دولت اور عیش و عشرت کی طرف زیادہ دھیان دیتے تھے۔ عوام بھی اپنی زندگی کی اصلاح کرنے میں زیادہ پرجوش نہیں تھے۔ مذہب کے نام پر فتنہ وفساد سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان میں روحانی رفعت و عظمت کا فقدان تھا۔ فرقہ وارانہ منافرت عود کر آتی تھی۔ اسلام میں اصلاحی تحریک نے سیاسی طور پر منفی اثر ڈالا۔ اکبر کے عہد میں مسلمان اگرچہ مذہبی رسوم سے لاپروا تھے لیکن انسان کے لحاظ سے بہتر تھے۔ برخلاف اس کے مجدد صاحب کی تعلیمات نے ان کو اسلام کا صحیح راستہ دکھایا، لیکن ملک میں ان کی مقبولیت میں کمی واقع ہوئی۔ انہوں نے اکبر کے مسلک رواداری کو پس پشت ڈال دیا۔

۸۔ اپنی ذاتی راسخ الاعتقادی کے باجود شاہ جہاں نے سیاست میں بھی توازن برقرار رکھا جو اورنگ زیب کے عہد میں منتشر ہوا اور اورنگ زیب کے جانشینوں کے کمزور ہاتھوں میں پورے طور پر نیست ونابود ہو گیا۔

۹۔ زیر مطالعہ دور میں ہندستان کی مسلم ملت کی زندگی کا قابل تعریف پہلو یہ ہے کہ ملک کے دیگر طبقات کے ساتھ خوشگوار تعلقات استوار تھے۔ اور سیاسی بحران کی ہیجانی کیفیت میں بھی مسلم ملت کی ہندستانیت میں عملی طور پر فرق نہیں آیا۔ مغلیہ دربار کے

توسط سے قدیم ہندستانی علوم کی سرپرستی ہوئی اور مسلم سرپرستی کے زیر سایہ ہندی ادب سرسبز و شاداب ہوا اور مسلم امدادی اضافوں کے وسیلہ سے مالا مال ہو گیا یہ تذکرہ بھی حیرت انگیز ہے کہ ہندو فارسی زیادہ سیکھتے تھے۔ مسلمان ہندی شاعری کو سنسکرت آمیز بنانے کے لیے بے تاب، آرزو مند نظر آتے تھے۔ خان خاناں عبدالرحیم کے ہندی اسلوب اور شہنشاہ محمد شاہ کے زمانہ کی نور محمد کی تحریر کردہ تصنیف "اندراوتی" کا موازنہ اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے مجموعی طور پر ہندستان کی ثقافتی زندگی میں "لو اور دو" کا صحت بخش اصول بغیر کسی پیش و پس کے جاری رہا، پیدائش اور شادی بیاہ کے موقعوں پر ہندوؤں کی رنگین رسموں کو مسلمانوں نے کھلے دل سے اپنایا۔ اور ہولی اور ہنڈولہ (برسات کے موسم میں جھولنا) جیسے فرحت بخش ہندوانہ تیوہاروں کے انبساط و سرور میں مسلمان بھی برابر شرکت کرتے تھے۔

☆☆☆

کتابیات

N.B. حاشیائی تشریح کا اضافہ صرف انہی کتابوں کا ہے جو اہم تو ہیں لیکن عالم فاضل لوگوں کو ان کا علم کم ہے۔ دیگر کارہائے عامہ کے حوالے تشریحات میں دیدیے گئے ہیں۔ میں یہ بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ اپنے موضوع سے متعلق مسلم مصنفین کی انگریزی اور اردو کی بیشتر کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔ لیکن سب کتابوں کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا کیونکہ ان میں علمیت کی بہ نسبت نشرواشاعت زیادہ ہے۔

(الف) عربی

عون المعبود فی شرح ابوداؤد: از مولوی شمس الحق پٹنوی، ۴ جلدیں، انصاری پریس دہلی ۱۳۲۲ھ

احیائے علوم الدین: از امام غزالی اردو ترجمہ بعنوان "مذاق العارفین" ۴ جلدیں، نول کشور پریس لکھنو ۱۸۹۰ء ۱۸۹۱ء

عجائب الاسفار: ابن بطوطہ I جلد کا اردو ترجمہ از عطاء الرحمٰن اشاعت اول رحمانی پریس دہلی ۱۳۴۸ھ جلد II ترجمہ از مولوی محمد حسین، رحمانی پریس دہلی ۱۳۱۶ھ۔

اصل الشعیہ واصولہا: از شیخ محمد حسین، شیدا، سیریا ۱۹۱۳ء

عزالات الخافا عن خلافت الخلفاء: از شاہ ولی اللہ دہلوی میں خلفائے اسلام کی حیات اور تاریخ کا تذکرہ ہے اور مسلمانوں کی تاریخ بھی بیان کی گئی ہے۔ ان کمزوریوں کی

طرف اشارہ کیا گیا ہے، جن کی وجہ سے ان کا اخلاقی اور سیاسی انحطاط و تنزل ہوا۔ Iحصہ کی متن کے ساتھ اردو ترجمہ از مولانا عبدالشکور لکھنوٴ متن بریلی ۱۲۸۶ھ

دیوان شاہ ولی اللہ دہلوی: تالیف و تدوین کردہ از اسحاق بن عرفان، مسودہ ندوۃ العلماء لکھنوٴ میں موجود ہے۔

فتاویٰ عالمگیری: اورنگ زیب کے احکام سے تالیف و تدوین کردہ، اردو ترجمہ معہ دیباچہ از سید امیر علی اشاعت اول ۴ جلدیں نول کشور پریس لکھنوٴ ۱۸۸۹ء

حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ دہلوی کی اہم ترین تصنیف ہے۔ متعدد اور مختلف موضوعات نہایت صحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ خلیل احمد سنبھلی نے "آیات اللہ کاملہ" کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا ہے۔ کتب خانہ اسلامی لاہور ۱۸۹۷ء

انصاف فی بیان اسباب الاختلاف: از شاہ ولی اللہ دہلوی ایک مختصر رسالہ ہے جو علماء اور اسلامی شریعت کی منظوری بابت اجتہاد تقلید کے سلسلے میں متنازعہ قیاسیات و رائے میں مصالحت کرانے کی غرض سے لکھا گیا تھا۔ متن معہ اردو ترجمہ۔ دبدبہ احمدی لکھنوٴ ۱۳۰۹ھ۔

احقاق الحق: از قاضی نور اللہ شستری، تہران ۱۲۷۳ھ فضل ابن روض بہاں شیرازی کی تصنیف "ابطال الباطل" کی تردید میں قاضی نور اللہ نے اپنی کتاب لکھی تھی۔ شیعہ حضرات کی کتابوں اور "روضۃ القیومی" کے مطابق جہاں گیر نے شیعہ نواز سرگرمیوں کی وجہ سے قاضی نور اللہ کو تیغ زنی کا حکم صادر کیا تھا ۱۰۱۹ھ۔

مشکوٰۃ المصابیح: "الحدیث" کے عنوان سے مولانا فضل الکریم کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ مع شرح و تفسیر ہے اشاعت اول دو جلدیں کلکتہ ۱۹۳۸ء ۱۹۳۹ء۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے "اشاعت الامات" کے عنوان سے اشاعت چہارم چار جلدیں نول کشور پریس لکھنوٴ۔

المودۃ القرباء: اہل البیت کی تعریف میں پیغمبر صاحب کی احادیث کا مجموعہ ہے تالیف و تدوین کردہ از سید علی ہمدانی، انگریزی ترجمہ از مولوی سید احمد علی رضوی، مسلم پریس لکھنوٴ ۱۹۳۷ء۔

الملل والنحل: از عبدالکریم شاہرستانی، مصر تاریخ نہیں ہے

قرآن پاک: عربی متن مع انگریزی ترجمہ و تفسیر از مولوی محمد علی اشاعت دوئم لاہور ۱۹۲۰ء۔

قرآن شریف: جارج سیل، اور لینڈ، ہوجن میں تاریخ نہیں ہے اے ایف باد شاہ حسین نے شیعہ روایات اور اصولوں کے مطابق معہ تفسیر ترجمہ کیا ہے۔ مسلم پریس مدرسۃ الواعظین لکھنؤ (اشاعت جاری) دو جلدیں ۱۹۳۱ء۔

القول الجمیل: از شاہ ولی اللہ دہلوی "تصوف کے آداب واشغال" کے عنوان سے محمد سرور نے اردو ترجمہ کیا۔ رپن پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۴۶ء

رسالہ شاہ ولی اللہ: اسمٰعیل بن عبداللہ آفندی کے خط کے جواب میں یہ رسالہ لکھا تھا۔ آخر الذکر نے یہ دریافت کیا تھا کہ دو مشائخ کے اختیار کردہ بنیادی اصولوں کے درمیان یکسانیت، استحکام واستقامت کو ثابت کیا جاسکتا ہے؟ یعنی شیخ محی الدین ابن العربی نظریہ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور شیخ احمد سرہندی وحدت الشہود کے قائل ہیں۔ دونوں بنیادی اصولوں کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد مصنف یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ بنیادی طور پر دونوں اصول یکساں ہیں (خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے) فیصلہ "وحدت الوجود، الشہود" کے عنوان سے اس کی اشاعت کی گئی تھی۔ احمدی پریس دہلی ۱۳۲۴ھ۔

الصحاح ستہ الشرح: از علامہ عبدالوہاب، رئیس احمد جعفری نے "حکومت الٰہیہ" کے عنوان سے اردو ترجمہ کیا اشاعت اول حیدر آباد دکن ۱۹۴۶ء۔

صحیح مسلم: دو جلدیں نول کشور پریس لکھنؤ ۱۳۱۹ھ

تاریخ التمدن الاسلامی: از جرجی زیدان "تمدن اسلام" کے عنوان سے مولوی محمد حلیم نے اردو ترجمہ کیا مطبعہ روز بازار امرتسر، تاریخ نہیں دی گئی ہے "امیہ اور عباسیہ" کے عنوان سے حصہ IV کا انگریزی ترجمہ ڈی۔ ایس مار گولیو تھ نے کیا۔ لندن ۱۹۰۷ء۔

تنبیہ الافہام: وغیرہ از محمد رفیق مصری۔ اسلام اور معاشرتی اصلاح کے عنوان سے

اردو ترجمہ کیا گیا۔ مطبعہ روز بازار امرتسر تاریخ نہیں دی گئی۔

تاریخ الخلفاء: از جلال الدین سیوطی (۸۸۹ھ۔ ۹۱۱ھ)۔ مطبعہ محمدی پریس لاہور ۱۳۰۴ھ۔

تفہیمات الٰہیہ: از شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مطبعہ علمی مجلس دہلی۔ مسلم ملت کے انحطاط اور مغلیہ سلطنت کے انتشار کے تجزیہ کے ضمن میں تصنیف اہم ہے۔ علاوہ ازیں اس نے ملت کے بادشاہوں، امراء اور عوام کو اپنے اطوار کی اصلاح کرنے کے لیے تجاویز پیش کی ہیں۔

(ب) فارسی (تاریخی کتب)

عمل صالح: از محمد صالح کمبو اشاعت غلام یزدانی دو جلدیں بپٹسٹ مشن پریس کلکتہ (۱۹۲۳ء۔ ۱۹۲۷ء) (کتابیات ہند)

آئین اکبری: از ابو الفضل، تین جلدیں ۱۸۷۲ء ۱۸۷۳ء (کتابیات ہندستان) انگریزی ترجمہ جلد ایک بلوچمن کلکتہ ۱۸۷۳ء بلوچمن کے ترجمہ کی جلد I ڈی سی فلوٹ کلکتہ نے تالیف و تدوین کی ۱۹۲۷ء۔ جلد II اور III تالیف کردہ ایچ ایس جاریٹ نے تالیف و تدوین کی کلکتہ ۱۸۹۱ء۔ ۱۸۹۴ء۔ جاریٹ ترجمہ کی جلد II , III پر نظر ثانی اور تالیف سر جادو ناتھ سرکار نے کی۔ کلکتہ ۱۹۴۸ء۔ ۱۹۴۹ء (کتابیات ہندستان)

اکبر نامہ: از ابو الفضل ۳ جلدیں کلکتہ ۱۸۷۷ء (کتابیات ہندستان) انگریزی ترجمہ از ایچ بیورج تین جلدیں کلکتہ ۱۹۰۷ء۔ ۱۹۱۲ء، کتابیات ہندستان۔

عالمگیر نامہ: از محمد کاظم اشاعت خادم حسین اور عبدالحی کلکتہ ۱۸۶۸ء (کتابیات ہندستان)

بادشاہ نامہ: از عبدالحمید لاہوری، تالیف کردہ کبیر الدین احمد اور عبدالرحیم۔ دو جلدیں کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۶۸ء (کتابیات ہندستان)

بادشاہ نامہ: از محمد وارث مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں مسودہ موجود ہے۔

بہارستان غیبی: از مرزا نتھن، انگریزی ترجمہ از ڈاکٹر ایم۔ آئی بورہ۔ اشاعت اول دو جلدیں گوہاٹی ۱۹۳۶ء

چہار چمن: از چندر بھان برہمن میں دربار کے آداب کا تذکرہ ہے اور شاہ جہاں کے وزراء کا ذکر کیا گیا ہے (عبدالسلام کا جمع کردہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

فتح عبریہ: تاریخ آسام "تاریخ ملک آسام" عجیب و غریب از احمد المعروف شہاب الدین تابش۔ میر جملہ کی سرکردگی میں کچھ، بہار اور آسام کی مہموں کا تذکرہ ہے، اس کی تصنیف ۱۰۷۳ھ میں ہوئی تھی (۱۶۶۳ء) کلکتہ کے بنگال کتب خانہ کی ایشیائی سوسائٹی میں ایک نسخہ سے میں نے استفادہ کیا۔ خلاصہ ترجمہ از بلوچمن JASB میں ۱۸۷۲ء۔ JASB میں سر جادوناتھ سرکار نے اس کے ضروری حصہ کا انگریزی ترجمہ کیا ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۷ء عہد اورنگ زیب کا مطالعہ ابواب XI, XIII۔

ہمایوں نامہ: از گلبدن بیگم متن مع ترجمہ از اے ایس بیورج لندن ۱۹۰۲ء۔

اقبال نامہ جہانگیری: از محمد خاں، تالیف کردہ عبدالحی اور احمد علی، کلکتہ ۱۸۶۵ء (کتابیات ہندستان)

جواہر سم سم: از محمد محسن غالباً ۱۱۵۳ھ (۱۷۴۰ء) میں اس کی تصنیف کی تکمیل ہوئی۔ اس میں نادر شاہ کی ہندستان پر مہم کا تذکرہ ہے اور ساتھ ساتھ اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہندستانی سیاست سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں اور ان امراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جنھوں نے واقعات میں حصہ لیا تھا۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ میں بمقام کلکتہ مسودہ موجود ہے۔

خزائن الفتوح: از حضرت امیر خسرو۔ برطانیہ میوزیم ایڈ ۸۳۸-۱۶۔ "علاء الدین خلجی کی مہمات" کے عنوان سے انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد حبیب نے کیا۔ علی گڑھ

خلاصۃ التواریخ: از سوجن رائے بھنڈاری۔ بٹالوی تالیف کردہ ایم ظفر حسن بی اے جے اینڈ سن پریس دہلی ۱۹۱۸ء

منتخب الالباب: از خافی خاں۔ تالیف کردہ کبیر الدین احمد دو جلدیں کلکتہ ۱۸۶۹ء۔

۱۸۷۴ء(کتابیات ہند)

منتخب التواریخ: از عبدالقادر بدایونی۔ تین جلدیں کلکتہ (کتابیات ہند) انگریزی ترجمہ جلد I۔ از ایس اے رینکنگ ۱۸۹۸ء۔ جلد III ڈبلو۔ ایچ "لو" کلکتہ ۱۹۲۴ء

معاصر عالمگیری: از ساقی مستعد خاں کلکتہ (کتابیات ہند) انگریزی ترجمہ از سر جادوناتھ سرکار کلکتہ ۱۹۴۷ء (کتابیات ہند)

مرآۃ احمدی: از علی محمد خاں۔ انگریزی ترجمہ جیمس برڈ لندن ۱۸۳۵ء

مخزن افغانی: از نعمت اللہ۔ انگریزی ترجمہ "افغانوں کی تاریخ" از برن ہارڈ دو حصے لندن ۱۸۲۹۔۱۸۳۶ء

مرآۃ سکندری: از سکندر گجراتی۔ انگریزی ترجمہ از فضل اللہ۔ لطف اللہ فریدی ایجوکیشنل سوسائٹی پریس دھرم پور تاریخ طباعت نہیں دی گئی۔ بیلی کا کیا ہوا دوسرا ترجمہ بھی ہے جو ایلیٹ اینڈ داؤسن کے ترجمہ سے تقریباً مطابقت رکھتا ہے۔

معاصر رحیمی: تذکرہ محمد عبدالباقی نہاوندی ہے جو عبدالرحیم خان خاناں کا ایک ماتحت کارکن تھا۔ اس تصنیف کو اسی سے منسوب کیا گیا ہے ۱۰۲۵ھ میں تصنیف کیا گیا تھا (۱۶۱۶ء) اس تصنیف میں عہد اکبری کے آخری حصہ اور جہانگیر کے ابتدائی عہد کے سیاسی امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

خاتمہ: اس زمانہ کے علماء، شعراء اور سپہ سالاروں وغیرہ کی سوانحی تشریحات کے لحاظ سے اہم ہے۔ میں نے کلکتہ کی طرف سے بنگال کی ایشیائی سوسائٹی میں کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ دیکھا ہے۔ کتابیات ہند میں بھی اس کو چار جلدوں میں طبع کیا گیا ہے۔ ہدایت حسین نے اس کی تالیف کی تھی۔

مرآۃ العالم: کو محمد بقا نے حسب معمول اپنے محسن بختاور خاں کے نام منسوب کر دیا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں مسودہ کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔

معاصر جہانگیری: خواجہ کامگر غیرت خاں کی تصنیف جہانگیر کی تخت نشینی سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے اہم ہے۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

مفتاح التواریخ: از طامس ولیم بیلی، نول کشور پریس کانپور ۱۸۶۷ء
نسخہ دل خوش: از بھیم سین برہانپوری۔ ظہیر الدین فاروقی بدایونی کا خاندان مسودہ پر قابض ہے۔
ریاض السلاطین: از غلام حسین سلیم۔ تالیف کردہ از عبدالحق عابد۔ کلکتہ ۱۸۹۰ء انگریزی ترجمہ از مولوی عبدالسلام کلکتہ ۱۹۰۲ء۔ ۱۹۰۴ء
سیر المتاخرین: از سید غلام حسین خاں طباطبائی اشاعت دوئم۔ تین جلدیں نول کشور پریس لکھنؤ۔ ریمونڈ کا کیا ہوا انگریزی ترجمہ اشاعت دوئم۔ اشاعت کردہ از آر کیمبرے ۳ جلد
شاہ نامہ منور کلام: از شیوداس لکھنوی۔ فرخ سیر عہد حکومت اور محمد شاہ کے ابتدائی چار برسوں کے متعلق تذکرے بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔
تاریخ فرشتہ: از محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ استر آبادی اشاعت سوئم دو جلدیں۔ نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۵ء لفٹیننٹ کرنل جوہن برگس کا انگریزی میں ترجمہ خاصا اچھا ہے چار جلدیں۔ لندن ۱۸۲۹ء برگس نے "ہندستان کے مشائخ پر باب بغیر ترجمہ کیے ہوئے حذف کر دیا ہے۔
تزک جہانگیری: یا جہانگیر کے سوانحی تذکرے از رد گرس اور بیورج۔ دو جلدیں۔ لندن ۱۹۰۹ء۔ ۱۹۱۴ء اشاعت مکرر دہلی ۱۹۶۹ء۔
طبقات اکبری: از خواجہ نظام الدین احمد۔ انگریزی ترجمہ از بی ڈی ایم اے تین جلدیں کلکتہ ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۲۷ء کتابیات ہند۔
تاریخ الفی: از مولانا احمد وغیرہ لکھنؤ، علی گڑھ، رام پور اور کلکتہ میں مسودہ موجود ہیں۔ مسودہ کی مکمل ترین نقل نواب مرشد آباد کی مقبوضہ نقل ہے۔
تاریخ حقی: از شیخ عبدالحق دہلوی۔ یہ مسلم ہند کی ایک عام تاریخ ہے۔ ایک ہمعصر مصنف کی پیش کردہ کاوش ہے جس نے عہد اکبری کو پیش کیا جس کو مرنے کے بعد پیرد مرشد تصور کیا بدایونی کی پیش کردہ اکبر کے مرقع کی اصلاحی شکل ہے۔ پنجاب کتب خانہ عام

لاہور میں مسودہ موجود ہے۔

تاریخ سندھ: از محمد معصوم۔ انگریزی ترجمہ از کپتان جارج گرینویل میلٹ بمبئی ۱۸۵۵ء۔

تاریخ رشیدی: از مرزا محمد حیدر وغلات وسطی ایشیا کے مغلوں کی ایک تاریخ ہے۔ انگریزی ترجمہ آئی۔ ڈی۔ سن راس نے کیا ہے این ایلیس کی تالیف کردہ ہے۔ لندن ۱۸۹۵ء۔

طبقات ناصری: از منہاج السراج۔ انگریزی ترجمہ از میجر ریوٹی۔ لندن ۱۸۷۳ء۔ اشاعت مکرر نئی دہلی ۱۹۷۰ء

تاریخ فیروز شاہی: از ضیاء الدین برنی۔ تالیف کردہ سید احمد کلکتہ ۱۸۹۱ء (کتابیات ہند)

تاریخ فیروز شاہی: از شمس سراج الفیی۔ تالیف کردہ ولایت حسین کلکتہ (کتابیات ہند)

تجزیات الامصار: از عبداللہ وصاف۔ برطانیہ میوزیم اضافہ ۱۵۷، ۲۳(۱) واضافہ ۶۲۵، ۷،(۲) "وقائع نعمت خاں عالی" نول کشور پریس کانپور ۱۸۸۴ء۔

وقایع عالمگیری: از عاقل خاں رازی۔ تالیف کردہ ظفر حسین متن معہ انگریزی خلاصہ دہلی ۱۹۴۵ء۔ ۱۹۴۶ء

وقایع مہابت جنگ: یااحوال مہابت جنگ از یوسف علی انگریزی ترجمہ از سر جادو ناتھ سرکار اشاعت کردہ ایشیائی سوسائٹی بنگال۔ بعنوان بنگال کے نواب ۱۹۵۲ء۔ اس میں علی وردی خاں بہ لقب مہابت جنگ کی عائد کردہ تباہی و بربادی کا تذکرہ ہے۔ ۱۱۶۱ھ (۱۷۴۸ء) کے واقعات پیش کیے گئے ہیں۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

واقعات اسد بیگ: اسد بیگ ابوالفضل کا ذاتی ملازم تھا۔ اسد بیگ اس سازش کا تذکرہ کرتا ہے جس میں خسرو کی موافقت میں جہانگیر کو تخت سے برطرف کرنے کی سعی کی گئی تھی۔ اکبر کی موت اور جہانگیر کی تخت نشینی کا بھی ذکر ہے۔ ریاستی کتب خانہ رام پور اور مسلم

یونیورسٹی علی گڑھ میں مسودے موجود ہیں۔

زبدۃ التواریخ: از شیخ نورالحق ان کے زمانہ کے مذہبی مباحثوں پر ان کے نظریات نہایت گراں قدر ہیں۔ کتب خانہ عام لکھنؤ میں ایک نہایت عمدہ نمونہ موجود ہے۔

II ۔ تذکرے

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار: ہندستان کے مشائخ پر مشہور و معروف سوانحی تشریحات کا مخزن ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی کی تصنیف ہے۔ ۱۰۲۸ء میں تکمیل ہوئی (۱۹۱۶ء) مجتبائی پریس دہلی نے اشاعت کی۔ خاتمہ میں مصنف کے مورث اعلیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے اس کے خاندان اور ذاتی زندگی کا بھی ذکر ہے۔

اخبار آصفیہ: از عبدالصمد۔ ابوالفضل علامی کے بھتیجے تھے۔ انہوں نے اپنی تصنیف میں نہایت مشہور و معروف درویشوں اور مشائخ کا سوانحی تذکرہ کیا ہے جو ہندستان میں رہتے تھے یا ہندستان کی سیاحت کی تھی۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

عقائد شریفہ: میں سید محمد جونپوری کی تعلیمات شامل ہیں۔ اس کتاب کی سید صاحب کے داماد اور خلیفہ نے تصنیف کیا ہے۔ مولانا شہاب الدین حیدر آبادی کا مسودہ مقبوضہ ہے۔ ۱۲۷۸ھ میں مسودہ کی نقل کی گئی تھی۔

احوال ائمہ اثناء عشرہ: از شیخ عبدالحق دہلوی بارہ ائمہ حضرات کی حیات طیبہ اور اعمال حسنہ کا تذکرہ ہے۔ اس کی تکمیل ۱۰۱۰ھ میں ہوئی (۱۶۰۱ء) خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

انفاس العافین: از شاہ ولی اللہ دہلوی۔ انہوں نے ذاتی اور اپنے مورث اعلیٰ کا تذکرہ کیا ہے۔ مطبع احمدی دہلی ۱۸۹۷ء

بستان المحدثین: از شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع محمدی لاہور۔

دبستان المذاہب: از محسن فانی۔ مشہور و معروف تصنیف ہے۔ مشرق کے مختلف مذاہب اور مذہبی فرقوں کا تذکرہ ہے۔ لیتھو گرافی نول کشور پریس لکھنؤ انگریزی ترجمہ از ڈیوڈ

شی اور اے ٹرائیور۔ تین جلدیں۔ پیرس ۱۸۴۳ء

گلزار ابرار: از محمد غوث ستاری۔ ۹۰۰ھ سے ۱۰۰۰ھ تک کے ہندستانی مشائخ کا ایک قسم کا تذکرہ ہے۔ (سوانحی فرہنگ) مصنف موصوف دکن کے ساکن تھے۔ اکبر کے امراء نے جو دکن کی مہم میں ان کے ساتھ تھے ان سے اس تذکرہ کو تصنیف کرنے کی استدعا کی تھی۔ جہانگیر کے عہد میں اس تصنیف کی تکمیل ہوئی تھی اور اس شہنشاہ کی تعریف شامل ہے (تقطیع ۷۔ باب) مصنف نے دربار اکبری کی مذہبی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس زمانہ کے مشائخ پر ان سرگرمیوں کا رد عمل بھی بیان کیا گیا ہے (دفتر دیوانی حیدر آباد ۵/ ذیقعدہ ۱۱۶۱ھ نظر محمد برہانپوری نے مسودہ کی نقل کی۔

ہفت اقلیم: ایک اہم ترین جغرافیائی۔ سوانحی قاموس ہے۔ ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۴ء) میں تکمیل ہوئی کتابیات ہند ایک حصہ کی اشاعت ہوئی۔ کلکتہ ۱۹۱۸ء۔

حال نامہ: بہزاد انصاری کی خود نوشت سوانح عمری کہی جاتی ہے۔ علی گڑھ کا مسودہ ترتیب کو ۱۰۶۲ھ تک لاتا ہے۔ مصنف علی محمد ابن ابا بکر پیر روش کے مرید تھے ان کے والد جلالہ کی خدمت میں تھے اور ان کے خلیفہ الہ داد خدمت پر مامور تھے اور بعدہٗ جہانگیر کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ انہوں نے شہزادہ خرم کی بغاوت کو فرد کرنے میں مغلیہ شہنشاہ کی مدد کی تھی۔

ہمیشہ بہار: فارسی شعراء کا سوانحی تذکرہ ہے۔ جہانگیر کے عہد سے محمد شاہ کی تخت نشینی تک ہندستان میں ان شعراء کا دور دورہ رہا۔ اکبر کے عہد کے رہنے والے کچھ شعراء کا ذکر ردیف وار کیا گیا ہے ۱۱۳۶ھ (۱۷۲۳ء) کشن چند اخلاص نے اس تصنیف کو مکمل کیا۔ جن کا انتقال احمد شاہ کے عہد میں ہوا مسودہ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں موجود ہے۔

حضرات القدس: از شیخ بدرالدین سرہندی اس تصنیف میں شیخ احمد سرہندی کی زندگی ان کے کرامات وغیرہ اور ان کے مرشد خواجہ باقی باللہ اور دیگر مشائخ کے تذکرے دو جلدوں میں ہیں۔ لیکن دوسری جلد میں پوری طرح سے شیخ احمد سرہندی ان کے بیٹوں اور خلفاء کا تذکرہ ہے۔ مصنف موصوف مجدد صاحب کے ساتھ سترہ سال رہے تھے اور ان کے

مرید و خلیفہ ہو گئے تھے۔ فارسی متن اب نایاب ہے۔ اردو ترجمہ خواجہ احمد حسین نے کیا ہے منصور اسٹیم پریس لاہور سے اس کی اشاعت ہوئی ہے۔

امداد فی معاصر الاجداد: شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیف ہے۔ اپنے مورث اعلیٰ کا مختصر تذکرہ کیا ہے اور اپنے نسلی شجرہ کی اصل کو حضرت عمر فاروقؓ سے سراغ لگا کر وابستہ کیا ہے۔ دیگر رسالوں میں بھی اشاعت کی گئی ہے۔ نہ صفحات کا نمبر شمار ہے اور نہ تاریخ۔

جلال العیون: از ملا محمد باقر مجلسی۔ اس میں بارہ شیعہ ائمہ کی حیات کا تذکرہ ہے۔ "الدما الحاطون" کے عنوان سے عبدالحسین اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ دو جلدیں جعفری پریس لکھنؤ ۱۳۰۱ھ۔ ۱۳۰۲ھ۔

الجزء لطیف فی ترجمہ عبد ضعیف: شاہ ولی اللہ دہلوی کی مختصر خود نوشت سوانح عمری ہے نہ صفحات شمارہ نمبر اور نہ تاریخ۔

کرامات الاولیاء: از نظام الدین احمد بن محمد صالح صادقی حسینی۔ مختصر صوفی مشائخ کی سوانح عمریوں اور کلام مقدسہ کا مخزن ہے۔ صوفی تحریک کے ابتدائی دور سے لے کر مولف کے زمانہ تک ان کے کرامات کا تذکرہ ہے اس کتاب کو ۱۰۶۸ھ (۱۶۵۸ء) میں خصوصی توجہ ان مشائخ کی جانب سے دی گئی، جو ہندستان میں رہتے تھے۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

کلمات الصادقین: نہایت بیش بہا اور نایاب تصنیف ہے ان درویشوں اور مشائخ کے سوانحی تذکرے ہیں جو دہلی، اور اس کے قرب وجوار میں دفن ہیں۔ محمد صادق ہمدانی کی تصنیف ہے۔ مصنف نقشبندیہ سلسلہ سے وابستہ تھا اور خواجہ باقی باللہ اس کے مرشد تھے۔ خواجہ اور شیخ احمد سرہندی کے حالات زندگی کی وجہ سے یہ تصنیف اہم ہے۔ یہ تصنیف بتاریخ ۲۲ر رجب ۱۰۲۳ھ (۱۶۱۴ء) مکمل ہوئی۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ مسودہ پر قابض ہے۔

کلمات الشعراء: از محمد افضل سرکش۔ یہ تصنیف ان شعراء کی سوانح عمریوں پر مشتمل ہے جن کا دور دورہ جہانگیر شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد حکومت میں رہا تھا۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

خزینۃ العاصفیہ :از غلام سرور لاہوری۔دو جلدیں ثمر ہند پریس لکھنؤ ۱۲۹۰ھ۔
مرأۃ الخیال:شاعروں اور شاعرہ خواتین کے سوانحی حالات کا ایک اہم مخزن ہے علاوہ ازیں تاریخی لحاظ سے ترتیب دی گئی ہے۔

علوم مخفیہ طب: نظریہ تخلیق کائنات اور دیگر معاملات پر جامع بحث ہے ۱۱۰۲ھ ۱۶۹۰ء/۱۶۹۱ء) میں شیر خاں ابن علی امجد خاں لودی نے اس کو تصنیف کیا تھا۔ کلکتہ ۱۸۳۱ء

مرأۃ الاسرار:از عبدالرحمٰن چشتی یہ ایک جامع و بیش بہا سوانحی تصنیف ہے، طلوع اسلام سے لے کر نصف ابتدائی نویں صدی تک رہنے والے تمام مشہور درویش۔ غازی حضرات اور عظیم مشائخ کی حیات طیبہ پر مشتمل ہے ۱۰۶۵ھ (۱۶۵۴ء) میں تصنیف مکمل ہوئی۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

مرأۃ مداری:از عبدالرحمٰن چشتی۔ شاہ مدار کی زندگی کا نہایت سنجیدہ تذکرہ ہے جو ہندستان کے مقبول عام درویش تھے۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے سید مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس بھی مسودہ کی ایک عمدہ نقل ہے۔

مرأۃ مسعودی:از عبدالرحمٰن حسینی۔ سالار مسعود غازی کے مرید تھے۔ یہ تصنیف سید سالار مسعود غازی کی سوانح عمری ہے۔ سید سالار کی زندگی پر ملا محمد غزنوی کی کتاب پر اس تصنیف کا انحصار ہے۔ مورخہ ۱۸ار صفر ۱۲۸۰ھ (۴راگست ۱۸۶۳ء) سنیل پرساد قانون گو بلگرامی نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔ سید مسعود حسن رضوی لکھنوی مسودہ پر قابض ہیں۔

مولو و شاہ عبدالرحمٰن: سید محمد جونپوری کے زندگی کے اصلی تحریر کردہ حالات کا تذکرہ ہے۔ یہ مہدوی فرقہ کے بانی تھے۔ اس کو عبدالرحمٰن ابن شاہ نظام نے تصنیف کیا ہے جو سید محمد جونپوری مہدوی کے خلیفہ تھے۔ مولوی نجم الدین حیدر آبادی ایک مہدوی عالم ہیں ان کے پاس مسودہ کی ایک جدید نقل ہے۔

مطلع الولایت:از میاں سید یوسف یہ تصنیف سید محمد جونپوری کی سوانح حیات ہے۔ جب فیضی کو سفیر کی حیثیت سے برھان پور بھیجا گیا تھا۔ تو استدعا پر ۱۰۱۶ھ میں اس کتاب کو تصنیف کیا گیا تھا۔ مولوی نجم الدین حیدر آبادی کے پاس اس تصنیف کا ایک مسودہ موجود

ہے۔

المعیار: از خواندہ میر۔ سید محمد جونپوری کی سوانح عمری ہے ۱۰۹۳ھ میں تصنیف ہوئی۔ رضوی پریس بنگلور۔

معرفت المذاہب: از محمد طاہر غزالی، سنیوں کے تمہیدی اصولوں کا ذکر ہے اور اسلام کے تہتر فرقوں کی فہرست دی گئی ہے۔ بنگال کے ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

مجمع الاولیاء: از علی اکبر حسینی اردستانی ۱۰۴۳ھ (۱۶۳۳ء، ۱۶۳۴ء) میں تکمیل ہوئی اور شاہجہاں سے منسوب کی گئی یہ ایک جامع اور دلچسپ سوانحی تصنیف ہے۔ یہ تصنیف سب مشہور ترین درویش۔ غازی حضرات اور عظیم صوفی مشائخ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ ساتویں باب میں نقشبندیہ اور ترکی مشائخ میں سے نو کا تذکرہ شامل کیا گیا ہے۔ خواجہ یوسف ہمدانی سے لے کر خواجہ معصوم تک کے حالات ہیں جو مجدد الف ثانی کے بیٹے اور جانشین تھے۔ مسودہ الیتھ کی نظر سے گزرا ہے۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ کی ایک نقل نامکمل موجود ہے۔

مناقب الحضرات: از محمد مراد بن حبیب اللہ۔ شیخ احمد سرہندی وان کے بیٹوں اور خلفاء کا تذکرہ ہے جس کو ۱۱۳۹ھ اور ۱۱۴۰ھ کے درمیان (۱۷۲۶ء۔ ۱۷۲۸ء) تصنیف کیا گیا انڈین آفس کتب خانہ لندن میں مسودہ موجود ہے۔

معاصر الامراء: تالیف کردہ از شمس الدین شاہنواز خاں اور صاحبزادہ عبدالحق، ۳ جلدیں کلکتہ (کتابیات ہند)

نکتہ الاسرار: از آدم بن اسماعیل جو شروع میں شیخ خضر ملتانی سے تلمذ رکھتے تھے اور بعد میں شیخ احمد سرہندی کے مرید ہوگئے تھے۔ اس کتاب میں نقشبندیہ سلسلہ کے مطابق تصوف کے بنیادی اصولوں کے مختلف عنوانات پر تصوف کے بلیغانہ نکات حکمت بیان کیے گئے ہیں۔ شیخ احمد سرہندی کی تعلیمات اور بنیادی اصولوں کے مشاہدات پر شامل ہیں۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔

نقلیات میاں عبدالرشید: از عبدالرشید۔ میاں مصطفیٰ کے والد صاحب آٹھ ابواب، ثبوت مہدی اور مہدی میں عدم عقیدہ۔ غیر مہدی کے پیچھے نماز کی ادائیگی، مہدی کے مخالفین کے گھر جانا اور ان کی بحث مباحثہ سننا۔ وعظ مہدی قناعت، نفس کشی، مطالعہ سائنس کی ممانعت، مولانا شہاب الدین حیدر آبادی کی ملکیت میں مسودہ ہے۔

روضۃ القیومی: شیخ احمد سرہندی اور ان کے تین قریبی جانشین کی زندگی اور کرامات پر نہایت مفصل تالیف ہے تالیف کردہ از خواجہ کمال الدین و محمد احسان۔ مصنف چوتھی پشت میں شیخ احمد سرہندی کے سلسلہ نسب سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ محمد شاہ کے عہد حکومت میں کتاب کی تصنیف ہوئی تھی۔ اس کتاب میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے سب کو تسلیم کر لینا بڑا مشکل ہے۔ لیکن جہاں کہیں مصنف معاصرانہ تذکروں سے اقتباسات دیتا ہے کتاب بیش بہا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کی ان وسائل تک رسائی تھی جن کی موجودہ زمانہ میں کمی ہے۔ کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے۔ سول اسٹیم پریس لاہور تاریخ تصنیف نہیں ہے۔

رشہات: از ملا علی بن حسین الواعظ الکشفی۔ عظیم نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ کے سوانح عمریوں کا مجموعہ ہے شیخ عبید اللہ احرار کی ملکیت ہے نول کشور پریس کانپور ۱۹۱۲ء

سفینۃ الاولیاء: از دارا شکوہ۔ شیخ احمد سرہندی کے بارے میں دارا کی رائے نہایت گراں قدر ہے۔ نول کشور پریس کانپور ۱۸۸۴ء

تذکرۃ الامراء: از کیول رام ولد رگھوناتھ داس ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) میں تکمیل ہوئی۔ مسلمان اور ہندو دونوں طبقات کے مختلف حکام اعلیٰ اور امراء کی سوانح عمریوں کا مجموعہ ہے جنہوں نے مغلوں کی خدمات انجام دی تھیں۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ کی ایک نقل موجود ہے۔

تذکرہ مشائخ کشمیر: کشمیر کے ان مسلم مشائخ کی ایک نایاب تصنیف ہے جو ۱۴۰۰ء ۱۶۰۰ء کی مدت میں بحیات تھے۔ مصنف کے بارے میں تفصیلات کی کمی ہے۔ کشمیر میں مطالعہ لوازمات تصوف کے علاوہ زمانہ وسطیٰ کے ہند کی عام طرز زندگی کے متعلق اور مقامی نغمات۔ عوام کے بارے میں خصوصی معلومات کافی فراہم ہوتی ہیں۔ بنگال کی ایشیائی

سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

تبصیرۃ العوام: از سید مرتضیٰ۔ اس تصنیف میں اسلام کے خصوصی حوالہ کے ساتھ دنیا کے مختلف مذہبی عقائد اور طبقات کا تذکرہ ہے۔ سخت شرعی احساس کی تفہیم ہے۔ لیتھو گرافی معہ قصص العلماء۔ تہران ۱۳۰۴ھ۔

تذکرۃ الابرار: عبدالغفور بن ضیاء الدین۔ تصنیف میں خاص طور سے مصنف کے مرشد عبدالوہاب اور ان کے بیٹے عبدالغفار کی زندگی کا تذکرہ ہے۔ مصنف خواجہ باقی باللہ اور شیخ احمد سرہندی کا مرید تھا۔ عبادت خانہ کی متعدد بحثوں میں شیخ عبدالغفار نے شرکت کی تھی۔ ان بحثوں کا تذکرہ مصنف نے دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ اس کو ۱۰۲۵ھ میں تصنیف کیا گیا تھا دفتر دیوانی حیدر آباد میں مسودہ موجود ہے۔

تاریخ اخون درویش: مصنف نسلاً تاجک تھا اور یوسف زئی ملک میں بنہار کے مقام پر خصوصی طور سے رہتا تھا۔ سید علی ترمذی کے زیر نگرانی تعلیم حاصل کی وہ دونوں بایزید انصاری کے مخالف تھے۔ روشنویوں کے ابطال و تردید کا نظریہ سے ۱۰۲۱ھ میں یہ رسالہ موضوع متعلقہ تصنیف کیا گیا تھا اور اس میں ان کے عقائد کی حقیقی ماہیت کو پیش کیا گیا۔ علی گڑھ مسودہ تقطیع ۱۳۱ تا ۱۵۰ میں بایزید کا تذکرہ ہے۔

تاریخ سلیمانی: سید محمد جونپوری کی مفصل تاریخ ہے اور ۱۲۳۲ھ تک مہدویوں کی بھی تاریخ ہے۔ کتب خانہ حیدر آباد میں مسودہ مقبوضہ ہے۔

تذکر مذاہب ہفتاد و سہ گان: از محمد بن عبدالرحمٰن ۱۰۹۴ھ میں تصنیف ہوئی (مورخہ ۲۷ر جمادی الاول) مورخہ ۱۶ر شوال ترجمہ کیا گیا۔ ۲۹ مصنف کے مطابق اسلام میں آٹھ خصوصی فرقے ہیں اور پینسٹھ چھوٹے چھوٹے فرقے ہیں جس کی وجہ سے کل تہتر فرقے ہو جاتے ہیں۔ سید مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس مسودہ مقبوضہ ہے۔ مسودہ عمدگی کے ساتھ لکھا گیا ہے اور نہایت اچھی طرح محفوظ رکھا گیا ہے۔

تذکرہ اولاد حضرت مجدد: از قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مسودہ ہے (سید نور الحسن کا فراہم کردہ)

زبدۃ المقامات: از محمد ہاشم کشمی برہان پوری۔ یہ شیخ احمد سرہندی اور ان کے مرشد خواجہ باقی باللہ کی سوانح عمری ہے۔ احمد سرہندی کے بیٹوں کی استدعا پر مصنف نے یہ تذکرہ لکھا تھا اور کام زیادہ آگے نہیں چل پایا تھا جب کہ درویش کی وفات ہو گئی۔ مصنف شیخ احمد کا مرید تھا اور ان کی خدمت میں مسلسل تقریباً دو سال رہا تھا۔ مصنف نے اس تصنیف کے دو عنوانات منتخب کیے تھے "زبدۃ المقامات" و "برکات الاحمدیہ الباقیہ" تصنیف ۱۰۳۷ھ میں مکمل ہوئی۔ (۱۶۲۷ء) کتاب میں مجدد کے بیٹوں اور خلفاء کا بھی تذکرہ ہے۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ موجود ہے۔ نول کشور پریس کانپور نے اس کی اشاعت کی ہے۔ تاریخ نہیں دی گئی ہے۔ میں نے لیتھوگرافی کا ایڈیشن استعمال کیا ہے۔

III مکتوبات

آداب عالمگیری: سرکاری مکتوبات اور اورنگ زیب سے متعلق مختلف قسم کی دستاویزیں ہیں، جن کو اس کے نام سے اس کے ناظم ابو الفتح قابل خاں نے تحریر کیا تھا۔ صادق مطلبی نے ان کو جمع کیا اور مرتب کیا۔ بنگال کے ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

دستور عمل آغائی: مکتوبات اورنگ زیب ہیں۔ سید مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس مسودہ مقبوضہ ہے۔

گلشن عجائب: سرکاری مکتوبات کا مجموعہ ہے یہ اس خط و کتابت سے متعلق ہے، جو ایک طرف تو فرخ سیر اور محمد شاہ کے مابین ہوئی اور دوسری جانب نظام الملک آصف جاہ اور دیگر امراء کے مابین ہوئی تھی۔ رام سنگھ، آصف جاہ کے ایک منشی نے ان مکتوبات کی تالیف کی تھی۔ بنگال کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

انشاء مادھو رام: ۱۱۲۰ھ میں مادھو رام نے اس کی تالیف کی لطف اللہ ابن سعد اللہ کے

یہ ملازم تھے۔ لیتھو گرانی لکھنؤ ۱۸۸۵ء

انشاء ہر کرن: متن مع انگریزی ترجمہ از فرانسس بلفور کلکتہ ۱۷۸۱ء۔

کلمات طیبات: اورنگ زیب کے مکتوبات اور یادداشت وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ عنایت اللہ اس کے ایک ناظم نے ان کو مرتب کیا اور ۱۷۱۹ء میں تالیف کی۔ بنگال ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

خاص الانشاء یا انشائے خاص الخاص: "عالمگیر نامہ" کے مصنف محمد کاظم کا تیار کردہ مجموعہ ہے۔ مسودہ اور کہیں نہیں ہے یہ سید مسعود حسن رضوی لکھنوی کا مقبوضہ ہے۔ یہ خط شکست میں تحریر ہے اور خط شکست میں تحریر ہونے کی وجہ سے اور کیڑوں کے ذریعہ خراب ہو جانے کے باعث اس کا پڑھنا دشوار ہے۔ صفحات کو موزوں طریقہ سے ترتیب نہیں دیا گیا۔ بایں ہمہ مسودہ مکمل ہے۔ رام غلام نے اس کی کتابت کی تھی۔ ۵ رذیقعدہ ۱۱۶۴ھ (کنوار ۱۸۰۸ء سمیت ۱۷۵۱ء)

اورنگ زیب کے اندرونی حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے مکتوبات اہم ہیں۔

لطائف فیضی یا انشائے فیضی: اس کی تالیف شیخ نور الدین محمد نے کی تھی جو اس کا بھانجہ تھا۔ ریاست کتب خانہ رام پور میں مسودہ موجود ہے ۲۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی: شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات کے عنوان سے متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی اہمیت کے چھبیس مکتوبات کو خلیق احمد نظامی نے شائع کیا۔ ان مکتوبات کو دو جلدوں کے مجموعہ مکتوبات سے منتخب کیا گیا۔ ان جلدوں میں ۳۵۸ مکتوبات ہیں، جن کو شیخ عبدالرحمٰن اور شیخ محمد "عاشق" نے جمع کیا تھا۔

مکتوبات قدسیہ: از عبدالقدوس گنگوہی۔ بدھن بن رکن جونپوری نے جمع کیا اور مرتب کیا۔ مکتوبات میں خاص طور سے تصوف کے بنیادی اصولوں کو بیان کیا گیا ہے۔ لیتھو گرانی دہلی ۱۸۷۰ء۔

منشات ابوالفتح: ابوالفتح جیلانی کے مکتوبات ہیں جو چار باغ کے نام سے مشہور ہیں۔ دربار اکبری کے امراء کے باہمی تعلقات کے ضمن میں مکتوبات نہایت مفید ہیں۔ مسلم

یونیورسٹی علیگڑھ میں مسودہ موجود ہے۔

مکتوبات شیخ عبدالحق دہلوی: "اخبار الاخیار" کے ساتھ مجتبائی پریس دہلی نے اشاعت کی۔ ایک مسودہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ مکتوب الیہ حضرات شیخ فرید بخاری و فیضی اور خان خاناں ہیں۔

مکتوبات شیخ شرف الدین یحییٰ منیری: اشاعت دوئم نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۸ء۔ یہ مجموعہ مکتوبات مسلم عقیدہ صوفی اصطلاحات کے لحاظ سے اہم ہے۔ ہم کو حوالہ ملتا ہے کہ اورنگ زیب نے بذات خود یحییٰ منیری کی تصنیفات کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ امام غزالی وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا تھا۔

مکتوبات خواجہ معصوم: خواجہ محمد معصوم کے مکتوبات کی اشاعت دو مقامات پر ہوئی ۱۸۸۷ء میں نظامی پریس کانپور نے اشاعت کی اور یہ ۲۴۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ دوسری اشاعت حاجی "محمد عشور بخاری" کے جمع کردہ مکتوبات ہیں۔ نور احمد امرتسری کے توسط سے خواجہ سے وابستگی ہو گئی تھی "مکتوبات معصومیہ" کے عنوان سے III جلد روز بازار پریس امرتسر نے اشاعت کی۔ دونوں اشاعتوں کے مکتوبات میں اختلاف ہے۔ در حقیقت جلدI اور جلد II "مکتوبات معصومیہ" کو نظامی پریس نے شائع کیا تھا۔ کیونکہ جب مکتوبات کے اندر کی تحریروں اور تعداد کی ہمعصر تصنیفات کی روشنی میں تصدیق کی جاتی ہے، تو اس کی وضاحت ہو جاتی ہے جلد III بہت ہی نایاب ہے۔ میں نے اس نسخہ سے استفادہ کیا ہے جو مولانا عبدالماجد دریا بادی بارہ بنکی کی ملکیت ہے۔ خدا بخش کتب خانہ پٹنہ میں مسودہ کی نامکمل نقل ہے۔

مکتوبات امام ربانی: یا شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات تین جلدوں میں جلدI میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں۔ ۱۰۲۵ھ میں مولانا یار محمد بدخشی نے ان مکتوبات کی تالیف کی تھی۔ جلدII میں ۹۹ مکتوبات ہیں ۱۰۲۸ھ میں ان مکتوبات کو عبدالحی نے جمع کیا تھا۔ جلد III میں ۱۲۲ مکتوبات ہیں ۱۰۳۱ھ میں "زبدۃ المقامات" نے مصنف محمد ہاشم کشمی برہان پوری نے ان مکتوبات کو جمع کیا تھا ۱۲۸۸ھ میں "رسالہ ردّ روافض" کے ساتھ تینوں جلدوں کی کلی طور سے احمدی پریس

دہلی اور نول کشور پریس لکھنؤ میں لیتھو گرافی ہوئی۔ میں نے لکھنؤ کے ایڈیشن کو استعمال کیا ہے۔ مجدد الف ثانی کے مکتوبات راسخ العقیدہ اسلام کے ہر پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ اکبر اور جہانگیر کے تمام اعلیٰ مراتب کے امراء کے نام مکتوبات لکھے گئے ہیں۔ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ مکتوبات کیر لنہ نجی نہیں تھے بلکہ وسیع طور ان کی مشتہری ہوئی تھی۔ ان مکتوبات کو مجدد گزٹ کی نوعیت دی جاسکتی ہے۔ تین جلدیں۔

رقعات ابوالفضل: نول کشور پریس لکھنؤ ۱۳۲۹ھ

رقعات عالمگیر: نول کشور پریس کانپور ۱۲۸۱ھ، انگریزی ترجمہ از جے ایچ بلیموریا بمبئی ۱۹۰۸ء۔

رقعات عبداللطیف: سرکاری مکتوبات کا مجموعہ ہے، عہد جہانگیر اور شاہجہاں کے ابتدائی عہد حکومت تاریخ کے لحاظ سے یہ مجموعہ رقعات مفید ہے۔ عبداللطیف بن عبداللہ عباسی گجراتی نے تالیف کی (۱۶۳۸ء ۱۶۳۹ء) اس مجموعہ میں اکثریت ایسے خطوط کی ہے، جو لشکر خاں کی خط و کتابت سے وابستہ ہیں جو کابل کا صوبہ دار تھا۔ مصنف نے جس کی ملازمت کچھ عرصہ تک کی تھی۔ متعدد مکتوبات کی مراسلت خان خاناں عبدالرحیم سے ہوئی۔ آصف خاں مہابت خاں ہاشم خاں وغیرہ کو مکتوبات ارسال کیے گئے تھے، مسودہ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں موجود ہے۔

رقائم کرائم: امیر خاں سندھی (مورخہ ۱۷۱۹ء) ایک محبوب درباری کی جانب ارسال کردہ اورنگ زیب کے نجی مکتوبات کا مجموعہ ہے (مورخہ ۱۷۱۹ء) آخرالذکر کی موت کے بعد اس کے بیٹے اشرف خاں میر محمد حسین نے ان کو مرتب کیا۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

رمز و اشارہ عالمگیری: اورنگ زیب کے مکتوبات کا ایک مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ کے زیادہ تر مکتوبات شہزادہ عالیجاہ اور عنایت اللہ خاں کو لکھے گئے تھے ۱۶۶۹ء میں راجہ آیا لَل کے احکام کے بموجب سدھ مل نے اس مجموعہ کو مرتب کیا تھا۔ ان کا تخلص رام تھا۔ سید مسعود حسن رضوی لکھنوی کے پاس موجود ہے۔

رقعہ جات عالمگیری: یااورنگ زیب کے مکتوبات سید حسن رضوی کے پاس مسودہ مقبوضہ ہے۔ یہ مسودہ شروع و آخر دونوں مقامات پر ناقص ہے۔ اس زمانہ کے مسلم معاشرتی زندگی کے مطالعہ کے لحاظ سے یہ مکتوبات اہم ہیں۔ کچھ مکتوبات "رقعات عالمگیری" اور "رمز واشارہ عالمگیری" میں مشترکہ ہیں۔

IV متفرقات

احکام عالمگیری: یااورنگ زیب کی تاریخی روایات از حمید الدین خاں۔ فارسی متن مع انگریزی ترجمہ از سر جادو ناتھ سرکار کلکتہ ۱۹۱۲ء

اخلاق جلالی: از ملا جلال الدین۔ دسویں اشاعت نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۱ء

برہان قاطع: از محمد حسین برہان۔ تیسری اشاعت دو جلدیں نول کشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۸ء

دیوان ہاشم: ہاشم بن محمد قاسم کی نظمیں ہیں ان کا تخلص ہاشم تھا۔ نقشبندیہ سلسلہ کی ہندستانی شاخ سے وابستہ تھے۔ سترہویں صدی کے وسط میں طوطی بول رہا تھا ۲۸، نمبر کی تقطیع پر شیخ احمد سرہندی کی تعریف میں ایک مثنوی ہے، بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

فوائد فیروز شاہی: ایک دلچسپ مذہبی قاموس ہے۔ ہر ممکن حالات میں مسلم کے واسطے طریقہ عمل کی غرض سے تمام قسم کے عقائد مشاہدات وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہے۔ دینی قدروقیمت کے علاوہ چودھویں صدی کے ہندستان میں عوامی گیت اور زمانہ وسطی مسلم ملت کی زندگی کے بارے میں بڑی دلچسپ معلومات کا انکشاف کتاب سے ہو جاتا ہے۔ مصنف شرف الدین محمد نے اس کو فیروز شاہ تغلق سے منسوب کردیا ہے۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

گنج سعادت: از معین الدین۔ انتساب اورنگ زیب سے کیا گیا ہے۔ نقشبندیہ سلسلہ کی روایات کے مطابق تصوف کی معتدل شکل کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ بنگال ایشیائی سوسائٹی کے

کتب خانہ کلکتہ میں موجود ہے۔

حلیۃ المتقین: ہر فرمانبردار شیعہ جوائمہ کی مثال کی پیروی کا خواہش مند ہے، اس کے واسطے رسومات و عملیات پر نہایت مشہور و معروف تصنیف ہے۔ اس کے مصنف محمد باقر بن محمد تقی مجلسی ہیں (مورخہ ۱۶۹۸ء۔ ۱۷۰۰ء) تصنیف ۱۰۷۹ھ (۱۶۶۹ء) کے اختتام پر مکمل ہوئی اور متعدد بار ایران میں لیتھوگرافی کی گئی۔

حدیقۃ الشیعہ: از احمد بن محمد اردابلی۔ خلافت اور امامت پر ایک شیعہ رسالہ ہے ۱۸۴۹ء میں تہران میں لیتھوگرافی ہوئی۔

ہشت بہشتی: از امیر خسرو۔ علی گڑھ ۱۹۱۸ء۔

اعجاز خسروی: از امیر خسرو، پانچ حصے لکھنؤ ۱۸۷۵ء۔ ۱۸۷۶ء

کنزالہدایت: از محمد باقر بن شرف الدین لاہوری عباسی، حسینی مکتوبات اور رسالوں "المبدی والمعاد" از مجدد الف ثانی سرہندی کی بنیاد پر استوار ہے۔ ہندستانی نقشبندی الحقائق کے عقائد کے مطابق تصوف کے بنیادی مخصوص نکات پر ایک رسالہ ہے بنگال ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

خیر البیان: از میاں بایزید انصاری "دبستان المذاہب" کے مطابق اس کو چار زبانوں میں تصنیف کیا گیا تھا۔ عربی، فارسی، ہندی اور پشتو۔ رام پور ریاست کے کتب خانہ میں ایرانی ترجمہ کا مسودہ موجود ہے۔ "جدید ہندستانی آثار قدیمہ" میں موجینسٹیر نے پشتو کا مسودہ دیکھا جلد II، ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۰ء

کشف المحجوب: از علی بن عثمان الجلابی الجویری۔ ہندستان میں تحریر کردہ قدیم ترین تصور پر رسالہ ہے۔ انگریزی ترجمہ رینلڈ اے نکلسن نے کیا۔ لندن ۱۹۱۱ء

مظہر الاعجاز: تاریخی روایات کا نصیحت آمیز حکایتی مجموعہ ہے اور شدید شیعت کے احساس کے امتزاج کے ساتھ خصوصی مذہبی رجحان کا ترجمان ہے۔ سترھویں صدی کے نصف ثانی کے دوران ایران اور ہندستان کی حقیقی زندگی سے ان روایات و حکایات کو ماخوذ کیا گیا ہے۔ اس تصنیف کے مصنف مہدی نے واصف تخلص کے ساتھ اپنے ذاتی تجربہ سے

متعدد واقعات بیان کیے ہیں ۱۶۷۹ء اور ۱۶۸۶ء کے قریب ایران اور ہندستان کی زندگی کے حالات بیان کرنے میں ہی ان تاریخی حقایات کی قدر و قیمت ہے۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

مبدی و معاد: از شیخ احمد سرہندی عقیدہ معاد کے مسلک پر تصنیف کی گئی ہے ۱۸۹۱ء کانپور میں لیتھو گرافی ہوئی۔

مجالس میاں مصطفیٰ: مرزا عزیز کوکا اور اکبر کی موجودگی میں منعقد کردہ پانچ مباحث کا مجموعہ ہے۔ ان میں درباری علماء حاجی ابراہیم سرہندی اور شیخ عبدالنبی نے شرکت کی تھی۔ مسودہ مولانا شہاب الدین حیدر آبادی کی ملکیت ہے کافی ابتدائی تاریخ کا مسودہ جے پور کے میاں خیر الدین وکیل کے پاس جمع کردہ نسخوں میں ہے۔

مطلع الانوار: از امیر خسرو لکھنؤ ۱۸۸۴ء

منصب امامت: از شاہ اسماعیل (مورخہ ۱۸۳۱ء) سید احمد رائے بریلوی کے دست راست یہ فقیہ پر ایک کتاب ہے مطبع فاروقی دہلی۔ تاریخ نہیں ہے

نجات الراشد: از عبدالقادر بدایونی۔ بیرون ہندستان مہدوی تحریک سے متعلق اظہار خیال ہے آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد میں مسودہ موجود ہے

قران السعدین: از امیر خسرو لکھنؤ ۱۸۴۵ء

قانون اسلام: از جعفر شریف ترجمہ از جی اے ہر کلوٹس تالیف کردہ ولیم کرک لندن۔ طباعت ثانیہ نئی دہلی ۱۹۷۲ء

رسالہ در تصوف: از علی اکبر مودودی۔ مجدد شاخ نقشبندیوں کی تعلیمات پر جزوی تنقید ہے۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں مسودہ موجود ہے۔

روضۃ الصفا: از میر خند۔ انگریزی ترجمہ از آئی ریہٹک تالیف کردہ۔ الیف۔ الیف اربتھ تین جلدیں (ہر جلد دو حصوں پر مشتمل ہے) لندن (۱۸۹۳ء۔ ۱۸۹۴ء)

رسالہ انفاس نفسیہ: خواجہ باقی باللہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، مجتبائی پریس دہلی ۱۳۱۲ھ۔

تحفہ اثنا عشریہ: از شاہ عبدالعزیز دہلوی ۱۲۳۹ھ۔ ابطال شیعیت کے ضمن میں یہ ایک کتاب ہے۔ دہلی ۱۲۷۱ھ

توصل المرید علی المراد: از شیخ عبدالحق دہلوی۔ یہ نقشبندیہ سلسلہ پر ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس سلسلہ کے روشن ضمیری میں تمام سلسلوں سے افضل ہونا بتایا ہے۔ مفید عام پریس آگرہ، تاریخ نہیں ہے۔

وصیت عالمگیر: یا آخری تمنا سودہ نمبر ۶۸۔ نسخہ جات قدیمہ جمع کردہ کتب خانہ ناصریہ۔ کجوا، لکھنؤ

ضرب الاقدام: از شیخ عبدالحق دہلوی۔ اس تصنیف میں قادریہ، صوفیاء کرام میں عبادت کی غیر راسخ الاعتقاد، اشکال پر بحث و مباحثہ کیا گیا ہے۔ ہندستان میں اس زمانہ کے تصوف کی حالت سے متعلق متعدد دلچسپ تلمیحات اور ساتھ ہی ساتھ مختلف ممتاز مشائخ کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کے کتب خانہ کلکتہ میں سودہ موجود ہے۔

(ج) یورپین سیاح اور یسوعی تذکرے

برنیر فرنیکوائز: سلطنت مغلیہ میں سیاحت ۱۶۵۶ء۔ ۱۸۵۸ء، آرچی بالڈ کا نیبل اشاعت دوئم ۱۹۱۶ء

بمل رچرڈ کیمپل جوہن: مشرقی مجمع الجزائر ایران اور فلسطین میں سیاحت (۱۶۵۴ء۔ ۱۶۷۰ء) اشاعت کردہ از آر سی ٹیمپل ہندستانی آثار قدیمہ ۱۹۰۶ء جلد XXXV، ۱۳۱، ۱۴۲، ۱۶۸، ۱۷۸، ۲۰۳، ۲۱۰، ۱۹۰۷ء۔ جلد XXXVI، ۹۸، ۱۰۵، ۱۲۵، ۱۳۴، ۱۷۳، ۱۷۹، ۱۹۰۸ء جلد XXXVII، ۱۵۶، ۱۷۰

کیر یری ڈاکٹر جوہن فرانسس جیملی: دنیا کے اردگرد بحری سفر چھ حصے۔ حصہ III میں ہندستان کا تذکرہ ہے۔

ایک مجموعہ بحری و بری سیاحت: چار جلدیں۔ لندن ۱۷۰۴ء ہندستانی سلسلہ

مخطوطات کے ضمن میں اس کی اشاعت ثانیہ کی گئی۔

کوریات ماسٹر ٹامس: "ناشائستگیاں" تین جلدیں ۱۶۱۱ء کے ایڈیشن سے اشاعت ثانیہ کی گئی۔ لندن ۱۷۷۶ء۔

کارلیوں ایڈورڈ: دور ترین ہندستان تالیف کردہ از سڈنی سی۔ کرایر، ولیم، بلیک ووڈ اینڈ سنس ایڈ نمبر ۱، اور لندن ۱۸۹۴ء اس نے اپنی تصنیف ۱۶۹۷ء میں لکھی تھی۔

ڈی لیٹ جو ہن: "مغل اعظم کی سلطنت: ترجمہ جے ایس ہولی ووڈ۔ اور تالیف کردہ از ایس این سنر جی، بمبئی ۱۹۲۸ء

ڈوجیرک پاپا پیر: "اکبر اور یسوعی مبلغ" ترجمہ سی، ایچ، پین اشاعت اول لندن ۱۹۲۶ء۔

فوسٹر ولیم: تالیف کردہ ہندستان میں ابتدائی سیاحت ۱۵۸۳ء، ۱۹۱۶ء لندن ۱۹۲۱ء

فرائر جو ہن: ہندستان اور ایران کا تذکرہ جدید ۱۶۹۸ء

گریریو پاپا فرناؤ: "جہانگیر اور یسوعی مبلغ" ترجمہ از سی ایچ پین لندن ۱۹۳۰ء

گروز جو ہن ہنری: "مشرقی مجمع الجزائر کا ایک جدید تذکرہ" تالیف کردہ از سر ولیم فوسٹر، ۲ جلدیں، لندن ۱۹۳۰ء

ہو جیز، ولیم: ہندستان میں سیاحت (۱۷۸۰ء ۱۷۸۳ء)

ہربرٹ ریجینلڈ: "ہندستان کے بالائی صوبوں میں سفر کا تذکرہ" اشاعت دوئم، لندن ۱۷۹۴ء

خان شفاعت احمد: تالیف کردہ "ہندستان میں جو ہن مارشل" "بنگال میں مشاہدات اور یادداشتیں" (۱۶۶۸ء۔ ۱۶۷۲ء) گلاسکو ۱۹۲۷ء۔

لاگ، جے، کورٹنے: تالیف کردہ "ہندستان میں ابتدائی انگریز" اشاعت اول، لندن ۱۹۳۰ء

مانسریٹ، پاپا، انتھونی: "پاپا مونسٹریٹ کی تشریح و تفسیر" ترجمہ از جے ایس ہوائے لینڈ" تالیف کردہ از ایس این نیر جی کٹک ۱۹۲۲ء

منوسی، نکولاء: "داستان مغل" ۱۶۵۳ء۔ ۱۷۰۸ء) ترجمہ از ولیم ارون چار جلدیں لندن ۱۹۰۷ء۔ ۱۹۰۸ء

مانڈیلسلو، جے، البرٹ، ڈی: "مشرقی مجمع الجزائر میں جے البرٹ ڈی مانڈیلسلو کے بحری اور بری سفر" ترجمہ از جو ہن، ڈیویز اشاعت دوئم لندن ۱۶۶۹ء۔

میکلاگن، سر ایڈورڈ: یسوعی مبلغ اور مغل لندن ۱۹۳۲ء

مانریکوئس ایس: "سیاحت" ترجمہ از لیوارڈ اور ہوسٹن، دو جلدیں، ہیک لیوٹ کا سلسلہ مطبوعات ۱۹۲۶ء۔ ۱۹۲۷ء

مارش پاسلی، کنلیف: "براہ اسلام ایک مسافرت" براہ ایران اور افغان ہندستان کا ایک سفر لندن ۱۸۷۷ء

اوٹین۔ ایڈورڈ فارلے: ہندستان میں سیاحت اور سیاح" (۱۴۰۰ء۔ ۱۷۰۰ء) لندن ۱۹۰۹ء

اوننگٹن۔ جے: "۱۶۸۹ء میں سورت کا ایک سفر" لندن ۱۶۹۶ء

پیٹر منڈے: "یورپ اور ایشیا میں پیٹر منڈے سیاحت" (۱۶۰۸ء۔ ۱۶۶۷ء) مطبوعات لندن (ہیک لیوٹ سوسائٹی) دوسرا سلسلہ۔

پیلسر یٹ فرانسسکو: "جہانگیر کا ہندستان" ترجمہ ڈبلو۔ ایچ۔ مورلینڈ اور پی۔ گیل۔ کیمبرج ۱۹۲۵ء۔

پرچیس۔ سیمول: پرچیس اور اس کا سفر مقامات مقدسہ بیس جلدیں گلیسگو ۱۹۰۵ء۔ ۱۹۰۷ء

رو۔ سر طامس۔ فرائر: "ڈاکٹر جو ہن" سترھویں صدی میں ہندستان کی سیاحت" لندن ۱۸۷۳ء۔ ہندستان میں سر طامس رو کی سفارت (۱۶۱۵ء۔ ۱۶۱۹ء) تالیف کردہ سر ولیم فوسٹر لندن ۱۹۲۶ء۔

ٹیورنیر جین بیپٹسٹ: "ہندستان میں سیاحت" ترجمہ وی۔ بال۔ دو جلدیں۔ لندن ۱۸۰۹ء۔

ٹیری۔ایڈورڈ: "مشرقی ہندستان کاایک بحری سفر"لندن ۱۷۷۷ء

تھیوناٹ: "مونشیر دی تھیوناٹ کی سیاحت لندن ۱۶۷۸ء

پائٹرو ڈیلاویل: "ہندستان میں پائٹروڈیلاویل کی سیاحت" ترجمہ جی۔ ہیورس (۱۶۶۴ء) تالیف کردہ ایڈورڈگرے دو جلدیں لندن ۱۸۹۲ء۔

(د) انگریزی عناصر

بنگال ۱۷۵۶ء۔ ۱۷۵۷ء: "سراج الدولہ کے عہد حکومت میں بنگال میں برطانیہ کے معاملات سے متعلقہ عام اور نجی کاغذات کا انتخاب" تالیف کردہ از ایس سی ہل۔ تین جلدیں لندن ۱۹۰۵ء

درباری روئداد: "از ایسٹ انڈیا کمپنی" یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دستاویزوں کاایک کیلنڈر ہے۔ تالیف کردہ از آئی۔ بی۔ سنسری اشاعت کردہ کلیرینڈن پریس آکسفورڈ۔ ولیم فوسٹر کے تالیف کردہ سلسلہ مطبوعات نے ان جلدوں کی تنسیخ کردی۔

اسٹرینشیم ماسٹر: "ڈائریاں" (۱۶۷۵ء۔ ۱۶۸۰ء) اور دیگر معاصرانہ کاغذات، تالیف کردہ از آرسی ٹیمپل۔ دو جلدیں لندن ۱۹۱۱ء۔ ماسٹر اسٹرینشیم نے ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ کیا ہے جب ایک ہندو کو ایک مسلمان کے قتل کرنے کے جرم میں ماخوذ کیا گیا تو مجرم نے اسلام قبول کرلیا اور مدعی نے خوشی سے اپنا دعوی واپس لے لیا۔ جلد ا صفحہ ۳۵۲۔

ہندستان میں انگریزی کارخانہ جات: انڈیا آفس برٹش میوزیم اور پبلک ریکارڈ آفس میں دستاویزوں کاایک کلینڈر۔ تالیف کردہ از ولیم فوسٹر، کلیرینڈن پریس آکسفورڈ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی کتاب مکتوبات: "۱۶۰۰ء سے ۱۶۱۹ء، تالیف کردہ از جارج برڈووڈ اور ولیم فوسٹر لندن ۱۸۹۳ء۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے موصول کردہ مکتوبات وغیرہ: اصل مراسلات سے نقل کردہ "انڈیا آفس مخفوظات کے سلسلہ سے اخذ کردہ" سکریٹری آف اسٹیشن فار انڈیا ان کونسل" کی پرستی میں چھ جلدوں میں اشاعت کی گئی۔ ۱۶۰۲ء۔ ۱۶۱۷ء کی مدت میں موصول

کردہ مکتوبات پر یہ جلدیں مشتمل ہیں ہر جلد میں ایک عمدہ دیباچہ اور فہرست مضامین فراہم کی گئی ہے۔

اولڈ فورٹ ولیم اندرون بنگال: تاریخ سے متعلق سرکاری دستاویزوں کا ایک انتخاب ہے۔ تالیف کردہ سی۔ آر۔ ولسن ۲ جلدیں لندن ۱۹۰۶ء۔

(س) جدید انگریزی تصنیفات مع تراجم

احمد حسین، سر: اسلام پر مختصر یادداشتیں جمع کردہ از خواجہ محمد حسین حیدر آباد ۱۹۲۲ء

احمد، ایم ایم ظہور الدین: اسلام میں تصوف کے رجحانات۔ بمبئی ۱۹۳۲ء۔

آربیری اے جے لینڈ: اور دم آج کل کا اسلام لندن ۱۹۴۲ء۔

امیر علی۔ سید: "روح اسلام" اسلام کے ارتقاء اور نصب العین کی تاریخ مع سوانح حیات پیغمبر صاحب لندن ۱۹۲۳ء اخلاقیات اسلام کلکتہ۔ ۱۸۹۳ء۔

آرنلڈ، سر۔ ٹی۔ ڈبلو: "خلافت" آکسفورڈ ۱۸۹۳ء "تبلیغ اسلام" اشاعت سوئم۔ لندن ۱۹۳۵ء۔

آرنلڈ۔ سر طامس۔ گلاؤم: الفرڈ، ایڈلس "میراث اسلام" آکسفورڈ ۱۹۳۱ء۔

آرنلڈ، سر ایڈون: ایمان کے موتی ہندستانی اشاعت

احمد حسین، سر: "فلسفۂ فقراء" اشاعت دوئم لاہور ۱۹۴۰ء

ارسلان امیر ثاقب: "ہمارا زوال اور اس کے اسباب" ترجمہ ایم اے شکور لاہور ۱۹۴۴ء

اسد، اویس محمد: "اسلام چار سو" مکرر تنقیح کردہ اشاعت لاہور ۱۹۴۳ء

امین محمد: "فرزانگی پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم" لاہور ۱۹۴۵ء

آربیری۔ اے جے: "تصوف" اسلام کے صوفیاء کرام کا تذکرہ، اشاعت اول ۱۹۵۰ء

ایلین ڈیوڈاو: "ہندستان قدیم اور جدید" لندن ۱۸۵۶ء

ٹیری۔ ایڈورڈ: "مشرقی ہندستان کا ایک بحری سفر" لندن ۱۷۷۷ء
تھیوناٹ: "مونشیر دی تھیوناٹ کی سیاحت لندن ۱۶۷۸ء
پائٹرو ڈیلاویل: "ہندستان میں پائٹروڈ یلاویل کی سیاحت" ترجمہ جی۔ ہیورس (۱۶۶۴ء) تالیف کردہ ایڈورڈ گرے دو جلدیں لندن ۱۸۹۲ء۔

(د) انگریزی عناصر

بنگال ۱۷۵۶ء۔ ۱۷۵۷ء: "سراج الدولہ کے عہد حکومت میں بنگال میں برطانیہ کے معاملات سے متعلقہ عام اور نجی کاغذات کا انتخاب" تالیف کردہ از ایس سی ہل۔ تین جلدیں لندن ۱۹۰۵ء

درباری روئداد: "از ایسٹ انڈیا کمپنی" یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دستاویزوں کا ایک کیلنڈر ہے۔ تالیف کردہ از آئی۔ بی۔ سنسری اشاعت کردہ کلیرینڈن پریس آکسفورڈ۔ ولیم فوسٹر کے تالیف کردہ سلسلہ مطبوعات نے ان جلدوں کی تنسیخ کر دی۔

اسٹرینشیم ماسٹر: "ڈائریاں" (۱۶۷۵ء۔ ۱۶۸۰ء) اور دیگر معاصرانہ کاغذات، تالیف کردہ از آر سی ٹیمپل۔ دو جلدیں لندن ۱۹۱۱ء۔ ماسٹر اسٹرینشیم نے ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ کیا ہے جب ایک ہندو کو ایک مسلمان کے قتل کرنے کے جرم میں ماخوذ کیا گیا تو مجرم نے اسلام قبول کر لیا اور مدعی نے خوشی سے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔ جلد ا صفحہ ۳۵۲۔

ہندستان میں انگریزی کارخانہ جات: انڈیا آفس برٹش میوزیم اور پبلک ریکارڈ آفس میں دستاویزوں کا ایک کلینڈر۔ تالیف کردہ از ولیم فوسٹر، کلیرینڈن پریس آکسفورڈ۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی پہلی کتاب مکتوبات: "۱۶۰۰ء سے ۱۶۱۹ء، تالیف کردہ از جارج برڈوڈ اور ولیم فوسٹر لندن ۱۸۹۳ء۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے موصول کردہ مکتوبات وغیرہ: اصل مراسلات سے نقل کردہ "انڈیا آفس محفوظات کے سلسلہ سے اخذ کردہ" سکریٹری آف اسٹیشن فار انڈیا ان کونسل" کی پرستی میں چھ جلدوں میں اشاعت کی گئی۔ ۱۶۰۲ء۔ ۱۶۱۷ء کی مدت میں موصول

کردہ مکتوبات پر یہ جلدیں مشتمل ہیں ہر جلد میں ایک عمدہ دیباچہ اور فہرست مضامین فراہم کی گئی ہے۔

اولڈ فورٹ ولیم اندرون بنگال: تاریخ سے متعلق سرکاری دستاویزوں کا ایک انتخاب ہے۔ تالیف کردہ سی۔ آر۔ ولسن ۲ جلدیں لندن ۱۹۰۶ء۔

(س) جدید انگریزی تصنیفات مع تراجم

احمد حسین، سر: اسلام پر مختصر یادداشتیں جمع کردہ از خواجہ محمد حسین حیدر آباد ۱۹۲۲ء

احمد، ایم ایم ظہور الدین: اسلام میں تصوف کے رجحانات۔ بمبئی ۱۹۳۲ء۔

آربیری اے جے لینڈ: اور وم آج کل کا اسلام لندن ۱۹۴۲ء۔

امیر علی۔ سید: "روح اسلام" اسلام کے ارتقاء اور نصب العین کی تاریخ مع سوانح حیات پیغمبر صاحب لندن ۱۹۲۳ء اخلاقیات اسلام کلکتہ۔ ۱۸۹۳ء۔

آرنلڈ، سر۔ ٹی۔ ڈبلو: "خلافت" آکسفورڈ ۱۸۹۳ء "تبلیغ اسلام" اشاعت سوئم۔ لندن ۱۹۳۵ء۔

آرنلڈ۔ سر طامس۔ گلاوسم: الفرڈ، ایدلس "میراث اسلام" آکسفورڈ ۱۹۳۱ء۔

آرنلڈ، سر ایڈون: ایمان کے موتی ہندستانی اشاعت

احمد حسین، سر: "فلسفۂ فقراء" اشاعت دوئم لاہور ۱۹۴۰ء

ارسلان امیر ثاقب: "ہمارا زوال اور اس کے اسباب" ترجمہ ایم اے شکور لاہور ۱۹۴۴ء

اسد، اویس محمد: "اسلام چار سو" مکرر تنقیح کردہ اشاعت لاہور ۱۹۳۷ء

امین محمد: "فرزانگی پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم" لاہور ۱۹۴۵ء

آربیری۔ اے جے: "تصوف" اسلام کے صوفیاء کرام کا تذکرہ، اشاعت اول ۱۹۵۰ء

ایلین ڈیوڈاو: "ہندستان قدیم اور جدید" لندن ۱۸۵۶ء

عفیفی، اے۔ آئی: محی الدین ابن العربی کا فلسفہ تصوف کیمبرج ۱۹۳۹ء۔
اسن، میگوئل: "اسلام اور قدسی طربیہ: ترجمہ اور اختصار کردہ ہیرلڈ سنڈر لینڈ۔
لندن ۱۹۲۶ء
اختر، قاضی احمد میاں: "اسلامی اور مشرقی مطالعات" لاہور ۱۹۴۵ء
اشرف۔ کے۔ ایم: "ہندستان کے لوگوں کی زندگی اور حالات ۱۲۰۰ء۔ ۱۵۵۰ء"
دہلی ۱۹۷۰ء
بروک۔ لیمن کارل: "اسلامی اقوام کی تاریخ" ترجمہ از جوئل کارمیکل اور موش
پرلمن "بتوسط جرمن کیشے ڈر، اسلامی شیسن ولکرانٹ اشٹیشن" ۱۹۴۹ء
بادتولڈ۔ وی۔ وی: "مسلمان تہذیب و ثقافت" شہید سہروردی نے روسی زبان
سے ترجمہ کیا ۱۹۳۴ء
بلنٹ۔ آئی۔ اے۔ ایچ: "شمالی ہندستان کا دستور ذات پات" مدراس ۱۹۳۱ء
براؤن۔ ایڈورڈ۔ جی: "تاریخ ادبیات ایران" چار جلدیں کیمبرج ۱۹۲۸ء۔ ایرانیوں
میں ایک سال۔ لندن ۱۸۹۳ء۔
بیلیو، ایچ ۔ ڈبلو: ۱۸۷۵ء میں افغانستان میں سیاسی مقصدیت پر رسالہ "لندن
۱۸۶۲ء۔ افغانستان کی نسلیں۔ کلکتہ ۱۸۸۰ء۔
یک۔ فیجر۔ سی۔ ایچ۔ فیتھ: "ہندستان کے میلے اور تیوہار" کلکتہ ۱۹۱۷ء
یتھم۔ آر۔ ایم: "مرہٹہ اور دکنی مسلمان" کلکتہ ۱۹۰۸ء
بینین۔ لارنس: "اکبر" اشاعت سوئم۔ ایڈنبرگ ۱۹۳۵ء "مغل اعظم کے درباری
مصور" تالیف کردہ ٹی ڈبلو۔ آرنلڈ لندن ۱۹۲۱ء۔
اولس۔ آئی۔ جے: "اسلام کا اثر" ان نسلوں کی نفسیات اور تہذیب پر اسلام کے اثر
کا مطالعہ جنہوں نے تبدیل مذہب کے بعد اس کو قبول کیا ۱۹۳۲ء
بشیر احمد۔ محمد: "زمانہ وسطی کے ہندستان میں نظام عدلیہ" (۱۲۰۶ء۔ ۱۷۵۰ء) الہ
آباد ۱۹۴۱ء۔

بھویان۔ ایس۔ کے: "ٹچٹ بر پھوکان اور اس کا زمانہ" ۱۶۶۸ء سے ۱۶۷۱ء تک کے زمانہ میں آسام۔ مغل تنازعات کی ایک تاریخ۔ اشاعت اول۔ گوہاٹی ۱۹۴۷ء "دہلی بادشاہت کے تاریخی واقعات" "آسامیوں کی قدیم تاریخ" "پادشاہ بورنجی" کا ترجمہ ہے۔ گوہاٹی ۱۹۴۷ء۔

بلوچیٹ۔ ای: "مسلمان مصوری" (XII بارہویں XVII سترھویں) صدی، فرانسیسی زبان سے۔ سسلی ایم، بن یون کا کیا ہوا ترجمہ۔ اشاعت اول لندن ۱۹۲۹ء۔

براؤن۔ جو ہن۔ پی: "درویشی یا روحانیت شرقیہ" تالیف کردہ ایچ۔ اے۔ روز۔ ایڈنبرگ، ۱۹۲۷ء۔

بیل، طامس ولیم: "ایک تذکرہ شرقیہ" نظر ثانی کی ہوئی توسیع شدہ اشاعت از ہنری جارج کین لندن ۱۸۹۴ء۔

بلفور۔ ای: "قاموس ہندستان اشاعت سوئم تین جلدیں لندن ۱۸۸۵ء۔

بین جیمسن۔ ایس۔ جی۔ ڈبلو: "ایران اور ایرانی لوگ" لندن ۱۸۸۷ء

بلانڈ۔ این: "ایرانی سطرنج کھیل" لندن ۱۸۵۰ء

بیٹچا۔ ایم۔ احمد: "النبوت فی الاسلام" یا اسلام میں پیغمبری مدراس ۱۹۲۳ء

بنی پرشاد: "تاریخ جہانگیر" اشاعت سوئم الہ آباد ۱۹۴۰ء

بابرنامہ یا تزک بابری: "انگریزی ترجمہ از اے۔ ایس۔ بیورج دو جلدیں ۱۹۲۱ء مطبوعہ ثانی نئی دہلی ۱۹۷۰ء

کرک۔ ڈبلو: "شمالی مغربی صوبوں اور اودھ کے قبائل اور ذاتیں" چار جلدیں کلکتہ ۱۸۹۶ء "شمالی ہندستان کے مذاہب اور عوامی رائج عقائد روایات" ۱۹۲۶ء۔ اشاعت ثانیہ دہلی ۱۹۶۹ء۔ "شمالی ہندستان کے مقبول عام مذہب اور عوامی رائج عقائد وروایات سے ایک تعارف الہ آباد ۱۸۹۴ء

ژپلیکا۔ ایم۔ اے: "وسطی ایشیا کے ترک تاریخ میں اور زمانہ حال میں۔ آکسفورڈ ۱۹۱۸ء

کارپینٹر۔ جے ایسٹلن: "زمانہ وسطیٰ کے ہندستان میں عقیدہ خداپرستی ۱۹۲۱ء
کوپر۔ ایلزبیتھ: "حریم اور پردہ" اشاعت اول لندن ۱۹۱۵ء
کیسٹرد۔ ایف۔ ایف: "مغلیہ سلطنت کی عام تاریخ" کلکتہ ۱۹۰۷ء
ڈونلڈسن۔ ڈوائٹ۔ ایم: "شیعیت مذہب" ایران اور عراق میں اسلام کی تاریخ۔
لندن ۱۹۳۳ء
ڈینیٹ۔ ڈینیل۔ سی: "ابتدائی اسلام میں تبدیل مذہب اور جزیہ" ۱۹۵۰ء
ایلفسٹن، اون۔ ماؤنٹ، اسٹوریٹ: "سلطنت کابل کا تذکرہ دو جلدیں
لندن ۱۸۳۹ء
اینتھوون، آر۔ ای: "بمبئی کے قبائل اور ذاتیں" ۳ جلدیں بمبئی ۱۹۲۲ء
ایلیٹ سر ایچ۔ ایم: "ہندستان کے شمالی مغربی صوبوں کی تاریخ۔ عوامی رائج عقائد
وردلیات اور نسلوں کی تقسیم کے تذکرے" تالیف کردہ جوہن بیمس، دو جلدیں لندن
۱۸۶۹ء
ایلیٹ سر، ایچ۔ ایم ڈاؤسن، جوہن: "تاریخ ہندستان جیسی خود اس کے
مورخوں نے بتائی، آٹھ جلدیں لندن ۱۸۶۷ء۔ ۱۸۷۷ء
فیریر، جے۔ پی: "افغانوں کی تاریخ ولیم جیس نے فرانسیسی سے ترجمہ کیا۔ لندن
۱۸۵۸ء
فاروقی، برہان احمد: "مجدد کا تخیل توحید" اشاعت دوئم، لاہور ۱۹۴۳ء
فضل اللہ، لطف اللہ: "گجراتی مسلمان" بمبئی گزیٹر جلد IX حصہ II۔ بمبئی ۱۸۹۹ء
غیور، جی۔ ایس: "ہندستانی ملبوسات" بمبئی ۱۹۵۱ء
گری وین، آر: "غازیان خمسہ" الہ آباد ۱۸۹۸ء
گاؤبا، کے۔ ایل: "پیغمبر ریگستان" لاہور ۱۹۳۴ء
گاڈیز، ڈبو۔ ایچ۔ ٹی: "الغزالی کی المشکوٰۃ الانوار" لندن ۱۹۲۴ء
ہوڈیویلا، ایس۔ ایچ: "مطالعات انڈو مسلم" تاریخ ایلیٹ اور ڈاؤسن کی تاریخ

ہندستان پر تنقیدی تفسیر بمبئی ۱۹۳۹ء

ہاوٹس ما، ایم۔ ٹی۔ ایچ: "تالیف کردہ قاموس اسلام" چار جلدیں ۱۹۱۳ء۔
۱۹۳۴ء۔ قاموس اسلام کا ضمیمہ ۱۹۳۸ء

ہفس، ٹی۔ پی: "فرہنگ اسلام" لندن ۱۹۳۵ء مسلمانیت پر نوٹس" اشاعت سوئم
لندن ۱۸۹۴ء

حسینی، ایس۔ اے۔ کیو: "ابن العربی" لاہور تاریخ نہیں ہے

ہملٹن، چارلس: "ہادی" یار ہنما اور رہبر" مسلمانوں کے قوانین کی تفسیر" اشاعت
دوئم۔ تالیف کردہ از ایس۔ جی گرڈی لندن ۱۸۷۰ء

ہیئوم د جاویدن: "حیات حرم" لندن ۱۹۳۱ء

ہنٹر، ڈبلو۔ ڈبلو: "ہندستانی مسلمان" اشاعت سوئم لندن ۱۸۵۸ء

ہیمر، جوزف۔ ون: "ساسانیوں کی تاریخ" ترجمہ کردہ از اوسلڈ۔ چارلس۔ ووڈ"
لندن ۱۸۳۵ء

ہیل، جوزف: "تہذیب عرب" ترجمہ از ایس خدا بخش، اشاعت دوئم لاہور ۱۹۴۳ء

اِرون، ولیم: "متاخرین مغل" اشاعت کردہ جادو ناتھ سرکار۔ دو جلدیں
کلکتہ ۱۹۲۲ء۔ اشاعت ثانیہ نئی دہلی ۱۹۷۱ء

ابن حسن: مغلیہ سلطنت کی مرکزی ساخت میسور ۱۹۳۷ء۔ اشاعت ثانیہ نئی دہلی
۱۹۷۰ء

ابن بطوطہ: "ایشیاء اور افریقہ کی سیاحت" ۱۳۲۵ء۔ ۱۳۵۴ء۔ ترجمہ از، ایچ۔ اے آر
گب "اشاعت اول لندن ۱۸۲۹ء "ابن بطوطہ کے سفر" ترجمہ از سیموئل لی لندن ۱۸۲۹ء

اقبال، سر۔ محمد: "اسلام میں مذہبی تخیل کی تجدید" "یا اسلام میں مذہبی تخیل کی تعمیر
نو" آکسفورڈ ۱۹۳۴ء

جعفر، ایس۔ ایم: ہندستان میں مسلم حکومت کی کچھ ثقافتی و تہذیبی خصوصیات۔
اشاعت اول پشاور ۱۹۳۹ء۔ مسلم ہند میں تعلیم، ۱۰۰۰ء۔ ۱۸۰۰ء۔ لاہور ۱۹۳۶ء

کے، ایف آئی: "کبیر اور ان کے پیرو" میسور ۱۹۳۱ء
کلابدی، ابو بکر: "صوفیاء کرام کے بنیادی اصول" ترجمہ اے۔ جے آبیری۔ کیمبرج ۱۹۳۵ء
لطیف، ایس عبدل: اسلام میں معاشرہ کا تصور حیدر آباد (دکن) تاریخ نہیں ہے۔
لیمنس، ایچ: "اسلام عقائد اور ادارے" آئی۔ ڈینی سن راس نے فرانسیسی سے ترجمہ کیا۔ اشاعت اول لندن ۱۹۲۹ء
لیوی۔ آر: "اسلامی معاشیات سے ایک تعارف" دو جلدیں لندن ۱۹۳۱ء۔ ۱۹۳۳ء
لائل، سر۔ اے۔ سی: "ایشیائی مطالعات مذہبی اور معاشی" اشاعت دوئم لندن ۱۹۰۷ء
لین، ای۔ ڈبلو: "جدید مصریوں کے اطوار اور رسوم کا تذکرہ" پانچویں اشاعت۔ دو جلدیں لندن ۱۸۷۱ء
مورلینڈ، ڈبلو۔ ایچ: "اکبر کی موت کے وقت ہندستان" لندن ۱۹۲۰ء۔ "اکبر سے اورنگ زیب تک" لندن ۱۹۲۳ء۔ طباعت ثانیہ نئی دہلی ۱۹۷۲ء "مسلم ہندستان کا نظام زراعت" کیمبرج ۱۹۲۹ء طباعت ثانیہ دہلی ۱۹۶۸ء
میر حسن علی بیگم: "ہندستان کے مسلمانوں پر مشاہدات" تالیف کردہ از ڈبلو کرک اشاعت دوئم آکسفورڈ ۱۹۱۷ء
میکڈانل، اے۔ اے: "تقابلی مذہب پر خطبات کلکتہ ۱۹۲۵ء
مارٹن، ایم: "مشرقی ہندستان ۳ جلدیں لندن ۱۸۳۸ء
میکڈانلڈ، ڈی بی: "فروغ مسلم دینیات" فقہ اور دستور اساسی۔ اشاعت اول نیویارک ۱۹۰۳ء
میکمن، سر جارج: "غلامی از منہ" لندن ۱۹۳۸ء۔ مذہب اور ہندستان کے پوشیدہ مسلک" لندن تالیف کردہ" مرے۔ کرنل جے ڈبلو۔ فرہنگ مسلک اور قبائل کلکتہ ۱۸۹۹ء
نکلسن، اے اے: "تصوف میں تصور شخصیت" کیمبرج ۱۹۲۳ء عربوں کی تاریخ

ادبیات اشاعت دوئم، لندن ۱۹۱۴ء۔ "مطالعات تصوف اسلام" کیمبرج ۱۹۲۱ء
نکلسن آر اے: "اسلام کے صوفیاء کرام" لندن ۱۹۱۴ء
او، مین۔ جے سی: "برہمن" خدا پرست اور مسلمانان ہند" اشاعت دوئم لندن، تاریخ نہیں دی گئی ہے۔ "مسلک دین، رسوم اور اوہام ہند" لندن ۱۹۰۸ء
پرنسیپ، جیمس: "ہندستانی آثار قدیمہ پر مضمون" تالیف کردہ از ایڈورڈ ٹامس۔ دو جلدیں لندن ۱۸۵۸ء
پول، جے جے: "مشرق میں اثر نسواں" لندن ۱۸۹۲ء
قانون گو، ڈاکٹر کے آر: "دارا شکوہ" اشاعت دوئم کلکتہ ۱۹۵۳ء
قریشی، اشتیاق حسین: "دلی سلطنت کا نظام حکومت" لاہور ۱۹۴۲ء۔ طباعت ثانیہ دہلی ۱۹۷۱ء
رسلے، سر۔ ہربرٹ: "ہندستان کے لوگ" تالیف کردہ از ڈبلو کرک، اشاعت دوئم ۱۹۱۵ء۔ طباعت ثانیہ دہلی ۱۹۶۹ء
رسل آر وی: "ہندستان کے مرکزی صوبوں کے قبائل اور ذاتیں" چار جلدیں۔ ایڈنبرا ۱۹۱۶ء
روز، ایچ۔ اے: "پنجاب اور مشرقی مغربی سرحدی صوبوں کے قبائل اور ذاتوں کی فہرست" تین جلدیں لاہور ۱۹۱۱ء تا ۱۹۱۹ء
راس، سر ای ڈینی سین: "ہندو مسلم جشن و تیوہار" کلکتہ ۱۹۱۴ء
رائے چودھری پتن کمار: "اکبر اور جہانگیر کے عہد حکومت میں بنگال" اشاعت اول کلکتہ ۱۹۵۳ء
سرکار، سر جادوناتھ: "تالیف کردہ" تاریخ بنگال" جلد II مسلم عہد (۱۲۰۰ء تا ۱۷۵۷ء) کلکتہ ۱۹۴۸ء
سکسینہ، ڈاکٹر بی پی: "تاریخ شاہ جہاں دہلی" الہ آباد ۱۹۳۲ء
سائکس، سر۔ پرسی: "تاریخ ایران" اشاعت دوئم دو جلدیں۔ لندن ۱۸۸۱ء تاریخ

افغانستان دو جلدیں لندن ۱۹۴۰ء
اسمتھ مارگریٹ: "الغزالی صوفی" لندن ۱۹۴۴ء
سیل، ویوای: "مضامین اسلام مدراس" ۱۹۰۱ء
سید۔ احمد: حیات آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ مضامین وغیرہ جلد اول۔
لندن ۱۸۷۰ء
سلطان جہاں، ایچ ایچ نواب: "الحجاب (پردہ کیوں ضروری ہے") نواب
کلکتہ ۱۹۲۲ء
شیر وانی، ہارون خاں: "مسلم سیاسی تخیل اور نظام حکومت" حیدر آباد دکن
۱۹۴۵ء اشاعت دوئم
شاہ، سر دار اقبال علی: "اسلامی تصوف" لندن ۱۹۳۳ء
سلمین، سر ڈبلو ایچ: "ایک ہندستانی حاکم کے گشت اور یادیں"۔ تالیف کردہ وی اے
اسمتھ، آکسفورڈ ۱۹۱۵ء
سوپر، ای ڈی: "بنی نوع انسان کے مذاہب" ۱۹۲۷ء
صوفی، جی ایم ڈی: "المنہاج" (ہندستان میں مسلم تعلیمی اداروں میں نصاب کا
ارتقا) اشاعت لاہور ۱۹۴۱ء
شیل، لیڈی: "ایران میں زندگی اور طور طریقوں کی جھلکیاں" لندن ۱۸۵۶ء
سی نارڈ، ایمائل: "ہندستان میں ذات پات" "حقائق اور نظام" ترجمہ آئی ڈیلسی
راس، اشاعت اول لندن ۱۹۳۰ء
اسمتھ، وی اے: "اکبر مغل اعظم" آکسفورڈ ۱۹۱۷ء
سرویر، اینڈرز: "اسلام اور مسلمانوں کی نفسیات" اے ایس ماسی بلندیل، نے
فرانسیسی سے ترجمہ کیا۔ لندن ۱۹۲۴ء
سرکار، سر جادو ناتھ: "مطالعات مغل ہندستان کلکتہ" ۱۹۱۹ء۔ "مغلیہ سلطنت کا
زوال" چار جلد کلکتہ ۱۹۳۲ء۔ ۱۹۵۰ء "تاریخ اورنگ زیب کلکتہ پانچ جلدیں" "مطالعات عہد

اورنگ زیب" کلکتہ ۱۹۳۳ء۔ "ہندستان اورنگ زیب" کلکتہ ۱۹۰۱ء۔ "تاریخی واقعات اورنگ زیب اور تاریخی مضامین" کلکتہ ۱۹۱۲ء۔ "ہندستان براہ ازمنہ" نہ صفحات نہ تاریخ "مغل نظام حکومت" اشاعت سوئم کلکتہ ۱۹۳۵ء

شرما، سری رام: "مغل شہنشاہوں کی مذہبی حکمت عملی کلکتہ ۱۹۴۰ء

سچاؤ، ڈاکٹر ایڈورڈ سی: "۱۰۳۰ء کے قریب البیرونی کا ہندستان دو جلدیں لندن ۱۹۱۰ء

سیل، ذیو کیبن: "اسلام کے مذہبی فرقے" لندن ۱۹۰۸ء

ٹری ٹن، اے ایس: "مسلم دینیات" لندن ۱۹۴۷ء

ٹی ٹس ایم ٹی: "خلفاء اور ان کی غیر مسلم رعایا" میسور ۱۹۳۰ء۔ "ہندستانی اسلام" ۱۹۳۰ء

ترپاٹھی، ڈاکٹر آر پی: "مسلم نظام حکومت کی کچھ خصوصیات" الہ آباد ۱۹۳۶ء

ٹلک، میکس: "مشرقی ملبوسات۔ ان کے نمونے اور رنگ" ترجمہ ایل ہملٹن (جرمنی)

طامس، ایف، ڈبلو: "ہندستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے باہمی اثر" کیمبرج ۱۸۹۲ء

تاراچند، ڈاکٹر: "ہندستانی ثقافت و تہذیب پر اسلام کا اثر۔ الہ آباد۔

ویل ہاؤسن جے: "عرب سلطنت اور اس کا زوال" ترجمہ ایم جی ویر کلکتہ ۱۹۲۷ء

واحد حسین: "ہندوستان میں مسلم حکومت کے دوران نظام عدلیہ" کلکتہ ۱۹۳۴ء

ولسن، ایچ ایچ: "فرہنگ اصطلاحات ہند" لندن ۱۸۵۵ء۔ طباعت ثانیہ دہلی ۱۹۶۸ء

ولسن، سی آر: "بنگال میں انگریزوں کے ابتدائی تاریخی واقعات" لندن ۱۸۹۵ء

وجری، اے جی: "مذاہب کا تقابلی مطالعہ لندن ۱۹۲۳ء

وحید مرزا، ڈاکٹر محمد: "امیر خسرو کی حیات اور کارنامے" کلکتہ ۱۹۳۵ء

وے رف یو: "عربیت اور اسلامیت" برسٹل ۱۹۴۰ء

ویل ڈاکٹر: "اسلامی قوموں کی تاریخ" ترجمہ ایس خدا بخش کلکتہ۔ تاریخ نہیں دی ہے۔
والنسن، جے ایف کے جے ڈبلو: "تالیف کردہ ہندستان کے لوگ" ۸ جلدیں لندن۔
یول سر ایچ بر نیل اے سی ہالسن جالسن: "انگلو انڈین، روزمرے اور اجزائے
فقرات کی فرہنگ اشاعت دوئم لندن ۱۹۰۳ء۔ طباعت ثانیہ دہلی ۱۹۶۸ء
ضیاء الدین، ایم اے: "مسلم خوش نویسی کے موضوع پر ایک مخصوص رسالہ"
شانتی نکیتن ۱۹۳۶ء
زیدی سید ایم ایچ: "اسلام میں مرتبہ خواتین" کلکتہ
زمر یمول، ایم: "مظاہر پرستی کا اسلام پر اثر" مقبول عام ادہام کا تذکرہ۔ ۱۹۲۰ء

(ف) ہندی

کبیر کی بیجک: "ہندی متن ممبئی" انگریزی ترجمہ از احمد شاہ۔ ہمیر پور ۱۹۱۱ء
چھتر پرکاش: "تصنیف کردہ بندیل کھنڈ کے لال کوی" اس میں مسلم تعصب کا صحیح
تجزیہ دیا گیا ہے۔
پدماوت: "از ملک محمد جائسی" ناگری پرچارنی سبھا کی اشاعت، اردو ترجمہ
کانپور ۱۸۹۹ء
راج ولاس: "از مان کوی" شدید فرقہ وارانہ ہے مسلمانوں کو اسورس درا کشش بتایا گیا
ہے اور اورنگ زیب کا بندر سے موازنہ کیا گیا ہے۔
شوا راج چرت: "از بھوشن" اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا اندازہ قدر کرنے میں
توازن رکھا گیا ہے۔ اگر اس کے ہیرو کے کردار کے شاعرانہ مبالغہ کی چشم پوشی کردی جائے
تو اس توازن کا احساس ہوتا ہے۔

(ل) اردو

آزاد، محمد حسین: "دربار اکبری" اشاعت چہارم کریمی پریس لاہور ۱۹۲۷ء

علی، مولوی محمد: "ضرورت مجدد" اشاعت دوئم کریمی پریس لاہور ۱۹۲۰ء
علی، سید ابوالحسن ندوی: "سیرت سید احمد شہید" اشاعت دوئم۔ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ ۱۹۴۱ء
آزاد، مولانا ابوالکلام: "تذکرہ" تالیف کردہ فضل الدین احمد مرزا۔ اشاعت اول۔ البلاغ پریس کلکتہ ۱۹۱۹ء
جیلانی، مناظر احسن: "حضرت امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" اشاعت اول دین محمدی پریس کراچی ۱۹۴۹ء
حیرت دہلوی مرزا: "حیات طیبہ" سید احمد بریلوی کے دست راس شاہ اسماعیل کی سوانح حیات۔ مطبع فاروقی دہلی۔ تاریخ نہیں ہے۔
اسماعیل، محمد: "ولی اللہ" تالیف کردہ ابو عبداللہ محمد بن یوسف، جامعہ پریس دہلی
خان، سر سید احمد: "آثار الصنادید" اشاعت سوئم نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۰۰ء
خاں، حبیب الرحمٰن: "آسودگان ڈھاکہ" ڈھاکہ۔ تاریخ نہیں ہے۔
مودودی، ابوالاعلیٰ: "تجدید و احیائے دین" اشاعت چہارم پٹھان کوٹ (پنجاب) تاریخ نہیں ہے۔
نعمانی، محمد منظور احمد: "تالیف "تذکرہ شاہ ولی اللہ" اشاعت دوئم۔ الفرقان، بریلی ۱۹۴۱ء
تذکرہ امام ربانی: اشاعت دوئم۔ الفرقان لکھنؤ ۱۳۶۸ھ
نعمانی، شبلی: "الفاروق" لاہور ۱۹۳۶ء
نجیب اشرف ندوی: "مقدمات رقعات عالمگیری" مطبع معارف اعظم گڑھ۔ تاریخ نہیں ہے۔
رحیم بخش، مولوی: "حیات ولی" (شاہ ولی اللہ دہلوی) کی سوانح حیات ہے افضل المطابع دہلی۔ تاریخ نہیں ہے۔
شوق، عبدالرحمٰن: "اسلام اور ہندستان" وزیر ہند پریس ۱۹۱۴ء

سید محمد: "شریعت الاسلام" (شعبہ دینیات پر ایک کتاب) اشاعت سوئم۔ دو حصے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ۔ پہلے حصہ کو بادشاہ حسین نے شیعیت کی روشنی میں اسلام" کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اشاعت دوئم۔ مسلم پریس لکھنؤ ۱۹۴۳ء

سید احمد دہلوی، مولوی: "رسوم دہلی" (مسلمانوں کے متعلق) اشاعت اول مخزن پریس دہلی۔ تاریخ نہیں ہے۔

تمدن ہند: "گستاولی بون کی تصنیف "لیس سویلیزیشن ڈی۔ الانڈ کا اردو ترجمہ سید علی بلگرامی نے کیا ہے۔ مفید عام پریس آگرہ۔

ذکاءاللہ، مولوی محمد: "تاریخ ہندستان، نو جلدیں دہلی

(م) رسائل

ایشیائی تحقیقات کلکتہ
بمبئی کوارٹرلی ریویو بمبئی
کلکتہ ریویو دی کلکتہ
ہندستان ریویو۔ دی پٹنہ
انڈین کلچر کلکتہ
انڈین اینٹی کیوٹی، دی بمبئی
انڈین ہسٹوریکل کواٹرلی دی کلکتہ
انڈین ریویو، دی مدراس
اسلامک کلچر حیدر آباد (دکن)
اسلامک کلچر ریویو۔ دی ووکنگ۔ انگلینڈ
جرنل اینڈ پروسیڈنگس آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ
جرنل آف دی بمبئی برانچ آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی دی کلکتہ
جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹین اینڈ آئرلینڈ دی لندن

جرنل آف دی بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی دی بانکی پور پٹنہ
جرنل آف دی یونائیٹڈ پروینسز ہسٹوریکل سوسائٹی دی کلکتہ
جرنل آف انڈین ہسٹری ٹریونیڈرم
جرنل آف انڈین ہسٹری الہ آباد
جرنل آف دی پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی لاہور
جرنل آف دی رائل ہسٹوریکل سوسائٹی لندن
جامعہ دہلی اردو منتھلی آف جامعہ ملیہ دہلی
میموایرس آف دی ایشیاٹک آف بنگال کلکتہ
ماڈرن ریویو دی کلکتہ
مسلم ریویو، دی مدرستہ الواعظین لکھنؤ
مسلم ریویو، دی کلکتہ
میڈیویل انڈیا کواٹرلی علی گڑھ
ٹرانز یکشنس آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ بریٹن اینڈ آیرلینڈ لندن
ٹرانز یکشنس آف دی لٹریری سوسائٹی آف بمبئی بمبئی

مزید کتابیات

(س) جدید انگریزی تصنیفات: (ترجموں کو شامل کرتے ہوئے)

ہسٹری آف موومینٹ اے: "ہند۔پاک کی آزادی کے واسطے مسلم جدو جہد کی داستان ہے" ۱۷۰۷ء سے ۱۹۴۷ تک چار جلدوں میں،
جلد I ۱۷۰۷ء تا ۱۸۳۱ء کراچی ۱۹۵۷ء
جلد II حصہ (I) ۱۸۳۱ء تا ۱۹۰۵ء کراچی ۱۹۶۰ء
جلد II حصہ (II) ۱۸۳۱ء تا ۱۹۰۵ء کراچی ۱۹۶۱ء
کریم، عبدل: "سوشل ہسٹری آف دی مسلم ان بنگال" (۱۵۳۸ء تک) ڈھاکہ

۱۹۵۹ء
لیوی، آر: دی سوشل اسٹرکچر آف اسلام" اشاعت دوئم کیمبرج یونیورسٹی پریس ۱۹۵۷ء
نظامی کے اے: "سم آسپکٹس آف ریلیجن اینڈ پولیٹکس ان انڈیا ڈیورنگ دی تھرٹینتھ سینچری۔ علی گڑھ ۱۹۶۱ء
قریشی، آئی ایچ: "دی مسلم کمونٹی آف دی انڈو۔ پاکستان" سب کانٹی نینٹ، دی ہیگ۔ ۱۹۶۲ء
اسمتھ ولفریڈ، کینٹ ویل: "ماڈرن اسلام ان انڈیا" اشاعت ثانیہ لندن ۱۹۴۶ء
روزنتھل، ای آئی: "پولیٹیکل تھاٹ ان میڈیویل اسلام" کیمبرج ۱۹۵۸ء
تاراچند، ڈاکٹر: "سوسائٹی اینڈ اسٹیٹ ان دی مغل پیریڈ دہلی ۱۹۶۱ء

(ل) اردو

اکرام، شیخ محمد: "رود کوثر" اسلامی ہند اور پاکستان کی مذہبی اور روحانی تاریخ۔ "عہد مغلیہ" کراچی ۱۹۵۰ء

(م) رسائل

جرنل آف دی پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی: کراچی
مسلم ورلڈ: دی ہرٹ فورڈ۔

☆☆☆

ہماری مطبوعات

انشار کارتر کی روزنامچہ	مرتب سید محمد نعیم الدین	۹۸	۴/۵۰
انیس کے سلام	مرتب علی جواد زیدی	۳۰۷	۱۳/۵۰
انیس کے مرثیے اوّل (دوسرا ایڈیشن)	مرتب صالحہ عابد حسین	۵۴۰	۳۶/=
〃 〃 〃 (دوم) دوسرا ایڈیشن	〃 〃 〃	۵۷۶	۴۰/=
برنارڈ شا	عبدالمغنی	۹۶	۱۴/=
بہار میں اردو زبان و ادب کا ارتقاء	پروفیسر اختر اورینوی	۳۴۷	۱۸/=
بیسویں صدی میں اردو ناول	ڈاکٹر یوسف سرمست	۵۴۴	۵۸/=
پشکن (دوسرا ایڈیشن)	ظ۔ انصاری	۲۳۲	۱۲/=
تذکرہ علمائے بلخ	صفی الدین واعظ / مترجم پروفیسر نذیر احمد	۱۱۰	۱۳/=
جوش ملیح آبادی شخصیت اور فن۔	ظفر محمود	۱۵۸	۱۲/=
چے خف (دوسرا ایڈیشن)	ظ۔ انصاری	۱۹۲	۱۱/=
حیات جاوید (تیسرا ایڈیشن)	الطاف حسین حالی	۹۰۸	۴۸/=
خسرو شناسی (دوسرا ایڈیشن)	مرتبین۔ ظ۔ انصاری ۔ ابوالفیض سحر	۳۶۰	۲۴/=
دانتے	زیڈ۔ اے۔ عثمانی	۱۹۱	۸/۲۵
دستنبو	(مترجم) پروفیسر خواجہ احمد فاروقی	۸۸	۱۱/=
درس بلاغت (دوسرا ایڈیشن)	ترقی اردو بیورو	۱۹۲	[illegible]
دکن میں اردو	پروفیسر نصیر الدین ہاشمی	۹۴۵	۴۲/=
دکنی ہندو اور اردو	〃 〃 〃	۲۹۶	۱۵/۵۰
دکنی نثر کا انتخاب	مرتب: پروفیسر سیدہ جعفر	۱۶۸	۱۲/۵۰

جدید الجبرا و مثلثات برائے بی۔اے	ایلبرج پی ویس۔ ایس۔ اے۔ ایل شیروانی	۴۷۲	۱۵/=
خاص نظریۂ اضافیت	محمد حبیب الحق انصاری	۱۳۴	۱۲/=
دھوپ چولھا	ایم۔ ایم۔ ہدیٰ / ڈاکٹر خلیل اللہ خاں	۹۷	۱۲/=
راست و متبادل کرنٹ	عبدالرشید انصاری	۲۹۶	۱۵/=
سائنس کی باتیں	اندرجیت لال	۱۱۱	۱۱/۵۰
سائنس کی کہانیاں (حصہ اوّل)	سکنف اور سکنف / انیس الدین ملک۔	۱۵۲	۱۰/۵۰
سائنس کی کہانیاں (حصہ دوم)	" " "	۱۸۴	۱۲/=
" " " (حصہ سوم)	" " "	۱۲۷	۵/=
علم کیمیا (حصہ اول) چھٹا ایڈیشن	مترجم: سید انوار سجاد رضوی	۱۴۴	۵/=
علم کیمیا (حصہ دوم)	مترجم: ارشد رضوی -	۲۰۷	۴/=
فلسفہ، سائنس اور کائنات	ڈاکٹر محمود علی سڈنی	۲۹۶	۵۵/=
فن طباعت (دوسرا ایڈیشن)	بلجیت سنگھ مطیر	۳۰۷	۱۱/۵۰
فن خطاطی و خوشنویسی اور مطبع منشی نول کشور کے خطاط۔	امیر حسن نورانی	۱۲۰	۳۶/=
کلاسیکی برق و مقناطیسیت	واف کانگ۔ ایچ پیوفسکی میلیا فلپس۔ مترجم: بی بی سکسینہ	۶۵۲	۵۰/=
کوئلہ	نفیس احمد صدیقی	۲۰۴	۲۲/=
گنّے کی کھیتی	سید مسعود حسن جعفری	۹۶	۱۵/=
گھریلو سائنس (حصہ ششم)	شیخ سلیم احمد	۷۲	۱۸/=
گھریلو سائنس (حصہ ہفتم)	ایس۔ اے۔ رحمان	۷۲	۱۸/=
گھریلو سائنس (حصہ ہشتم)	تاجور سامری	۱۱۴	۲۸/=

کتاب	مصنف / مترجم	صفحات	قیمت
قدیم ہندوستان میں تعلیم	ڈاکٹر اے ایس التکر/ابویوسف	۱۸۰	۲۰/۰
قدیم ہندوستان کی ثقافت و تہذیب تاریخی پس منظر میں	ڈی۔ ڈی۔ کوسمبی/بال مکند عرش ملیانی	۳۱۹	۱۳/=
قدیم ہندوستان میں شودر	رام سرن شرما/جمال الدین محمد صدیقی	۳۵۶	۴/۵۰
مہاتما گاندھی	بی۔ آر۔ نندا/علی جواد زیدی	۵۰۰	۶۰/=
مغلیہ دربار کا عروج و زوال	ڈاکٹر ریاض احمد خاں شیروانی	۵۵۳	۳۰/۵۰
مغل دربار کی گروہ بندیاں اوران کی سیاست (دوسرا ایڈیشن)	ڈاکٹر ستیش چندر/ڈاکٹر قاسم صدیقی	۲۶۵	۲۲/=
مغلوں کا نظام مالگزاری ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک۔	نعمان احمد صدیقی/ایس نبی ہادی	۲۲۷	۹/=
مرادآباد۔ تاریخ اور صنعت	تاباں نقوی	۹۲	۱۲/=
مسیر طالبی (سفرنامہ)	ابوطالب اصفہانی/ثروت علی	۳۵۹	۳۲/=
منتخب دساتیر کا تقابلی مطالعہ	شجاع الدین فاروقی	۷۲۴	۶۵/=
ناوابستگی	پروفیسر رشید الدین خاں/ڈاکٹر ایس۔ ایم مہدی۔	۴۶۴	۳۷/=
وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کی تہذیبیں	سر مورٹیمر/زبیر رضوی	۱۴۸	۸/=
وجے نگر کے عہد میں نظام حکومت اور سماجی زندگی	ٹی۔ دی۔ مہالنگم/نیل کنٹھ شاستری	۵۷۲	۴۱/=
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم/عثمان حیدر مرزا	۹۶	۱۱/=
ہندوستان سرزمین اور عوام	نارائنی گپتا/ایس۔ کے سنگھ	۷۰	۲/=
ہندوستان کا شاندار ماضی	اے۔ ایل۔ باشم/ایس غلام سمنانی	۷۴۸	۳۲/=
ہندوستان کے دورِ وسطیٰ کے مؤرخین	پروفیسر محب الحسن/مسرور علی ہاشمی۔	۴۷۸	۴۵/=

ایک تاتی اور رنگ ساز کا قصہ	اطہر پرویز	۱۴۸	۹/=
اینڈرسن کی کہانیاں	اطہر افسر	۶۴	۴/۵۰
ابلیس آئینہ گھر میں	عبدالحق	۱۱۸	۱۱/=
یارنامہ	ڈاکٹر محمد قاسم صدیقی	۶۴	۱۲/=
باتیں کرنے والا غار	دولت ڈونگاجی / اے کے لونگیا		۳/۵۰
باپو اور بچے	بی۔ ڈی۔ ٹنڈن / تاجور سامری	۴۸	۲/۲۵
بچوں کے حالی	صالحہ عابد حسین	۶۴	۳/۷۵
بچوں کے ڈرامے	اظہر افسر	۹۸	۱۰/۵۰
ابتدائی نفسیات	سید محمد محسن / محمد رضوان احمد خاں	۲۴۰	۱۶/=
ابنارمل نفسیات	ایفرایم روزن / ذکیہ مشہدی	۳۱۰	۲۸/=
ادبیات شناسی	پروفیسر محمد حسن	۱۹۲	۱۲/۵۰
انسان اپنی تلاش میں	رولوے / زاہدہ زیدی	۲۹۱	۳۰/=
اشارات تعلیم	آسٹن / نورالحسن	۶۳۲	۴۵/=
اصول تعلیم (دوسرا ایڈیشن)	خواجہ غلام السیدین	۴۰۶	۲۴/=
اصول تعلیم اور عمل تعلیم	ڈی۔ ایس گارڈن / خلیل الرحمٰن اور سیفی پریمی۔	۲۳۶	۱۹/۷۵
پتنجلی کا فلسفۂ یوگ	مترجم کرشن کمار پاٹھک	۱۲۷	۱۲/=
تاریخ فلسفہ اسلام	ٹ۔ ج۔ بور / سید عابد حسین	۱۷۱	۶/۵۰
تاریخ ہندی فلسفہ	ایس۔ این۔ داس گپتا / رائے شیو موہن لال ماتھر۔	۵۷۴	۳۰/=
تحلیل نفسی کا اجمالی خاکہ	سگمنڈ فرائڈ / ظفر احمد صدیقی	۸۳	۱۰/۵۰
تدریس تاریخ	خلیل الرب	۲۴۷	۱۸/=
تدریس جغرافیہ	محمد ضیاء الدین علوی	۱۷۹	۲۰/=
تعلیم اور اس کا سماجی پس منظر	ڈاکٹر سلامت اللہ	۲۷۲	۱۰/۷۵
تعلیمی تشکیل نو کے مسائل	خواجہ غلام السیدین / ایم۔ ابوبکر	۳۰۷	۱۲/۷۵
تعلیمی رہنمائی اور مصلاح کاری	عبدالمغنی مدہوش	۱۹۲	۱۳/۷۵